جلد ششم　　　جنوری سنہ ۱۹۲۶ ع　　　حصۂ بست و یکم

اُردو

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرست مضامین

تنقید شعر العجم

از

(مولانا حافظ محمود خاں صاحب شیرانی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور)

نظامی گنجوی

قولہ "الیاس یوسف نام، ابو محمد کنیت، نظام الدین لقب، نظامی تخلص، باپ کا نام موید تھا"

(شعر العجم صفحہ ۲۸۹ طبع الناظر پریس سنہ ۱۹۱۷ع)

شیخ نظامی کا نام در اصل الیاس ہے اور اس کے لئے یہ شعر سند ہے۔ لیلیٰ مجنوں —

و الیاس کالف بری ز لامش ہم با، نود و نہ است نامش*

(خمسۂ نظامی صفحہ ۲۰۸ طبع مطبع مظفری بمبئی سنہ ۱۳۲۷)†

ایک اور شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام اویس بھی تھا۔ لیلیٰ مجنوں —

یا رب تو مرا کاویس نامم در عشق محمدی تمامم

زاں شہ کہ محمدی جہاں است روزیم کن آنچہ در خیال است

(خمسہ صفحہ ۲۰۴)

یوسف ان کے والد کا نام تھا زکی دادا کا اور موید پردادا کا۔ لیلیٰ مجنوں —

---

* الیاس کے اعداد ایک سو دو سے الف اور با کے اعداد کے تخرجہ سے نناوے باقی بچتے ہیں —

† اس مضمون کے دوران میں صفحات کے حوالے اسی خمسہ کے دئے گئے ہیں۔

گر شد پدرم به نسبت جد یوسف پسر زکی موید

(خمسه صفحه ۲۰۹)

قوله "قم کے اضلاع میں تفرش ایک ضلع ہے۔ اصل وطن یہاں تھا، لیکن چونکہ قم صدر مقام ہے اس لئے انتساب میں تفرش کے بجائے قم کا نام لیتے ہیں"

(شعرالعجم صفحہ ۲۸۹)

تفرش* کے متوطن تفرش کی طرف ہی منسوب ہوا کرتے ہیں مثلاً میر عبدالغنی تفرشی، میرزا طاہر تفرشی، امیر قدسی تفرشی، تابیا تفرشی وغیرہ لیکن جو ضعیف روایت نظامی کو تفرش کی طرف نسبت دیتی ہے اصل میں یوں ہے کہ شیخ، تفرش کے موضع تامن کے جس کو بہ تخفیف من "تا" بھی کہا جاتا ہے، رہنے والے تھے چنانچہ اب بھی ان کی اولاد وہاں آباد ہے —

بتفرش دہے هست تا نام او نظامی از آنجا شده نامجو

لیکن خمسہ میں تامن، تفرش اور قم کی طرف کوئی تلمیح نہیں ملتی اور نظامی گنجہ کے ساتھ اس کثرت سے اپنے آپ کو مضاف کر رہے ہیں کہ اس تعلق کی موجودگی میں کسی اور شہر یا وطن کی طرف نسبت دینے کی گنجایش ہی باقی نہیں رہتی —

قوله "سال ولادت کسی نے بیان نہیں کیا لیکن چونکہ بروایت صحیح سن وفات سنہ ۵۹۶ ہجری ہے اور ان کی عمر عموماً ۶۳ برس کی بیان کی جاتی ہے اس لئے سال ولادت سنہ ۵۳۳ ہجری سمجھنا چاہئے"

(شعرالعجم صفحہ ۲۸۹)

مولانا نظامی کے سال وفات کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہے چنانچہ تذکرۂ دولتشاہی میں سنہ ۵۷۶ ہجری، آتشکدہ میں سنہ ۵۸۷ ہجری،

* اس کی قدیمی شکل طبرش ہے چنانچہ شرف الدین علی وزیر عراق جو جلال الدین منکبرنی کا وزیر ہے طبرشی کہلاتا ہے —

جہاں آرا میں سنہ ۵۹۷ ھجری، کشف الظنون میں سنہ ۵۹۹ ھجری، صبح صادق اور شاھد صادق میں سنہ ۶۰۲ ھجری، اور نقی کاشی کے ھاں سنہ ۶۰۶ ھجری ھے—

سنہ ۵۹۹ھ اصل میں شرفنامہ کے اختتام کی تاریخ ھے۔ھمارے ھاں مورخین میں ایک اور دستور رھا ھے کہ تاریخ وفات کی غیر حاضری میں مصنفین کی آخری تصنیف کی تاریخ کو ان کی تاریخ وفات مان لیا جاتا ھے چنانچہ حکیم سنائی، عنصر المعالی کیکاؤس وغیرھم کے ساتھہ بھی سلوک کیا گیا ھے—

اقبال نامہ میں نظامی نے جہاں حکما کی وفات کے عنوان قایم لئے ھیں وھاں اپنی وفات کا عنوان بھی قایم کر دیا ھے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال کی تھی اسی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ھے۔ مولانا نظامی نے عاشق رسول ھونے کی حیثیت سے اسی عمر میں وفات پانے کی خواھش کی ھے تا کہ موت میں بھی اتباع سنت رسول کی جائے۔ لیکن ایک امر کی آرزو اور بات ھے اور اُس آرزو کا پورا ھونا اور بات ھے۔ ھمارے پاس بعض ایسے وجوہ موجود ھیں جن سے معلوم ھوتا ھے کہ سکندر نامہ کے اختتام کے کئی سال بعد تک وہ زندہ رھے ھیں—

لیکن سال ولادت معلوم کرنے کے لئے ایک یقینی ذریعہ یہ ھے کہ شیخ نظامی لیلی مجنوں میں اپنی عمر ۷ × ۷ ۴۹ بتاتے ھیں— بیت

زین سحر سحر گہی کہ رانم — مجموعۂ ھفت سبع خوانم

(خمسہ صفحہ ۲۰۷)

چونکہ یہ مثنوی سنہ ۵۸۴ ھجری میں ختم ھوتی ھے چنانچہ ابیات

کار رستہ شد بہ بہتریں حال — در سلخ رجب بہ تے و فا دال

تاریخ عیاں کہ داشت با خود — ھشتاد و چہار بعد پانصد

(خمسہ صفحہ ۲۰۴)

اس لئے اگر سال عمر انھاس سنہ ۵۸۴ ھجری سے تفریق کئے جائیں تو سنہ ۵۳۵ ھجری سال ولادت نکل آتا ہے۔ سال وفات کے متعلق اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ وہ سنہ ۶۰۷ ھجری کے بعد تک زندہ تھے —

قولہ "اس زمانہ کے تمام بڑے بڑے سلاطین نے ان کی قدردانی کو لازمۂ سلطنت سمجھا' اور فرمایش کر کے ان سے اپنے نام پر کتابیں لکھوائیں اسباب اس کے مقتضی تھے کہ سب سے پہلے قریبی دربار سے تعلق پیدا ہوتا لیکن یہ سعادت دور والوں کی قسمت میں لکھی تھی۔ سب سے پہلے جس کو یہ عزت نصیب ہوئی وہ بہرام شاہ تھا۔ نظامی نے مخزن اسرار سنہ ۵۵۹ ھجری میں اسی کے نام پر لکھی اور صلہ میں اس نے پانچ ہزار اشرفیاں ایک قطار شتر اور انواع و اقسام کے بیش قیمت کپڑے بھیجے" (شعر العجم صفحہ ۲۹۰)

یہ خیال کہ بہرام شاہ کی فرمایش پر مخزن اسرار لکھی گئی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ نظامی نے اپنی خواہش سے اسے بہرام شاہ کے نام پر معنون کیا ہے۔ چنانچہ مخزن

بر ہمہ شاہاں ز پئے این جہاں قرعہ زدم نام تو آمد بفال

مخزن اسرار کے اکثر نسخوں میں اگرچہ تاریخ تصنیف سنہ ۵۵۹ ھجری ملتی ہے جیسا کہ مولانا شبلی نے اوپر ذکر فرمایا ہے اور اس کی سند یہ اشعار ہیں --

بود حقیقت بہ شمار درست بست و چہارم ز ربیع نخست

از کہ ہجرت شدہ تا این زمان پانصد و پنجاہ و نہ افزون بران

لیکن بعض قدیم نسخوں میں پنجاہ و نہ کی بجاے ہشتاد و دو ملتا ہے مگر میرے خیال میں "ہفتاد و دو" زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس خیال کے مویّد یہ قرائن ہیں کہ نعت سوم میں نظامی نے ایک موقع پر سنہ ۵۷۰ ھجری کا ذکر کیا ہے —

پانصد و هفتاد و بس ایام و خواب   روز بلند است بمجلس شتاب

نیز اس وقت ان کی عمر چالیس سال سے کچھہ هی کم یعنے تینتیس سال کی تھی - علاوہ بریں ملکو چک غازی کا پوتا بہرام شاہ سنہ ۶۲۲ هجری میں وفات پاتا هے - اب سنہ ۵۵۹ هجری اور سنہ ۶۲۲ هجری میں ۶۳ سال کا فرق هے اور بحیثیت معتادہ ان ایام میں ایک پادشاہ کے لئے ۶۳ سال تک سلطنت کرنا وہ بھی یہ فرض کر کے کہ سنہ ۵۵۹ هجری میں وہ تخت نشین هوتا هے دشوار ضرور معلوم هوتا هے —

مخزن کے انعام کے متعلق سب سے قدیم وہ بیان هے جو ابن بی بی نے مختصر سلجوق نامہ میں دیا هے - میں بجنسہ یہاں اس کو نقل کرتا هوں —

" ملک فخر الدین بہرام شاہ صاحب سیرت نیکو و علو همت و فرط مرحمت بود و در ایام پادشاهی او مملکت ارزنجان در کمال خورسندگی بود و کتاب مخزن الاسرار را نظامی گنجہ بنام او کرد و بخدمتش تحفہ فرستاد - پنجهزار دینار و پنج سر استر راهوار جائزہ فرمود " *

انعام کی روایت اس میں شک نہیں نہایت عام هے لیکن میں نظامی کے ان بیانات کی طرف توجہ دلانا چاهتا هوں جو شیریں خسرو میں محفوظ هیں اور گزشتہ بیانات کے بالکل منافی هیں - نظامی بار بدرا مشگر کے حق میں خسرو پرویز کی داد و دهش اور اپنے زمانہ کی نا قدردانی کا ذکر کرتے هوے فرماتے هیں —

چو عالی همتی گردن بر افراز   طناب هر زہ از گردن بینداز

بخورسندی طمع را دیدہ بردوز   زچوں من قطرۂ دریائی آموز

کہ چندیں گنج بخشیدم بشاهے   وزاں خرمن نجستم برگ کاهے

بہ بے برگی سخن را راست کردم   نہ او داد و نہ من درخواست کردم

---

* منقول از راحت الصدور مرتبۂ ڈاکٹر محمد اقبال حاشیۂ صفحہ ۲۱۷

مرا ایں بس کہ پر کردم جہانرا ولی نعمت شدم دریاو کانرا

(خمسہ صفحہ ۱۰۸)

مخزن کے بعد ہی شیریں خسرو تصنیف ہوتی ہے اور مخزن کے صلہ نہ ملنے کی شکایت قدرتاً شیریں خسرو میں کی جاسکتی ہے۔اشعار بالا سے صرف یہی ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ بہرام شاہ نے کوئی صلہ نہیں دیا—

قولہ " مخزن کی تصنیف کے وقت نظامی کا سن تقریباً ۲۵ برس کا تھا"

(شعرالعجم صفحہ ۲۹۱)

خود نظامی کے اپنے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی عمر چالیس سال سے کسی قدر کم تھی۔یہ اشعار ملاحظہ ہوں—

طبع کہ با عقل بدلا لگیست منتظر نقد چہل سالگیست

تا بچہل سال کہ بالغ شود خرج سفر ہاش مبالغ شود

یار کنوں بایدت افسوں بخواں درس چہل سالگی اکنوں بخواں

(خمسہ صفحہ ۱۴)

قولہ " اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوے اور دشت و بیابان طے کرتے ہوے قریباً ایک مہینہ میں پایۂ تخت میں پہنچے " (شعرالعجم صفحہ ۲۹۳)

مولانا نظامی کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ اتابک قزل ارسلان گنجہ سے صرف تیس فرسنگ کے فاصلے پر ٹھہرا ہوا تھا جب اس نے نظامی کی طلبی کے لئے اپنا قاصد روانہ کیا ہے نظامی کو اس فاصلہ کے طے کرنے کے لئے ایک ماہ کے سفر کی ضرورت نہیں ہے— خسرو شیریں

شبے روزے سفر کن کانکہ از راہ * بہ سی فرنگ آمد موکب شاہ

قولہ " ان میں علم و فضل کی قدردانی کے لحاظ سے سب سے ممتاز منوچہر

---

* بعض نسخوں میں " بسے روزے سفر کن " الخ ملتا ہے۔جس کو غالباً مولانا شبلی نے " بہ سی روزے سفر کن " الخ پڑھکر یہ نتیجہ نکالا کہ یہ سفر ایک ماہ میں طے ہوا

خاقان کبیر جلال الدنیا والدین شاہ آخستان تھا جو سلاطین شروانیہ کا درۃالتاج تھا' یہ خاندان خالص ایرانی نسل یعنے بہرام چوبین کی یادگار تھا' منوچہر نہایت علم دوست اور علم پرور تھا............منوچہر نے اپنے ہاتھہ سے نظامی کو دس پندرہ سطروں کا خط لکھہ کر بھیجا کہ لیلی مجنوں کی داستان نظم کیجیے" (شعرالعجم صفحہ ۲۹۵)

لیلی مجنوں کے لئے خاقان کبیر منوچہر نے فرمایش نہیں کی ھے وہ اس عہد سے ایک دراز مدت قبل وفات پاچکا ھے- یہ کتاب منوچہر کے فرزند ابوالمظفر جلال الدین اخستاں کی فرمائش پر لکھی گئی ھے جو ان دنوں والی شروان تھا- چنانچہ ابیات

خاقان جہاں ملک معظم مطلق ملک الملوک عالم
صاحب جہت جلال و تمکیں یعنے کہ جلال دولت و دیں
تاج ملکاں ابوالمظفر زیبندۂ ملک ھفت کشور
شروان شہ آفتاب سایہ کیخسرو کیقباد پایہ
شاہ سخی اختساں کہ نامش مہر بست کہ مہر شد غلامش
بہرام نژاد و مشتری مہر در صدت ملک منوچہر

(خمسہ صفحہ ۲۰۴)

قولہ "نظامی نے اس مثنوی کے صلہ میں بادشاہ سے یہ خواھش کی کہ ان کے صاحبزادے ولیعہد سلطنت کے ندیموں اور مصاحبوں میں داخل کئے جائیں" (شعرالعجم صفحہ ۲۹۶)

حقیقت یہ ھے کہ نظامی نے لیلی مجنوں میں شاہ اخستان کے بعد اس کے فرزند کو جس کا نام دادا کے نام پر منوچہر رکھا گیا ھے علیحدہ خطاب کیا ھے جس کے ضمن میں کہا ھے کہ میرے فرزند نے مجھسے درخواست کی ھے کہ میں اس کو تمہارے حوالہ کردوں تاکہ تمہاری حفاظت میں آجاے اور ھم درس

بھی ھوجاے — ابیات

آں گوھر کاں کشادۂ من — پشت من و پشت زادۂ من
گوھر بکلاہ و کاں بر افشاند — وز گوھر کان شہ سخن راند
کیں بیکس رابعہد وسوگند — برکش بہ پناہ آنخداوند
بسیار مرا بعہدش امروز — کو نو قلم است و من نو آموز
تا چوں گہرش کمال گیرد — اندر ز ترا بفال گیرد
کاں تخت نشیں کہ اوج سایست — خورد است ولے بزرگ رایست
آں یوسف ھفت بزم و نہ مہد — ھم والی عہد و ھم و لیعہد
نو مجلس و نو نشاط و نو مہر — فرزند شہ اختساں منوچہر

(خمسہ صفحہ ۲۰۶)

اور تعریف کے بعد اصل مدعا کا اظہار یوں کیا گیا ھے

دارم بخدا امید واری — کز غایت ذھن و ھوشیاری
آنجات رساند از عنایت — کآمادہ شوی بہر کفایت
ھم نامۂ خسرواں بخوانی — ھم گفتۂ بخرداں بدانی
ایں گنج نہفتہ رادریں درج — بینی چو مہ دوھفتہ در برج
دانی کہ چنیں عروس مہدے — ناید ز قران ھیچ عہدے
گردر پدرش نظر نیاری — تیمار برادرش بداری
از راہ نوازش تمامش — رسمے ابدی کنی بنامش
تا حاجتمند کس نباشم — سر پیش و نظر ز پس نباشم
ایں گفتم و قصہ گشت کوتاہ — اقبال تو باد و دولت شاہ

(خمسہ صفحہ ۲۰۷)

قولہ "قزل ارسلان کے مرنے کے بعد' اس کا بھتیجا یعنے محمد بن ایلد گز کا فرزند ارجمند ابو بکر نصرۃالدین سنہ ۵۸۷ ھجری میں مسند آرا ھوا۔

نظامی کو اس خاندان سے قدیم تعلق تھا اسوقت تک انہوں نے جو کتابیں لکھیں تھیں سلاطین وقت کی فرمایش سے لکھی تھیں، لیکن سکندر نامہ اپنی خواہش سے لکھا اور ابوبکر نصرۃالدین کے نام موسوم کیا"—(شعرالعجم صفحہ ۲۹۶)

سکندر نامہ کے بعض اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب نصرۃالدین کی فرمایش سے لکھی گئی تھی چنانچہ

نشاط از تو دارد گہر سفتنم ۔۔۔ سزاوار تست آفریں گفتنم
خرد کا سمانرا زمیں میکند ۔۔۔ بریں آفرین آفریں میکند
چو فرماں چنیں آمد از شہریار ۔۔۔ کہ بر نام مانقش بند ایں نگار
بگفتار شہ مغز را تر کنم ۔۔۔ بگفت کساں مغز در سر کنم
فرستم عرو سے بداں بزمگاہ ۔۔۔ کزو چشم روشن شود بزم شاہ

(خمسہ صفہ ۱۲۹) دیگر

چو فرمود شہ باغے آراستن ۔۔۔ سمن کشتن و سرو پیراستن
بسر سبزے شاہ روشن ضمیر ۔۔۔ بہ نیروے فرہنگ فرماں پذیر
یکے سرو پیراستم در چمن ۔۔۔ کہ بر یاد او مے خورند انجمن

(خمسہ صفحہ ۲۵۵)

قولہ "کتاب لکھہ کر پیش کی تو مقررہ رقم کے علاوہ سواری کا گھوڑا بیش قیمت کپڑے خلعت وغیرہ عطا ہوا" (شعرالعجم صفحہ ۲۹۶ ہجری)

اور حاشیہ میں اضافہ فرمایا ہے—

"لیکن تعجب ہے کہ نقد رقم صرف ہزار لکھی ہے۔اگر یہ ہزار دینار بھی فرض کر لئے جائیں تب بھی ایسی رقم ہے جو نہ نظامی کے شایان ہے نہ ایک مشرقی بادشاہ کے چہرے پر کھلتی ہے"—

اس کے متعلق شیخ نظامی کا بیان حسب ذیل ہے—

چو شہ دید در گوہر دلپسند ۔۔۔ پسندید وشد کار گوہر بلند

ازاں نقد رومی که باشد درست | هزارم پذیرفته بود از نخست
چو من نزل در خورد او ساختم | بپائے وے ایں در برانداختم
هزارم پذیرفته را داد زرد | بسے چیزها نیز بروے فزود
ز مرکوب و دیبا و صد گونه چیز | همان خلعت پادشاهانه نیز
دو صد نقد دیگر ز دیوان بهر | نوشتم باد رار دیوان دهر
بداں تا رسانندگاں جز بجو | رسانند هر سالے از ذر بدو

(از اقبال نامۂ قلمی)

گویا جس وقت پادشاه نے فرمایش کی تھی اسی وقت ایک هزار اشرفی (درست) صله دینے کا وعده کرلیا گیا تھا جب کتاب ختم هوکر پیش هوئی زر موعود انکو مل گیا۔اس کے علاوه اسپ وخلعت اور دیبا کے تھان عنایت هوے اور دو سو اشرفی سالانه نقد پنشن مقرر هوگئی - ساتھه هی یهه بھی لحاظ رهے که یهه انعام صرف اقبال نامه یعنے سکندر نامه بحری کیلئے عطا هوا هے۔شرف نامه اس سے تین سال قبل لکھا جا چکا هے۔اسکا صله اس انعام میں شامل نهیں هے۔جب خود نظامی نے اس عطیه کو مسرت اور دعا آشنا الفاظ کے ساتھه قبول کر لیا هے تو همیں چاهئیے که اسی پر قناعت کریں اور مشرقی فیاضی کے خلاف شکوه سنج نهوں۔نظامی انعام کے ذکر کو ان ابیات پر ختم کرتے هیں —

خدا یا جهاں را بدیں گنج بخش | بر افروز چوں دیده را از درخش
فلک را بحشمت گراینده دار | بدو داد ودیں هر دو پاینده دار

(اقبال نامۂ قلمی)

قوله "اساتذه سے مینے سنا هے که سلاطین وقت نظامی کی اسقدر عزت کرتے تھے که ایک پادشاه نے اپنی لڑکی انکے بیٹے سے بیاه دی تھی' مینے کسی کتاب میں یهه واقعه نهیں دیکھا' لیکن سکندر نامۂ بحری کے خاتمه سے اسقدر به تصریح ثابت هوتا هے که نظامی نے اپنی صاحبزادی اور

اپنے فرزند محمد کو نصرۃ الدین کی خدمت میں بھیجا تھا - چنانچہ کہتے ہیں

دو گوہر بر آمد ز دریاے من ‏ ‏ ‏ فروزندہ از روے شاں راے من

یکے عصمت مریمی یافتہ ‏ ‏ ‏ یکے نور عیسیٰ برو تافتہ

فرستادہ ام هر دو را نزد شاہ ‏ ‏ ‏ کہ یاقوت را درج دارد نگاہ

عروسے کہ دور از ز مادر بود ‏ ‏ ‏ بہ از پردہ دارش برادر بود

بباید چو آید بر شہر یار ‏ ‏ ‏ چنیں پردگی را چناں پردہ دار

چو من نزل خاص تو جاندادہ ام ‏ ‏ ‏ جگر نیز باجاں فرستادہ ام

آخری شعر سے صاف یہ راز کھل جاتا ھے "— ‏ ‏ ‏ (شعرالعجم صفحہ ۲۹۷)

میں علامہ شبلی کے اس عجیب و غریب انکشاف کے ساتھ ایک منٹ کے لئے بھی متفق نہیں ھو سکتا - یہ امر میری سمجھ سے باھر ھے کہ نظامی اپنی صاحبزادی کو نصرۃالدین کے ھاں کیوں بھیجتے اور صاحبزادی وھاں کیا کرتیں- اگر کسی رشتہ داری کے خیال سے بھیجی گئی ھیں تو بہتر تھا کہ علامہ شبلی اس کی وضاحت کردیتے - لیکن میں یہہ دعویٰ کرنے کے لئے طیار ھوں کہ نظامی کے کوئی صاحبزادی نہیں تھیں - انکے صرف ایک اولاد تھی یعنے محمد جنکے لئے فرمایا ھے بیت

یک دانۂ اولیں فتوحم ‏ ‏ ‏ یک پیالۂ آخریں صبوحم

ان اشعار بالا سے کوئی ایسا قیاس مترتب ھو سکتا' بات صرف اتنی ھے کہ انھوں نے سکندر نامہ اپنے فرزند محمد کے ھمراہ بھیجا ھے اور یہی سکندر نامہ وہ صاحب زادی ھے —

دو گوھر سے مولانا نظامی کی مراد ان کے فرزند صلبی محمد اور فرزند روحانی سکندر نامہ ھیں- "عصمت مریمی" میں بھی شاعر نے پھر اسی نظم کی طرف تلمیح کی ھے گویا فکر بکر کے مقبولہ خیال کو "عصمت مریمی" کے جدید پیرایہ میں ادا کیا ھے- عروس سے مراد وھی نظم ھے اور "مادر" سے مقصد

مفروضہ صاحبزادی کی والدہ نہیں ہیں بلکہ شاعر نے اپنی ذات مراد لی ہے جو لوگ نظامی کی شاعری سے واقف ہیں وہ میرے اس بیان سے اتفاق کریں گے کہ شیخ نظامی بعض اوقات اپنی ضمیر یا طبیعت کو عورت فرض کرلیتے ہیں اور اپنی نظم کو عروس کے نام سے یاد کرتے ہیں - یہاں اس قسم کی بعض مثالیں دی جاتی ہیں—

(۱) ضمیرم نزن بلکہ آتش زن است — کہ مریم صفت بکر و آبستن است

تقاضائے آنشوے چوں آیدش — کہ از سنگ و آھن بروں آیدش

(۲) عروس سرا پیش گوھر شناس — کند تازہ روئی بسے اقتباس

(خمسہ صفحہ ۲۵۴)

(۳) بگفتار شہ مغز را تر کنم — بگفت کساں مغز در سر کنم

فرستم عروسے بداں بزم گاہ — کزو چشم روشن شود بزم شاہ

عروسے چنیں شاہ را بلدہ باد — بداں مہر آفاق فرخندہ باد

(خمسہ صفحہ ۱۲۹)

(۴) ایں گنج نہفتہ دریں درج — بینی چو سہ دو ھفتہ در برج

دانی کہ چنیں عروس مہدے — ناید ز قران ھیچ عہدے

گر در پدرش نظر نیاری — تیمار برادرش بداری

(خمسہ صفحہ ۲۰۷)

انہی ابیات سے جو مولانا شبلی نے نقل کئے ہیں ایک شعر ترک کردیا گیا ہے - جس سے ہر قسم کی بدظنی رفع ہوسکتی ہے - وہ بیت یہ ہے—

بنزِ بتگہ شہ دو ھندوے بام — یکے مقبل و دیگر اقبال نام

(خمسہ صفحہ ۳۳۱)

قولہ "اس کتاب (سکندر نامہ) کی تصنیف کے وقت ان کی عمر ۶۳ سالہ برس کی تھی چنانچہ جہاں اور حکماء کے مرنے کا الگ الگ عنوان

قایم کیا ہے - اپنے نام کی بھی سرخی قایم کی ہے اس کے ذیل میں لکھتے ہیں—

نظامی چو این داستان شد تمام   بعزم شدن تیز برداشت گام

فزون بود شش مہ ز شصت و سہ سال   کہ بر عزم رہ بر دہل زد دوال

اس کتاب پر ان کی شاعری اور عمر دونوں کا خاتمہ ہوا۔ سال وفات میں سخت اختلاف ہے - دولت شاہی میں سنہ ۵۹۶ ہجری لکھا ہے، لیکن یہ خود نظامی کی تصریح کے خلاف ہے، تقی کاشی نے سنہ ۶۰۶ ہجری لکھا ہے - جامی سنہ [illegible] ہجری بیان کرتے ہیں - لیکن اس قدر قطعی ہے کہ سنہ ۵۹۹ ہجری کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے اور غالباً چھٹی صدی سے آگے نہیں بڑھے"
(شعرالعجم صفحہ ۹۷ و ۲۹۸)

حکماے یونان کی وفات کے ذکر کے ساتھہ اپنی وفات کا عنوان قایم کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نظامی نے اسی عمر میں یا چھٹی صدی کے اندر اندر انتقال فرمایا - بحیثیت عاشق رسول اس میں شک نہیں کہ اس عمر میں انتقال کرنے کے آرزومند ضرور تھے - دوسرے انھوں نے حکماے یونان کے ساتھہ اپنی ذات کو بھی شریک بنانا چاہا ہے - جہاں انھوں نے ان حکما کے مقالات کا ذکر کیا ہے اپنے مقالات بھی علیحدہ عنوان کے تحت میں دیدئے ہیں - اسی طرح ان کی وفات کے ساتھہ اپنی وفات کا عنوان بھی باندھ دیا - لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اس عہد سے ایک عرصہ بعد تک زندہ رہے ہیں -

بعض سکندر ناموں میں ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ نظامی نہ صرف ساتویں صدی کے آغاز میں موجود تھے بلکہ اس کے پہلے عشر کا ایک معتدبہ حصہ کم از کم طے کرچکے ہیں - وہ اشعار یہ ہیں -

طرفدار موصل بہر دانگی   قدر خان شاہان بفرزانگی

سر سر فرازان و گردنکشان   ملک عزدین قاہر شہ نشان

بطغرائے دولت چو طغرل تگیں* ابو الفتح مسعود بن نور دین

نور الدین ارسلان شاہ والی موصل سنہ ۶۰۷ هجری میں وفات پاتا ھے اس کا فرزند الملک القاهر عزالدین مسعود اسی سال تخت نشیں هوکر سنہ ۶۱۵ هجری میں فوت هوتا ھے (جامع التواریخ)۔ان اشعار سے ثابت هوتا ھے کہ نظامی نے سکندر نامہ کو عزالدین مسعود کے نام کے ساتھ بھی وابستہ کیا ھے۔اور اس احتمال کے لئے پوری گنجائش ھے کہ یہ انتساب نصرة الدین ابوبکر کی وفات کے بعد جو سنہ ۶۰۷ هجری میں واقع هوتی ھے، عمل میں آیا هوگا جب کہ دربار اتابکی سے نظامی کے تعلقات منقطع هوچکے هیں—

قولہ "قصیدے بہت هیں لیکن ان میں بھی کوئی خاص بات نہیں، سنائی کا انداز ھے، اخلاق اور تصوف کو ترکیب دے کر کہتے هیں۔لیکن سنائی کے بہت پیچھے هیں، اس لئے مقبول نہ هوسکے، البتہ ایک قطعہ نہایت صاف شستہ اور پر لطف کہا ھے جس کا آج تک جواب نہ هوسکا—

دوش رفتم بخرابات و مرا راہ نبود میزدم نالہ و فریاد کس از من نشنود

یا نبد هیچ کس از بادہ فروشاں بیدار یا کہ من هیچ کسم هیچ کسم در نکشود

پاسے ازشب بگزشت(کذا)بیشترک یاکمتر رندے ازغرفہ بروں کرد سرو رخ بنمود

گفت خیراست! دریں وقت کرامیخواھی بےمحل آمدنت بردرما بہرچہ بود

گفتمش در بکشا، گفت برو هرزہ مگو کاندریں وقت کسے بہر کسے در نکشود

ایں نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش بکشا نید کہ تو دیر آئی و اندر صف پیش استی زود

ایں خرابات مغان ست درو رندانند شاهد و شمع و شراب و شکر و نای و سرود

هر چہ در جملۂ آفاق درینجا حاضر مومن و برهمن و گبر و نصارا و یهود

گر تو خواهی کہ دم از صحبت ایشاں بزنی خاک پائے همہ شو، تاکہ بیابی مقصود

* طغرل تگیں انوری کا ممدوح ھے—

عصمت بخاری اور عرفی نے قوافی بدل کر اس کا جواب لکھا ہے لیکن جواب نہ ہو سکا" (شعر العجم صفحہ ۳۰۰ و ۳۰۱)

نظامی کے قصائد اگر کبھی انہوں نے لکھے تھے، اب نہیں ملتے، آتشکدہ میں صرف دو قصیدوں سے بعض چیدہ اشعار نقل کئے گئے ہیں، یہ قطعہ جس کو غزل کہنا زیادہ صحیح ہوگا اس میں شک نہیں عام طور پر نظامی کے طرف منسوب ہے۔ آتشکدہ میں چنانچہ انہی کے نام پر دیا گیا ہے۔ بعد کے مولفین صاحب آتشکدہ کے پیرو ہیں۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ اس باب میں مصنفین کو مغالطہ پیش آیا ہے راقم کے پاس مولانا عراقی کا ایک دیوان ہے جو کم از کم آٹھویں قرن ہجری کا نوشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس دیوان میں یہ قطعہ کسی قدر اختلاف کے ساتھ معہ عراقی کے تخلص کے موجود ہے جس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے

بخرابات شدم دوش مرا بار نبود میزدم نعرہ و فریاد وزمن کس نشنود

یا نبد هیچکس از بادہ فروشاں بیدار یا خود از هیچکسی هیچکسم در نکشود

چونکہ یک نیمہ زشب یا کم یا بیش برفت رندے از غرفہ بروں کرد سر و رخ بنمود

گفت خیرست دریں وقت تو دیوانہ شدی مغز بر داختی آخر بنگوئی کہ چہ بود

گفتمش دربکشا گفت برو هرزہ مگوی تا دریں وقت ز بہر جو توئی در کہ کشود

این نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش بکشایم تا تو اندر دوی و اندر صف پش آئی زود

این خرابات مغانست ودرو زندہ دلاں شاهد و شمع و شراب و غزل و رود و سرود

[سر کوشاں عرفاتست و سراشاں کعبہ عاشقاں همچو خلیلہ و رقیباں نمرود *]

زرو سر را نبود هیچ دریں بقعہ محل سود شاں جملہ زیانست وزیاں شاں همہ سود

---

* یہ شعر داخل متن نہیں ہے بلکہ بعد میں کسی نے پہلوے غزل میں ایسے خط میں لکھا ہے جو دسویں صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے —

اے عراقی چہ زنی حلقہ بریں درشب و روز زیں آتش خود هیچ نہ بینی جزدود

نظامی کے مقابلہ میں عراقی کو اس غزل کا زیادہ مستحق مانا جا سکتا ہے۔میری دلیل صرف یہی ہے کہ اول تو وہ ایک ایسے نسخہ میں ملتی ہے جو اب سے تقریباً چھہ سو سال پیشتر کا مرقومہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کتاب جس قدر قدیم ہے اسی قدر زیادہ معتبر ہے۔علاوہ بریں اس غزل میں واردات حقیقت کو مجاز کی زبان میں ادا کیا گیا ہے یعنے خرابات۔بادہ فروش۔رند۔مغان۔شاهد۔شمع۔شراب اور سرود وغیرہ کا حقیقی اطلاق متصوفین کے نزدیک کچھہ اور ہے جو ان الفاظ کے اصلی معنوں سے ظاهر نہیں ہوتا۔مغربی فرماتے هیں—

اگر بینی دریں دیوان اشعار خرابات و خراباتی و خمار

بت وزنار و ناقوس و چلیپا مغ و ترسا و گبر و دیر و مینا

شراب و شاهد وشمع شبستاں خروش بربط و آواز مستاں

---

* اس دیوان کے رسم الخط کی بعض خصوصیات ذیل میں درج کیجاتی هیں— جبکہ حرف ماقبل حرف علت ہے یا حرف صحیح متحرک ہے دال کو بالعموم ذال لکھا جاتا ہے مثلاً دیدی۔شاد۔باد۔یابد۔آمد اور بداں کو دیذی۔شاذ۔باذ۔یابذ۔آمذ اور بذاں مرقوم کیا ہے۔است کا الف اکثر اوقات حذف کر دیا دیا ہے مثلاً خوش است خیر است اور مسکین است کو خوشست۔خیرست اور مسکینست لکھا ہے۔آنچہ چنانکہ اور آنکہ کو آنچ۔اچنانک اور آنک عام طور پر لکھا ہے۔تا و یا کے نقاط پہلو بہ پہلو ایک هی سطح پر ملا کے نہیں لکھے جاتے بلکہ علیحدہ علیحدہ مختلف سطحوں پر۔مثلاً ت اور ي کو یوں لکھا ہے "ن" و "ٮب" علاوہ بریں یاے تحتانی کے اوپر نقاط لگانیکی رسم بھی جاری ہے مثلاً دیدی۔دمیدی اور خمیدی کو دیذیٓ دمیذیٓ اور خمیذیٓ لکھا گیا ہے۔کاف بیانیہ یاے مختفی کے علاوہ یاے تحتانی کے ساتھہ بھی لکھا جاتا ہے۔جیم و کاف و باے فارسی و عربی میں کچھہ امتیاز نہیں ہے۔جب با و یا یا نون و تا ساتھہ آگئے ان کے نقاط کو بلا امتیاز ایک هی جگہ رکھہ دیا ہے مثلاً تگلگاے اور بهرون کو تگلگاے اور بهروں لکھا گیا ہے۔میم و دال مہملہ سین مہملہ و راے مہملہ پر بعض اوقات الٹا جزم دیا گیا ہے اور ہاے هوز کے شوشہ نہیں لگایا جاتا—

می و میخانہ و رند خرابات حریف و ساقی و مرد مناجات
خط و خال وقد و بالاے و ابرو عذار و زلف پیچاں. پیچ گیسو
مشو زنہار ازاں گفتار در تاب بر و مقصود ازاں گفتار دریاب
مپیچ اندر سرو پاے عبارت بہ بیں اشعار ارباب اشارت
کہ ہریک را ازیں الفاظ جانیست بزیر ہر یکے پنہاں جہانیست

جذبات عرفاں کو مجاز کی زبان میں ادا کرنیکا طریقہ سب سے پیشتر سنائی سے شروع ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فارسی میں اس طریق کو مقبول بنانیوالے شیخ فریدالدین عطار ہیں۔ان کے ہاں اسرار عرفاں رندانہ طریق سخن میں ادا کئے گئے ہیں۔گویا حقیقت کو مجاز کے پردہ میں اور کعبہ کو صنم خانہ کے آغوش میں چھپا دیا گیا ہے۔عطار کے بعد مولانا روم اور ان کے بعد شیخ عراقی یہی رنگ اختیار کرتے ہیں۔نشۂ عشق ان پر چھایا ہوا ہے۔رندی اور سرمستی ان کی شاعری کی روح ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ غزل اسی قسم کے جذبات سے معمور ہے--

شیخ نظامی کے رزمیہ اشعار کی مثال میں مولانا شبلی نے ذیل کے دو شعر بھی درج کئے ہیں—

ز سم ستوراں دراں پہن دشت زمیں شش شدو آسماں گشت ہشت
فرو رفت و بر رفت روز نبرد نم خوں بماھی و بر ماہ گرد

(شعرالعجم صفحہ ۳۴۱)

درست یہ ہے کہ دونوں شعر فردوسی کے ہیں اور تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ شاہناموں میں ملتے ہیں۔بیاض بندہ علیخان میں فردوسی کے منتخب کلام میں یہ اشعار بھی موجود ہیں۔اب بھی اگر کسی صاحب کو شبہ ہو تو ذیل کا لطیفہ مخزن الغرائب* سے جو سرخوش+ کے حالات میں درج ہے ھدیۂ

---

* احمد علی سندیلہ کی تصنیف ہے
+ کلمات الشعرا کا مصنف

ناظرین کیا جاتا ھے- واضح رھے کہ صاحب مخزن الغرائب سرخوش سے اس کے عجیب انداز خودستائی کی بنا پر ناراض ھیں لکھتے ھیں اور سرخوش کی عبارت نقل کرتے ھیں—

میگوید "شبے درخواب دیدم کہ روح من درسیر سموات است- شورے در گوش من می آید کہ احسنت و آفرین باد- ھیچ صورتے بنظر درنمی آید- من پرسیدم کہ تحسین چہ چیز میکنند- گفتند- بیتے از ملا نظامی گنجوی مقبول ملاء الاعلی افتادہ کہ گفتہ---

زسم ستوران درآں پہن دشت زمیں شش شدو آسماں گشت ھشت

گفتم شعر خود بلند است اما رزمیہ است اینجا چہ مناسبت دارد- اینجا باید کہ شعر توحید و نعت درجۂ قبول یابد در خواب خندہ میکنم و می گویم کہ راست گفتہ اند کہ معلوم شد شعر فہمی عالم بالا" اس پر صاحب مخزن الغرائب ذیل کے الفاظ اضافہ کرتے ھیں "دروغ گو را حافظہ نباشد- ایں عزیز شعر فردوسی را بہ شیخ نظامی قرار دادہ و فرشتگان را بہ نسیان منسوب نمودہ کہ شعر فردوسی را بنام شیخ نظامی گویند"—

قولہ "۱۴ رمضان سنہ ۵۹۳ ھجری میں سلطان غیاث الدین کرب ارسلان علاءالدین اقسنقری کی فرمایش سے ھفت پیکر لکھی جس میں بہرام گور کا قصہ ھے"—

(شعر العجم صفحہ ۲۹۶)

نظامی نے اس پادشاہ کا نام علاءالدین کرب ارسلان دیا ھے- چنانچہ

عمدۃ المملکت علاءالدین حافظ و ناصر زمان و زمیں

شاہ کرب ارسلان کشور گیر بہ ز الپ ارسلاں بتاج و سریر

اس سے معلوم ھوتا ھے کہ لقب "غیاث الدین" اس کے نام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا- یہ علاءالدین امیر مراغہ ھے وہ آقسنقر احمد یلی کے اسباط سے ھے جس کو

باطنیوں نے سنہ ۵۲۷ ھجری میں قتل کیا ھے - خود علاءالدین کے متعلق اسی قدر معلوم ھے کہ ایتو غمش نے سنہ ۶۰۲ ھجری میں اس کا محاصرہ کیا تھا - راحت‌الصدور میں اس کو اتابک علاءالدین خداوند مراغہ لکھا ھے اور سلطان طغرل کے حالات میں دو مرتبہ اس کا ذکر آتا ھے --

اگرچہ عام خیال یہ ھے کہ بہرام نامہ علاءالدین کی فرمایش پر لکھی گئی ھے لیکن میرا عقیدہ ھے کہ نظامی نے اپنی خواھش سے اس کے نام پر منسوب کی ھے - میرے موید یہ اشعار ھیں —

چوں من‌الحق شناختم بقیاس — کاھل فرھنگ را تو داری پاس

نخری زرق کیمیا سازاں — نہ پذیری فریب طنازاں

نقش ایں کارنامۂ ابدی — بر تو بستم بطالع اسدی

(ھفت پیکر صفحہ ۱۱ طبع نول کشور سنہ ۱۳۲۲ ھجری)

دیگر ایں چنیں نامہ بر تو شاید بست — کز تو جاے بلند نامی ھست

چونکہ شد لعل بستہ بر تاجش — بر تو بستم ز بیم تا راجش

گر بسمع تو دلپسند بود — چوں سریر تو ارجمند بود

ھفت پیکر صفحہ ۱۱۳ طبع نول کشور سنہ ۱۳۲۲ ھجری)

نظامی نے یہ کتاب ایک خط کے ساتھہ علاءالدین کے پاس جب کہ وہ روئیں‌دژ میں مقیم تھا بھیجی تھی --

قولہ "قصیدہ میں ان کی یہ خصوصیت لحاظ کے قابل ھے کہ اگرچہ ان کو مختلف درباروں سے تعلق تھا اور جس قدر مثنویاں لکھیں سب کسی نہ کسی فرماں‌روا کے نام پر لکھیں تاھم قصیدہ کو انھوں نے مداحی سے آزاد رکھا اور یہ بتایا کہ شعر کی اس عمدہ صفت سے اور بھی مفید کام لئے جا سکتے ھیں لیکن افسوس ھے کہ ان کے نقش قدم پر کوئی نہیں چلا "

(شعرالعجم صفحہ ۳۰۲)

جب مثنوی کے میدان میں ھی شیخ نظامی سلاطین کی مدح سرائی سے باز نہیں آتے تو قصائد کے میدان میں خدا جانے کیا قیامت ڈھاتے ھوں گے - خود مولانا شبلی فرماتے ھیں "مثنویوں میں اس زور کی مدحیں لکھیں جن کے آگے قصائد کی کوئی ھستی نہیں .... پادشاھوں کے سامنے اپنے آپ کو جس حیثیت سے پیش کرتے ھیں وھی ھوتی ھے جو گدا پیشہ شاعروں کا انداز ھے یعنی حضور کا نمکخوار ھوں - غلام ھوں - بندۂ درگاہ ھوں - حضور کی ذرا سی توجہ سے میرے کام بن جائیں گے "

(شعرالعجم صفحہ ۹۸ - ۲۹۹)

لیکن سوال یہ ھے کہ انہوں نے قصائد بھی لکھے ھیں یا نہیں - عوفی کا بیان ھے کہ مثنویاں یادگار ھیں باقی جنس کلام سنی نہیں گئی - خود نظامی کے بیان سے معلوم ھوتا ھے کہ غزلیں اور ضرورتاً قصائد بھی لکھے ھیں - انہوں نے اپنے دیوان کا ذکر بھی کیا ھے لیکن آج یہ سب ذخیرہ ناپید ھے - (لیلیٰ مجنوں)

گر ساز کنم قصاید چست او پیش نہد قلائد سست

(خمسہ صفحہ ۲۰۷)

قزل ارسلاں کے دربار میں قصیدہ لکھ کر لے گئے ھیں (خسرو شیریں)

در آمد راوی و بر خواند چوں در ثنائے کاں بساط از گنج شد پر

(خمسہ صفحہ ۱۹۲)

بہر حال قصیدے جو کچھ لکھے آج نہیں ملتے اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ قصیدوں میں انکا انداز مدحیہ تھا یا حکمیہ—

———:o:———

نظامی کے حالات

نظامی کے حالات و مقولات سے اگرچہ مجکو کافی مزاولت نہیں ھے تاھم سرسری مطالعہ میں جو باتیں میری نظر سے گذری ھیں ذیل میں ذکر

کرتا ہوں —

شیخ کی کم سنی میں ان کے والد یوسف کا انتقال ہوگیا ہے۔ان کی ایک نصیحت کتاب شیریں خسرو میں قلمبند کی ہے —

پدر کزمن روانش باد پر نور مرا پیرانہ پندے داد مشہور
کہ از بیدولتاں بگریز چوں تیر وطن در کوے صاحب دولتاں گیر

(خمسہ صفحہ ۱۸۳)

والدہ ایک کرد خاندان کی رئیسہ تھیں اور انھی نے ان کی تعلیم و تربیت کی ہے۔ (لیلیٰ و مجنوں)

کو مادر من رئیسۂ کرد مادر صفتانہ پیش من مرد
غم بیشتراز قیاس خورد است گرداب فزوں زقد مرد است

(خمسہ صفحہ ۲۰۹)

ایک ماموں بھی تھے جن کا نام خواجہ حسن یا عمر تھا *۔یہ ان کی بیشتر ضروریات کے کفیل تھے — (لیلیٰ مجنوں)

کو خواجہ حسن کہ خال من بود خالی شدنش وبال من بود

(خمسہ صفحہ ۲۰۹)

ازواج کے متعلق یہ یاد رہے کہ ان کی تین بیویاں تھیں اوراگر زائد بھی ہوں تو تعجب نہیں۔لیکن یہ سب کنیزیں تھیں اور سب کا انتقال ان کی زندگی میں ہوا ہے۔زیادہ بد نصیبی کی بات یہ ہے کہ مثنویاں بیویوں کے حق میں منحوس ثابت ہوئیں۔پہلی کنیز + جن کو شاہ دربند نے ان کی خدمت میں بھیجا تھا شیریں خسرو کی ولادت پر اس جہان فانی سے رخصت ہوئیں۔شیریں

* لیلیٰ مجنوں طبع نولکشور سنہ ۱۳۳۲ ھجری میں خواجہ عمر لکھا ہے۔
+ محمد انھی کے بطن سے معلوم ہوتے ہیں بیت —
اگر شد ترکم از خر گہہ نہانی خدائی ترک زادم راتودانی۔

کی وفات کے موقعہ پر شیخ نے ان کا مرثیہ لکھا ہے—

سبکرو چوں بت خفچاق من بود — گماں افتاد خود کآفاق من بود

همایوں پیکرے نغزو خردمند — فرستادہ بمن دارائے در بند

چو ترکاں گشتہ سوے کوچ محتاج — بترکی دادہ رختم را بتاراج

(خمسہ صفحہ ۱۱۸)

دوسری بیوی لیلیٰ مجنوں کے دور میں داغِ مفارقت دے جاتی ہیں۔ (اقبال نامہ)

چو بر گنج لیلیٰ کشیدم حصار — دگر گوهرے کردم آنجا نثار

(خمسہ صفحہ ۲۶۷)

شرف نامہ کے اختتام کے بعد تیسری بیوی رحلت کر گئیں۔ اقبال نامہ میں مرثیہ موجود ہے—

فلک بیشتر زانکہ آزادہ بود — ازاں بہ کنیزے مرادادہ بود

همان سہروخد متگری پیشہ داشت — همان کاردانی در اندیشہ داشت

پیادہ نہادہ رخش ماہ را — فرس طرح کردہ بسے شاہ را

خجستہ گلے خون من خورد او — بجز من نکس در جہاں مرد او

چو چشم مرا چشمۂ نور کرد — زچشم منش چشم بددور کرد

ربایندہ چرخ آنچنانش ربود — کہ گفتی کہ تابود ہرگز نبود

بخوشنودی کاں مرا بود ازو — چگویم خدا باد خوشنود ازو

(خمسہ صفحہ ۲۹۹)

خود فرماتے ہیں کہ بیویوں کے معاملہ میں میں بدقسمت ہوں جہاں ایک نئی مثنوی لکھنے بیٹھا ایک بیوی کی قربانی دینی پڑی —

مرا طالع طرفہ ہست از سخن — کہ چوں نو کنم داستان کہن

در آنعہد کاں شکرافشاں کنم — عروس شکر خندہ قرباں کنم

ندانم که با داغ چندیں عروس   چگونہ کنم قصۂ روم و روس

(خمسہ صفحہ ۲۲۶)

اولاد میں صرف ایک فرزند کا ذکر کرتے ھیں جن کا نام محمد تھا۔ان کے سوا کوئی اور اولاد نہ تھی۔شیریں خسرو میں سب سے پہلے ان کا ذکر آتا ھے جب سات سال کے تھے—

بہ بیں اے ھفت سالہ قرۃالعین   مقام خویشتن درقاب قوسین

منت پرورد م وروزی خداداد   نہ بر تو نام من نام خدا باد

لیلی مجنوں کی تصنیف کے وقت ان کی عمر چودہ سال تھی— (خمسہ صفحہ ۱۷۱)

اے چاردہ سالہ قرۃالعین   بالغ نظرے علوم کونین

آنروز کہ ھفت سالہ بودی   چوں گل بہ چمن حوالہ بودی

واکنوں کہ بچاردہ رسیدی   چوں سرو باوج سر کشیدی

(خمسہ صفحہ ۲۰۸)

سکندر نامہ کی ابتدا کے وقت محمد سترہ سال کے تھے—

وزیں ھفدہ خصل آوریدن بدست   شدہ ھفدہ سالہ بدینساں کہ ھست

محمد عوفی نے لباب الالباب میں نظامی کے اشعار ان کے فرزند کے مرثیہ سے نقل کئے ھیں۔ جو یہ ھیں—

اے شدہ ھمسر خوبان بہشت   آنچناں عارض وآنکہ برخشت

برنج عمر بسر کردن خوش   دوزخی ناشدہ رفتی بہ بہشت

خط نیاوردہ بتو عمرھنوز   ایں قضا بر سرت آخر کہ نوشت

چہ عجب گر شودے جان جہاں   خاک از دیدۂ من خوں آغشت

سبزہ زار خطت اندر خاکست   آب کے باز تواں داد بکشت

(لباب الالباب طبع یوروپ صفحہ ۲۹۷)

قرائن سے معلوم ھوتا ھے کہ یہہ محمد ھی ھیں جو نو جوان مرتے ھیں۔لیکن

ان کی وفات کا حادثہ اقبال نامہ کے اختتام کے بعد تصور کرنا چاہئیے- شیخ نظامی مثنویات کے مشغلہ اور عزلت گزینی سے قبل ایک زمانہ تک درباداری کرتے رہے ہیں— (بہرام نامہ)

منکہ سرسبزیم نماند چو بید لالہ زرد و بنفشہ گشت سفید

باز ماندم زناتنومندی از کلہ داری و کمر بندی

خدمتے سرد وار میکردم راستی را کنوں نہ آں مردم

روزگارم گرفت وبست چنیں عادت روزگار ہست چنیں

نافتادہ شکستہ بودم بال چو فتادم چگونہ باشد حال

(خمسہ صفحہ ۱۱)

مخزن اسرار کے وقت ان کی عمر از روے حساب سینتیس سال ہونی چاہئیے کیوں کہ میرے خیال میں یہ نظم سنہ ۵۷۲-۵۷۳ ھجری میں لکھی گئی ہے- شیریں خسرو کے وقت پورے چالیس سال کے تھے— چنانچہ

پس از پنجاہ چلہ در چہل سال مزن پنجہ بریں حرف ورق مال

(خمسہ صفحہ ۵۹)

دوسرے موقع پر کہا ہے—

چو در عہد چہل سال از کم و بیش رسد گوئی چناں را آں چناں پیش

(خمسہ صفحہ ۵۷)

پنچاس سالہ عمر کے طرف بھی اس میں اشارے موجود ہیں—

بدیں پنجاہ سالہ حقہ بازی بدیں یک مہرہ گل تاچند بازی

نہ پنجہ سال اگر ہزار پنجہ است قلم درکش کہ ہم ناپایدار است

(خمسہ صفحہ ۳۲)

لیلیٰ مجنوں کے وقت انچاس سال کے تھے- بہرام نامہ کے وقت جو سنہ ۵۹۳ ھجری میں اختتام پذیر ہوتا ہے ان کی عمر اٹھاون سال کے قریب ہونی چاہئیے۔

شرف نامہ سنہ ۵۹۶ ھجری میں اور اقبال نامہ سنہ ۵۹۹ ھجری میں ختم ہوتے ہیں۔اس تصنیف نے سب سے زیادہ وقت لیا ہے - پچاس برس کی عمر میں اس کو شروع کرتے ہیں اور ترسٹھ سال کے سن میں انجام کو پہونچاتے ہیں - پچاس سالہ عمر کے طرف اشارہ یہ ہے۔۔۔

چو تاریخ پنجہ در آمدبسال دگر گونہ شد بر شتابندہ حال

(خمسہ صفحہ ۱۲۳)

ستاون سال کی طرف یہ تلمیح شعر ذیل میں موجود ہے۔اقبال نامہ

ہنوزم بہ پنجاہ و ہفت از قیاس درم بر تر ازو نہد حق شناس

(خمسہ صفحہ ۳۳۲)

ساٹھہ سال کا ذکر یوں کیا ہے۔ اقبال نامہ

بہ شصت آمد اندازۂ سال من نگشت از خود اندازۂ حال من

(خمسہ صفحہ ۳۳۲)

اور سب سے آخر ترےسٹھہ برس کی عمر کا بیان ملتا ہے - اقبال نامہ

فزوں بود شش مہ زشصت و سہ سال کہ بر عزم رہ بر دھل زد دوال

(خمسہ صفحہ ۳۳۰)

اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ نظامی نے پچیس چھبیس سال خمسہ کی تصنیف پر صرف کئے ہیں لیکن اس سے یہ خیال نہ کیا جاے کہ وہ بغیر کسی اور مشغلہ کے مسلسل اسی کام پر مصروف رہے۔یہ صورت بھی واقع ہوئی ہے کہ ابھی ایک کتاب ختم ہونے نہیں پائی ہے کہ دوسری کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے اور پھر دوسری کو چھوڑ کر پہلی کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔شیریں خسرو لیلی مجنوں سے اور سکندر نامہ بھرام نامہ سے بہت پہلے شروع کئے جاتے ہیں لیکن ان کے اختتام کے ایک عرصہ بعد تکمیل پاتے ہیں۔۔۔

شیریں خسرو ایک ایسی کتاب ہے جس کی تاریخ تصنیف اچھی طرح معلوم نہیں ہے۔ایک شعر میں سنہ ۵۷۶ ہجری دیا گیا ہے۔

گذشتہ پانصد و هفتاد و شش سال　　نزد برخط خوباں کس چنیں فال

(خمسہ صفحہ ۱۸۹)

اور خیال کیا گیا ہے کہ یہ خاتمہ کی تاریخ ہے لیکن یہ عقیدہ درست نہیں۔یہ اس مثنوی کی ابتدا یا اس کی پہلی اشاعت کی تاریخ ہے۔طغرل بن ارسلان سنہ ۵۷۱-سنہ ۵۸۰ ہجری کی تخت نشینی کے ساتھہ ساتھہ اس کتاب پر قلم اٹھایا جاتا ہے۔

ملک طغرل کہ دارائے وجود است　　سپہر دولت و دریائے جود است

بسلطانی بتاج و تخت پیوست　　بجائے ارسلاں بر تخت بنشست

من ایں گنجینہ را در می کشادم　　اساس ایں عمارت می نہادم

(خمسہ صفحہ ۵۴)

ابتدا میں ان کا ارادہ تھا کہ ایک نسخہ طغرل کی خدمت میں بھیجیں اور اس سے اتابک شمس الدین ابو جعفر محمد کے نام سفارش کرائیں۔

بداں لفظ بلند گوہر افشاں　　کہ جان عالم است و عالم جاں

اتابک را بگوید کاے جہانگیر　　نظامی واں گہے صد گونہ تقصیر

کہ آمد وقت آں کو را نوازیم　　ز کار افتادۂ را چارہ سازیم

چنیں گویندۂ در گوشہ تا چند　　سخندانے چنیں بے توشہ تا چند

کنوں عمریست کیں مرغ سخن سنج　　بشکر نعمت ما می برد رنج

بداں سر کز سریر عرش بیش است　　کہ گر بنوازیش بر جاے خویش است

(خمسہ صفحہ ۵۴)

کتاب ختم ہونے کے بعد وہ کچھہ مدت طغرل کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے منتظر بھی رہے۔

بدیں نیکو کہ مقصود دل آمد　　بکم مدت مرا دم حاصل آمد
درنگ از بہر آں افتاد در راہ　　کہ تا فارغ شود از شغل با شاہ
بفتحے ہفت کشور سر بر آرد　　سر نہ چرخ را در چنبر آرد
شکوہش چتر بر گردوں رساند　　سمندش کرہ بر جیحوں جہاند

(خمسہ صفحہ ۵۴)

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی اور کچھہ عرصہ کے بعد خود ہی کتاب لیکر اتابک شمس الدین کے دربار میں حاضر ہوے اور مدعاے دلی ان اشعار میں ادا کیا۔

بدستوری حدیثے چند کوتاہ　　بخوانم من اگر فرماں دہد شاہ
من شب خیز کز پیکان را ہم　　جرس جنبان ہاروناں شاہم
بعرض بندگی دیر آمدم دیر　　اگر دیر آمدم شیر آمدم شیر
چہ خوش گفت آ نسخن گوے جہانگرد　　کہ دیر آے و درست آے جوانمرد

غیر حاضری کی معافی اس لئے مانگی جارہی ہے کہ گنجہ کچھہ عرصہ قبل اتابکوں کے قبضہ میں آ چکا ہے —

ز گنجہ فتح خوزستاں کہ کردہ است　　ز عماں تا باصفاہاں کہ خوردہ است

(خمسہ صفحہ ۵۵)

اور نظامی اس وقت سے اب تک اس کے دربار میں حاضر نہیں ہوے ہیں۔کتاب پیش کرتے وقت کہتے ہیں —

دریں اندیشہ بودم مدتے چند　　کہ نزلے سازم از بہر خداوند
نبودم تحفۂ جیپال و فغفور　　کہ پیش آرم زمیں را بوسم از دور
بدیں مشتے خیالے فکرت انگیز　　بساط بوسہ کہ کردم شکر ریز
اگر چہ مور قرباں را نشاید　　مگس نزل سلیماں را نشاید
نبود آبے جزیں در مغز میغم　　وگر بودے نبودے ہم دریغم

(صفحہ ۵۶)

چونکہ کتاب قزل ارسلان کے بڑے بھائی اتابک محمد کے نام معنون کرتے ہیں قزل ارسلان سے اس کی معذرت کرتے ہوے کہتے ہیں—

که گر بودم زخدمت دور یکچند نبودم فارغ از شغل خداوند
کمر بستم به تعلیم فسانه بدیں خدمت ترا کردم نشانه
چو شد پرداخته در سلک اوراق مسجل شد بنام شاه آفاق

اس انتساب کی وجہ صرف یہ ہے کہ چونکہ آپ ہر ایک چیز اپنے بھائی کے نام کے ساتھہ نسبت دینے کے خواهشمند ہیں اس لئے مینے پیش بینی کر کے اس کو انھی کے نام پر معنون کیا—

چو دانستم که ایں جمشید ثانی که بادش تا قیامت زندگانی
اگر یک برگ گل بیند دریں باغ بنام شاه آفاقش کند داغ
مرا ایں رهنمونی بخت فرمود که تا شه باشد از ایں بنده خوشنود

(خمسه صفحه ۵۷)

اتابک محمد نے شیریں خسرو کے صلہ میں دو گانو تجویز کئے تھے - لیکن ابھی سند طیار نہیں ہوئی تھی کہ اتابک کا سنہ ۵۸۲ ھجری میں انتقال ہو گیا - قزل ارسلان ان حالات سے با خبر تھا لہذا اس نے تخت نشینی کے بعد جب کہ ایک موقع پر گنجہ سے ۳۰ فرسنگ کے فاصلہ پر خیمہ زن تھا - قاصد بھیجکر ان کو بلایا - جب دربار میں آے بڑا احترام کیا اور موضع حمدونیاں انعام میں دے دیا - نظامی کی یہ خواہش تھی کہ ایک گانو سلطان دے اور دوسرا شاہزادوں سے دلوائے—

یکے ده زاں دو شه را داد باید خود از شهزادگاں دیگر کشاید

(خمسه صفحه ۱۹۲)

دوسرا گانو ان کو شاید کبھی نہیں ملا - اسی اثنا میں قزل ارسلان ایک شب اپنے بستر میں مقتول پایا جاتا ہے اس کے جسم پر چھریوں کے پچاس

زخم تھے- یہ واقعہ بقول صاحب جامع التواریخ شوال سنہ ۵۸۷ ھجری میں پیش آیا--

بسلطانی چو شہ نوبت فرو کوفت	غبار فتنہ از گیتی فرو روفت
شکوهش پنج نوبت بر فلک زد	نفاذش گرد هفت اقلیم را خورد
خروش طبل گفتی تا دو میل است	کہ میدانست کان طبل رحیل است
بدان اورنگش آرام اند کے بود	چو برقش زادن و مردن یکے بود
برے نا خوردہ ز ایام جوانی	چو ذوالقرنین ز آب زندگانی
شہادت یافت از زخم بد اندیش	کہ باشد آنجہانے زین جہاں بیش

(خمسہ صفحہ ۹۳)

قزل ارسلان صرف پانچ سال یعنے سنہ ۵۸۲ ھجری سے سنہ ۵۸۷ ھجری تک حکومت کرتا ھے- شاعر نے اس کو پنج نوبت کے نام سے اور اس کے مارے جانے کے واقعہ کو 'شہادت یافت' سے تعبیر کیا ھے- نصرۃالدین ابو بکر سنہ ۵۸۷ و سنہ ۶۰۷ ھجری اس کا قایم مقام ھوتا ھے اور شاعر بھی اپنی تصنیف کو اسی نئے اتابک کے ذکر پر ختم کرتا ھے—

گراو را سوے گوهر گرم شد جاے	نسب داران گوهر باد بر پاے
خصوصاً وارث اعمار شاهان	نظر گاہ دعاے نیک خواهان
مؤید نصرۃالدین کافرینش	ز نام او پذیرد نقش بینش
پناہ خسرواں اعظم اتابک	فریدوں وار بر عالم مبارک
ابو بکر محمد کز سرداد	ابو بکر و محمد زو شدہ شاد

(خمسہ صفحہ ۹۳ - ۹۴)

اسی طرح سکندر نامہ کی بھی مختلف اشاعتیں مختلف سلاطین کے نام ھیں- سب سے قدیم وہ اشاعت ھے جو ملک عزالدین مسعود خلف قطب الدین مودود والی موصل سنہ ۵۷۶ و سنہ ۵۸۹ ھجری کے نام پر منسوب ھے- چنانچہ

یہ اشعار

ملک عزالدین آنکہ چرخ بلند   باو داد اورنگ خود را کمند

اس عقیدہ کا موید یہ امر ہے کہ نظامی اپنی عمر پچاس سال اور اپنے فرزند محمد کی عمر سترہ سال بتاتے ہیں۔ باپ بیٹوں کی عمروں کی طرف اشارہ سے ظاہر ہے کہ سکندر نامہ کی بنیاد سنہ ۵۸۷-۸۵ ہجری کے مابین رکھی جا چکی ہے۔ یہی کتاب بعد میں جلال الدین اخستان کے فرزند کے ساتھ منسوب ہوئی ہے—

اگر شد سہی سرو شہ اخستان   تو سر سبز بادی درین گلستان
گراو داشت از نعمتم بہرہ مند   رساند از زمینم بچرخ بلند
توزان بہتر وبر ترم داشتی   در باغ را بستہ نگذاشتی
مرا از کریمان صاحب زمان   توئی ماندہ باقی کہ باقی بمان

(شرف نامہ - خمسہ صفحہ ۱۹۶)

اس کی آخری اشاعت اتابک نصرۃالدین ابوبکر کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے اور سنہ ۶۰۷ ہجری میں اس کی وفات کے بعد نظامی اسی کتاب کو نورالدین ارسلان شاہ کے نام سے منسوب کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزارش ہوچکا ہے—

سنہ ۵۹۰ ہجری میں عراق میں ایک خوفناک زلزلہ آیا تھا جس سے بے شمار جانیں تلف ہوئیں اور مختلف شہروں کی عمارات کو نقصان پہونچا۔ نظامی اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں   (اقبال نامہ)

ازان زلزلہ کا سمانرا درید   شدہ شہرہا در زمیں نا پدید
چنان لرزہ افتاد برکوہ و دشت   کہ گرداز گریبان گردوں گزشت
زمیں گشت چوں آسماں بے قرار   معلق زن از بازی روز گار
برآمد یکے صدمہ از نفخ صور   کہ ماہی شد از کوہۂ گاو دور

فلک را سلاسل زهم برگسست — زمیں را مفاصل بهم درشکست
جهانرا چناں درهم افسرد سخت — کز افسردگی کوه شد لخت لخت
زبس گنج کانروز برباد رفت — شب شنبه را گنجه از یاد رفت *
زچنداں زن و مرد و برنا و پیر — بروں نامد آوازه جز نفیر
بکم مدت آنمرز ویران و بوم — بغر تو آباد تر شد ز روم

(خمسه صفحه ۲۵۸)

ان کے هاں طوفان باد کی طرف بهی تلمیح هے-قزل ارسلان کی مدح میں اپنی ذات کو خطاب کرتے هوے کهتے هیں—

اگر طوفان بادی سهمناک است — سلیما نے چنیں داری چه باکست
زحیف ایں قراں ماراچه بیم است — که دارا داد گر داور رحیم است
قرانے را که با ایں داد باشد — چو فال او مبارک باد باشد

(خمسه صفحه ۵۷)

دوسرے مقام پر فرمایا هے—

نگهدارم بچندیں اوستادی — چراغے را دریں طوفان بادی

(صفحه ۱۹۰)

یه طوفان جس کے سلسله میں انوری متاخرین میں ناحق بدنام هے ۲۹ جمادی الثانی سنه ۵۸۲ هجری میں توقع کیا جارها تها-زیاده تر اهل تنجیم اس کے قائل معلوم هوتے هیں لیکن شعرا بالعموم اس کے معتقد نهیں تهے مثلاً انوری-ظهیر-نظامی اور کمال اسمعیل—

سلطان محمود اور فردوسی کے واقعات کی طرف ایک سے زیاده موقعه پر نظامی نے اشاره کیا هے-شیریں خسرو میں فرماتے هیں—

گرت خواهیم کردن حق شناسی — نخواهی کردن آخر نا سپاسی

---

* اس مصرع کا ایک نسخه یوں بهی هے "شهنشاه را گنج ازیاد رفت"—

وگر با تو رہ ناساز گیریم چو فردوسی ز مزدت باز گیریم
فقاعے را تو دانی سر کشادن توانی مہر یخ از زر کشادن
(خمسہ صفحہ ۵۳)

بہرام نامہ کی تمہید میں ارشاد ہوا ہے—

در سخا و سخن چو می پیچم کار بر طالع است من ہیچم
نسبت عقربی است یا قوسی بخل محمود و بذل فردوسی
اسدی را کہ جود او بنواخت طالع و طالعے بہم درساخت
(خمسہ صفحہ ۲)

شرفنامہ کے خاتمہ میں ممدوح کو خطاب کرتے ہوے کہا ہے—

زر پیلوار از تو مقصود نیست کہ پیل تو چوں پیل محمود نیست

اور اقبال نامہ میں فرماتے ہیں—

بیا و نظامی یکے طاس مے خوری ہم بآئین کاوس کے
ستانی بایں طاس طوسی نواز حق شاہ نامہ ز محمود باز
دو وارث شمار از دو کان کہن ترا در سخا ومرا در سخن
بوا مے کہ نادادہ باشد نخست حق وارث از وارث آید درست
(خمسہ صفحہ ۲۵۰)

ان ابیات سے اگرچہ کوئی نئی اطلاع بہم نہیں پہنچتی- تاہم اتنا پتہ چل گیا کہ نظامی کے عہد میں فردوسی کی ناکامی کا افسانہ عام طور پر رائج تھا اگرچہ سلطان کی پیلبار انعام بخشیوں کے قصے بھی ساتھہ ساتھہ مشہور تھے فردوسی کے سلسلہ میں اسدی کے ذکر سے یہ بات صاف ہے کہ نظامی کا مقصد صاحب گرشاسپ نامہ سے ہے اور ہم جانتے ہیں کہ گرشاسپ نامہ سنہ ۴۵۸ھ ہجری میں ابو دلف والی اران کے لئے لکھا گیا ہے اور سلطان محمود سے اس کتاب کا کوئی تعلق نہیں ہے- اس سے اس امر کا بھی سراغ لگتا ہے کہ سلطان اور

فردوسی کے درمیان واقعات کا علم نظامی کے عہد میں بھی صحیح طور پر معلوم نہیں تھا۔ان میں سے اسدی کے حق میں محمود کی فیاضی کا قصہ ہم تک نہیں پہنچا ہے اور گردش ایام کے دراز سفر کے مراحل میں تاریخ کی یاد داشت سے محو ہو گیا ہے—

یہ خیال کہ نظامی ہمیشہ گوشۂ عزلت میں مقیم رہے اور سلاطین کے دربار میں نہیں گئے صحیح نہیں معلوم ہوتا * اول تو ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہئیے کہ مثنوی نگاری کا سلسلہ وہ اپنی عمر کے سینتیسویں سال سے شروع کرتے ہیں - اس سے پیشتر آخر وہ کہاں رہے اور کیا کرتے رہے؟ اگرچہ ظاہر ہے کہ ایسے اعلی دماغ اور طبیعت کا شخص اتنی عمر تک بغیر کسی شغل کے نہیں رہ سکتا۔ بعض ابیات سے جو اس سے پیشتر مرقوم ہو چکے ہیں پایا جاتا ہے کہ کسی نکسی دربار سے انکا تعلق ضرور رہا ہے - سکندر نامہ کے ایک بیت سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے

زشاہاں گیتی دریں غار ژرت کرا بود چوں من حریفے شگرت

زمانۂ عزلت میں بھی سلاطین سے تعلق رکھنا اسی امر کی دلیل ہے کہ ایام شباب میں ایک عرصہ تک مجلس سلاطین سے حاشیہ نشیں رہے ہیں—

جیسا کہ ان کے ابیات سے پایا جاتا ہے۔ اتابک محمد اور اس کے بھائی قزل ارسلان کے ہاں حاضر ہوے ہیں- فخرالدین بہرام شاہ کے دربار میں گئے ہیں اور پھر جانے کا قصد کر رہے ہیں کہ اتنے میں دشمن کی فوجوں نے شہر گنجہ کا محاصرہ کر لیا اس لئے انہوں اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا (مخزن اسرار)

---

* اگرچہ اس عقیدہ کے خلاف یہ شعر ہیں (بہرام نامہ)

چوں بعہد جوانی از بر تو بردر کس نرفتم از در تو

ہمہ را بردرم فرستادی من نمیخواستم تو میدادی

(خمسہ صفحہ ۳)

بود پسهجم که دریں یکدو ماہ   تازہ کنم عہد زمیں بوس شاہ

گرچہ دریں حلقہ کہ پیوستہ اند   راہ بروں آمد نم بستہ اند

پیش تو از بہر فزوں آمدن   خواستم از پوست بروں آمدن

باز چو دیدم ہمہ رہ شیر بود   پیش و پسم دشنہ و شمشیر بود

لیک دریں خطۂ شمشیر بند   بر تو کنم خطبہ بنام بلند

(خمسہ صفحہ ۱۲)

تا ہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ طبعاً گوشہ پسند تھے (شیریں خسرو)

چو مشک از ذات عزلت بو گرفتم   بہ تنہائی چو عنقا خو گرفتم

(خمسہ صفحہ ۵۹)

لیکن عمر کے پچاس مراحل طے کرنے کے بعد بھی کبھی کبھی باہر نکلنے اور لوگوں سے ملنے کا ولولہ دل میں پیدا ہوتا ہے —

بروں آے زیں پردۂ هفت رنگ   کہ زنگی بود آئینہ زیر زنگ

نہ گوگرد سرخی نہ لعل سپید   کہ جو یندہ باشد ز تو نا امید

(خمسہ صفحہ ۱۲۲) دیگر

توانم در زهد بر دوختن   ببزم آمدن مجلس افروختن

(خمسہ صفحہ ۱۲۴)

لیکن پھر اپنے طبعی رجحان سے مجبور ہو جاتے ہیں   (شرف نامہ)

ولیکن درخت من از گوشہ رست   زجا گر بجنبم شود بیخ سست

(خسمہ صفحہ ۱۲۴)

بعض لوگوں نے ان کے کلام کی دزدی بھی کی ہے اور لطف یہ ہے کہ ان کی متاع کے سارقوں نے خود انہیں سارق مشہور کر دیا — (لیلی مجنوں)

دزد در من بجاے مرد است   بد گویدم ایں چہ جاے درد است

دزداں چو بکوے دزد پویند   در کوے دوند و دزد گویند

گر دزدئے من حلال باشد — بد گفتن من وبال باشد
او دزد و من گزارم از شرم — دزدے خجل است آں بہ آزرم
نے نے چو بگدیہ دل نہادہ است — گو خیز و بیا کہ در کشادہ است
گنج دو جہاں در آستینم — در دزدئے مفلسی چہ بینم
واجب صدقہ ام بزیر دستاں — گو خواہ بدزد و خواہ بستاں

(خمسہ ۲۰۷)

ایک اور مقام پر فرمایا ہے --(شرف نامہ)

بریں چار سو چوں نہم دستگاہ — کہ ایمن نباشم ز دزدان راہ
چو دریا چرا ترسم از قطرہ دزد — کہ ابرم دہد بیش ازاں دست مزد
سپاہاں کہ تاراج رہ میکنند — بدزدی جہاں را سمہ می کنند
بروز آتشے بر نیارند گرم — کہ دارد ہمی دیدہ از دیدہ شرم
دبیراں نگر تا بروز سفید — قلم چوں تراشند از مشک بید
نہان مرا کاشکارا برند — زگنجہ است اگر تا بخارا برند
بہ ار من گزارم کہ خود روزگار — بہر نیک و بد باشد آموز گار

(خمسہ صفحہ ۱۲۲)

کلام پر تبصرہ

نظامی نے اپنی طبیعت کی رنگینی اور مشکل پسندی سے مثنوی گوئی کو ایک ایسے معراج کمال تک پہونچا دیا ہے جس تک نہ قدما کے پیک تخیل کی رسائی ہوئی اور نہ متاخرین کا طائر وہم پہونچ سکا-امیر خسرو اور مولانا جامی نے اس مقام تک پرواز کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن حق یہ ہے کہ نظامی کے ایوان بلند تک نہیں پہونچ سکے -

منکہ دریں مرحلہ شاں ماندہ ام — قدرے بیشترک راندہ ام

ان کا طرز وہی ہے جو منوچہری-قطران تبریزی-قوامی مطرزی اور خاقانی کا ہے-یہ دبستان شعرا جس کو عراقی دبستان کہا جا سکتا ہے اپنے بلند تخیل' غیر ضروری تکلف' مشکل پسندی' صنائع و بدائع' شوکت الفاظ' اور مستعار گوئی کے لئے مشہور ہے-لیکن نظامی کی جدت یہ ہے کہ انہوں نے قصیدہ کی زبان کو مثنوی کے میدان میں کامیابی کے ساتھ برتا ہے-صنعت پرستی' نئی نئی ترکیبوں' جدید تشبیہات' کنایات' و استعارات' نے ان کے کلام کو دقیق اور مشکل کردیا ہے-وہ ایک خیال کو سید ھے سادے الفاظ میں بیان کرنا نہیں جانتے بلکہ پیچ دے کر اس کو ایک دلفریب پیرایہ میں ادا کرتے ھیں-تلاش اور موشگافی قدم قدم پر نمایاں ہے جن کے اثرات میں بعض اوقات الفاظ و معنی میں تصادم ہوجاتا ہے اور شعر ایک معما بن کر رہ جاتا ہے—

آورد کے ذوق میں آمد سے بالکل بیزار ھیں-ان کی رائے میں شعر وھی ہے جو بیحد تلاش اور جگر کاوی کے بعد دستیاب ہو-(شرف نامہ)

سخن گفتن و بکرجاں سفتن است　　نہ ہر کس سزاے سخن گفتن است
بدیں دلفریبی سخنہاے بکر　　بسختی تواں زادن از راہ فکر

(خمسہ صفحہ ۱۲۰)

دیگر　(مخزن الاسرار)

از پے لعلے کہ بر آرد زکاں　　رخنہ زند بیضۂ ھفت آسماں
بہ کہ سخن دیر پسند آوری　　تا سخن از دست بلند آوری

(خمسہ صفحہ ۱۳)

دیگر　(شیریں خسرو)

سخن کو از سر اندیشہ ناید　　نوشتن را و گفتن را نشاید
سخن گوھر شد وگویندہ غواص　　بسختی درکف آید گوھر خاص

(خمسہ صفحہ ۵۸)

زر کے عوض کلام بیچنا ان کے نزدیک ذلت میں داخل ہے (مخزن اسرار)

سیم کشانے کہ چو زر مردہ اند — سکۂ اینکار بزر بردہ اند

ہر کہ بزر نکتۂ چوں رز داد — سنگ ستد لعل شب افروز داد

میوۂ دل را کہ بجانے دہند — کے بود آبے کہ بنانے دہند

(خمسہ صفحہ ۱۳)

اسی لئے ان کو قصیدہ گو شعرا پسند نہیں ہیں بلکہ خود امیر معزی کو جو ملک شاہ اور سنجر کے عہد کا ملک الشعرا ہے نا پسند کرتے ہیں۔

مخزن اسرار:

آنکہ سرش زر کش سلطاں کشید — باز پسیں لقمہ ز آہن چشید

وانکہ چو سیماب غم زر نخورد — نقرہ شد و آہن سنجر نخورد

(خمسہ صفحہ ۱۳)

فرماتے ہیں کہ سخندانی ایک چشمۂ حکمت ہے پیٹ کی خاطر اس چشمۂ پاک کو گندہ کرنا سخت ظلم ہے۔ شعر اسی قسم کا کہنا چاہئیے جس کی شرع اجازت دے۔ان قابل ستایش خیالات کو اپنا بدرقہ بنا کر نظامی شاہراہ سخن پر گامزن ہوتے ہیں اور اگر ان کا بس چلتا اور فارغ البال ہوتے تو وہ اپنے اعلی معیار معنی پرستی کے مطابق اسی قسم کا ادبیات پیدا کرتے جس کا نمونہ ہم مخزن اسرار میں دیکھتے ہیں اور ممکن تھا کہ اس سے بھی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑتے۔ان کی اخلاقی رفعت اور ملکوتی شان تقدس سے اسی طرح کی چشمداشت کی جا سکتی تھی لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اقتضاے وقت اس طلسم کشاے حقیقت کو شہرستان مجاز کا چمن آرا بنا دیتا ہے۔ضرورت اور مجبوری کا روسیاہ یہ ہاروت فن جو شاہد سخن کو مصطبہ سے آزاد کر کے صومعہ میں آباد کرنا چاہتا تھا۔شیریں کے قصر کا مزدور اور لیلی کا محمل آرا بنا دیا جاتا ہے وہ اپنی قدرت معنی آفرینی کو خسرو کی آرائش دیہیم اور بہرام

کے تاج کی زینت کے لئے وقف کر دیتا ھے - باغ سخن کا یہ مالی اپنے گلشن کے بہترین پھول جمع کرتا ھے اور ھار بنا کر سکندر کے گلے میں پہنا دیتا ھے - آخر یہ کیوں صرف اس لئے کہ ملک کو نظامی کے تقدس کی بہ نسبت عشقیہ افسانوں کی زیادہ ضرورت تھی - یہ فرشتہ خصلت بالآخر اس پست معیار پر اُتر آتا ھے لیکن خدا جانے کس قدر قلق اور قربانی کے بعد فرماتے ھیں شیریں خسرو

سرا چوں مخزن الاسرار گنجے چہ باید در ھوس پیمودہ رنجے

ولیکن در جہاں امروز کس نیست کہ او را در ھوس نامہ ھوس نیست

(خمسہ صفحہ ۵۸)

مخزن اسرار لکھی - دنیا نے کوئی صلہ نہیں دیا - شیریں خسرو لکھی اور کانو مل گیا - ضرورت نے اگرچہ انہیں مصطبہ نشین بنا دیا تاھم اس خرابات کی فضا میں وہ اپنی معنویت کو نہ بھولے - حسن و عشق کی معرکہ آرائیوں کے ضمن میں دانش و حکمت کا درس دینا نہیں چھوڑا - لیلیٰ کے ناز اور شیریں کی عشوہ گری کے پہلو میں اخلاقیات کے موتی دائیں بائیں بکھیر دئے ھیں اور دور ازکار واقعات کے گرد و پیش میں تہذیب نفس اور تعلیم انسانی کے دقائق اور نکات بیان کئے ھیں - مختصر یہ ھے کہ دیر میں حرم کا اور خرابات میں صومعہ کا ماحول پیدا کر دیتا ھے چنانچہ آج اگر کوئی ان موتیوں کو رولنا چاھے اور خمسہ کا انتخاب کرے تو اس سے حکمت و دانش کی ایک بڑی کتاب مدون ھوسکتی ھے بلکہ ان کی معنویت کے جرعہ نوشوں نے خلاصۃ الخمسہ کے نام سے ایک علیحدہ تالیف طیار کی ھے جس طرح نظامی اخلاق اور زندگی کا اعلیٰ معیار پیش کرنے میں پیش پیش ھیں اسی طرح انھوں نے اپنی زندگی بسر کی ھے —

فلاسفہ نے ھر ایک شے کا علیحدہ علیحدہ رب النوع مانا ھے - نظامی نے شاعر کے طبعی فیضان یا مبدء فیاض کو مختلف ناموں سے پکارا ھے - کبھی اس

کو سروش اور ہاتف کہا ہے - کبھی سلیمان اور کبھی طغان شاہ - کہیں ہاتف دل کہا ہے — (شیریں خسرو)

مرا چوں ہاتف دل بود دمساز　　بر آورد از رواق ہمت آواز

(خمسہ صفحہ ۵۸)

کہیں اس کو خضر کے نام سے یاد کیا ہے — (شرف نامہ)

مرا خضر تعلیم گر بود دوش　　براز ے کہ آمد پذیرائے گوش

(خمسہ صفحہ ۱۲۶)

اور اس شعر کی بنا پر سکندر نامہ کے شارحین میں وہ قصہ مشہور ہو گیا ہے جس میں نظامی کو حضرت خضر کا شاگرد تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن شعر ذیل سے تمام معما حل ہو جاتا ہے — (اقبال نامہ)

ہمانا کہ آں ہاتف خضر نام　　کہ خارا شکاف است و خضرا خرام

(خمسہ صفحہ ۲۸۴)

فردوسی اور نظامی

میری راے میں فردوسی اور نظامی کا مقابلہ کرنا اور ایک کو دوسرے پر تفضیل دینا سخت ظلم ہے - نظامی فردوسی سے پورے دو سو سال بعد پیدا ہوتے ہیں اس عرصہ میں فارسی زبان بیحد ترقی کر چکی تھی - بدیع الزماں اور عتبی کے اثرات میں فارسی میں وہ رنگینی پیدا ہو گئی تھی جو فردوسی کے دور میں نا معلوم تھی - نظم و نثر کے ایوان پر صنعت پرستی نے اپنی رنگ آمیزی شروع کردی تھی - منوچہری - اسدی - قطران - انوری نصراللہ عبدالحمید مستوفی اور قاضی حمیدالدین کی سحر کاریوں نے گلزار سخن کو ہر ہفت کر دیا تھا - جب نظامی پیدا ہوتے ہیں فارسی کا گلشن پوری بہار پر تھا انھوں نے اس باغ میں جو پھول کھلاے رنگت کے اعتبار سے زیادہ شوخ اور

بو کے لحاظ سے زیادہ دلربا تھے، اس کام کے لئے ان کی طبیعت بیحد موزوں واقع ہوئی تھی - نظامی کو ان کی خدا داد ذہانت، علمیت اور بلند تخیلیل نے اپنے معاصرین پر ایک قابل رشک تفوق بخشدیا ہے - صنعت پرستی سے قدرتی لگاؤ رکھتے ہیں - خیالات کو رنگیں بنانے میں کمال حاصل ہے - عین عالم جوانی میں بزم شعر میں آتے ہیں - قدردانی ہاتھہ پکڑتی ہے - سلاطین عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور معاش کی طرف سے ایک حد تک فارغ البال ہیں اور اسی صنف سخن پر ہاتھہ ڈالتے ہیں جس میں نام کرنے اور سرخروئی حاصل کرنے کی گنجایش دیکھتے ہیں - اگر کہیں قصیدہ کی بزم میں پہنچتے تو شاید اور معاصرین سے بازی نہ لے جاتے —

ادھر فردوسی کو دیکھئے عین موسم پیری میں یہ پہلوان سنخوری کے میدان میں آتا ہے جوانی جو عمر اور شاعری کا خوشترین دور ہے پیچھے چھوڑ آیا ہے - پچاس برس کی عمر میں شاہنامہ کی ہفتخوان میں پہلا قدم رکھتا ہے - نامۂ خسروان اور اس کی پراگندہ داستانوں کی تلاش میں خاصہ وقت صرف کر دیتا ہے - ادبیات میں کوئی اعلیٰ نمونہ اس کے پیش نظر نہیں صرف ایک دقیقی اس کی رہنمائی کرتا ہے ورنہ جس طرف دیکھئے سناٹا نظر آتا ہے اور ہو کا عالم ہے - ماضیات کے ذوق میں وہ نامۂ خسروان کے ترجمہ کے وقت زیادہ تر تحت اللفظی ترجمہ کا پابند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اکثر اوقات اس کو شاعری کے جذبات کا خون کرنا پڑتا ہے - اس پر تاکید یہ ہے کہ وفات سے پیشتر شاہنامہ کے سر پر اختتام کا سہرا بندھا دیکھہ لوں - سر پرستوں کے بارہ میں بالکل بدنصیب ہے - بڑھاپے کے آلام و امراض کے علاوہ افلاس اور تنگدستی نے بوڑھے شاعر کو علیحدہ پریشان کر رکھا ہے جوان بیٹے کی وفات اور بھی اس کی کمر توڑ دیتی ہے - ان مخالف ہواؤں کے باوجود یہ دھن کا شاہنامہ کی کشتی کو ساحل مراد تک پہونچا دیتا ہے —

شوق ہے ساماں طراز نازش ارباب عجز ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

لیکن ایسے ماحول میں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے فردوسی اپنی شاعری کے کیا گل کھلاتا اور کیا گلدستے بناتا۔ان سب باتوں کے باوجود اگر مقابلہ کرنا مقصود ہے تو میں کہتا ہوں کہ فردوسی کے نشتروں کا نظامی کے نشتروں سے مقابلہ کرلیا جائے۔اس صورت میں دیکھ لیا جائے گا کہ نظامی باایں ہمہ رنگینی و آرایش ، شان و شکوہ و بلند آہنگی و سرمایۂ جانگدازی فردوسی کے مقابلہ میں نمایاں طور پر بازی نہیں لیجاسکتے۔آورد اور دیر پسندی ، آمد اور بیساختگی پر غالب نہیں آسکتیں اور میں کہتا ہوں فردوسی کا پلہ پھر بھی بھاری ہے۔ناصر خسرو کے الفاظ قطران تبریزی کے حق میں ، فردوسی بغیر کسی تردد کے نظامی کے لئے استعمال کرسکتا ہے اور کیا اس میں کوئی شک کرسکتا ہے کہ ہم نظامی کی تصانیف سے خالص فارسی نہیں سیکھتے —

فردوسی کا فیضان نظامی پر اس قدر صریح اور نمایاں ہے کہ اس کے دام سے نظامی کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے اور اس میں بھی شک نہیں کہ شیخ ، فردوسی کا بے حد احترام کرتے ہیں اور جب کبھی اس کا ذکر کرتے ہیں ایسے الفاظ میں کرتے ہیں جن سے خلوص اور عقیدت ٹپکتی ہے۔کبھی وہ اس کو دانائے طوس کہتے ہیں۔کبھی دانائے پیشینہ اور کبھی پادشاہ شعرا۔ بعض اوقات اپنی مستانہ خرامی کی ادا میں اس کے وارث بن جاتے ہیں اور اپنے ممدوح سے فردوسی کا وہ قرضہ طلب کرتے ہیں جو حسب روایت شعرا سلطان محمود کے ذمہ واجب الادا ہے۔نظامی کا یہ جوش عقیدت اس میں شک نہیں فردوسی کے حق میں اہل سنت و جماعت کے ہاں ایک بڑی حد تک عزت و احترام کا مورث ہوا ہے جو اس لئے بدنام تھا کہ اس نے شاہنامہ لکھ کر مجوسیوں کی خدمت کی ہے —

متعدد موقعوں پر دیکھا جاتا ھے کہ نظامی بلا تکلف فردوسی کے مقولے باندھ جاتے ھیں لیکن مجکو افسوس سے کہنا پڑتا ھے کہ نظامی کی تصنیفات سے میری ناآشنائی اس بارہ میں زیادہ روشنی ڈالنے سے مجکو قاصر رکھتی ھے چند مثالیں بہرحال ھدیۂ ناظرین ھیں—

(۱) چہ خوش گفتہ است فردوسی طوسی　　که مرگ خر بود سگ را عروسی

(خمسہ صفحہ ۱۹۵)

(۲) مثل زد درین آنکہ فرزانہ بود　　که بر ناید از هیچ ویرانہ دود

(خمسہ صفحہ ۲۵۵)

(۳) نگر آنکہ دانای پیشینہ گفت　　که بر در نشاید دو سوراخ سفت

خمسہ صفحہ ۱۲۶)

(۴) چنیں زد مثل شاہ گویندگاں　　که یابندگانند جویندگاں

(خمسہ صفحہ ۱۲۶)

بعض ماھیرین فن امیر خسرو اور مولانا جامی کو الزام دیتے ھیں کہ ان بزرگواروں نے مولانا نظامی کے خانۂ شاعری کو بالکل تاراج کر دیا ھے کیوں کہ دعوے کیا جاتا ھے (خدا کرے اس میں مبالغہ نہ ھو) کہ ان دونوں بزرگوں کی مثنویات میں کوی ایسی داستان نہیں ھے جس میں نظامی کا مصرع یا شعر بعینہ یا کسی قدر تبدیلی کے ساتھہ نہ پایا جاے * اور مثال میں یہ ابیات نقل کئے ھیں جو معاً نظامی سے ماخوذ بتاے جاتے ھیں—

نظامی

مرا اے کاشکے مادر نزادے　　وگر زادے بخورد سگ بدادے

---

* احسن القواعد صفحہ ۸۵-۱۸۶ مطبع مجتبائی سنہ ۱۹۲۳ ع، مخزن القواعد صفحہ ۱۰۱ مطبع سنگین، ھفت آسمان صفحہ ۴۶-۴۷ اشاعت ایشیاٹک سوسائٹی بنگال—

جامی

مرا اے کاش کے مادر نمیزاد   وگر میزاد کس مشیرم نمیداد

نظامی

دو کارست با فرو فرخندگی   خداوندی از تو زما بندگی

خسرو

اے صفتت بندہ نوازندگی   از تو خدائی و زما بندگی

نظامی

زن از پہلوے چپ گویند برخاست   نیاید هرگز از چپ راستی راست

جامی

زن از پہلوے چپ شد آفریدہ   کس از چپ راستی هرگز ندیدہ

یہ هماری کوتاہ نظري اور فردوسی کے حق میں بے انصافی هے اگر هم نظامی کو ان خیالات کا مخترع یا موجد مانتے هیں-حقیقت یہ هے کہ امثال بالا میں خسرو-جامی-اور نظامی-فردوسی کے خرمن کی خوشہ چینی کر رهے هیں ذیل میں فردوسی کے اشعار جن سے نظامی کے اشعار ماخوذ هیں درج هوتے هیں—

فردوسی

نزادے مرا کاشکے مادرم   وگر زاد مرگ آمدے بر سرم

(صفحہ ۲۱۹)

مرا مادرم گر نزادے ز بن   نرفتے زمن نیک یابد سخن

(صفحہ ۳۴۸)

نزادے مرا کاشکے مادرم   نگشتے سپهر بلند از برم

پذیرفتہ بادا ترا زندگی   ترا شهر یاری مرا بندگی

چو دختر ز پہلوے چپ شد پدید   ازو راستی در جهاں کس ندید

نظامی

مرا اے کاشکے مادر نزادے — وگر زادے بخوردے سگ بدادے

دو کار است با فر و فرخندگی — خداوندی از تو ز ما بندگی

زن از پہلوے چپ گویند برخاست — نیاید ہرگز از چپ راستی راست

سخن آراے گنجہ پر فردوسی کا کس قدر احسان ہے۔ اس سوال کے جواب کے لئے ایک طویل مطالعہ کی ضرورت ہے جس کا موقعہ سر دست مجھہ کو میسر نہیں تاہم بعض امثال یہاں حوالۂ قلم ہیں —

فردوسی	نظامی
نوشتند نامہ بہر کشورے	فرستاد نامہ بہر کشورے
بہر نامدارے و ہر مہترے	بہر مرز بانے و ہر مہترے
بہ آواز گفتند ما بندہ ایم	نہادند سرہا کہ تا زندہ ایم
بفرمان و رایت سر افگندہ ایم	بدین عہد و پیماں سر افگندہ ایم
بخور ہر چہ داری فزونی بدہ	بخور چیزے از مال و چیزے بدہ
تو رنجیدۂ بہر دشمن منہ	ز بہر کساں نیز چیزے بنہ
سپاہ پراگندہ را گرد کرد	پراگندۂ چند را گرد کرد
زمیں آہنیں شد ہوا لاجورد	کہ از آب دریا بر آورد گرد
زمیں گر کشادہ کند راز خویش	زمیں گر بضاعت بروں آورد
نماید سر انجام و آغاز خویش	ہمہ خاک در زیر خوں آورد
کہ گردو براد ر نہد پشت پشت	دو دل یک شود بشکند کوہ را
تن کوہ را خاک ماند بہشت	پراگندگی آرد انبوہ را
نباشی بس ایمن بباز وے خویش	مکن تکیہ برزور بازوے خویش
خورد گاو ناداں زپہلوے خویش	نگہدار وزن ترازوے خویش
نخندد زمیں تا نگرید ہوا	ز شیراں بود رو بہارا نوا

فردوسی	نظامی
هوا را نخوانم کف پادشا	نخندد زمیں تا نگرید هوا
درشتی زکس نشنود نرم گوے	سخن تا توانی بآزرم گوے
سخن تا توانی بآزرم گوے	که تا مستمع گردد آزرم جوے
سیه مار چنداں دمد روز جنگ	سیه شیر چنداں بود کینه ساز
که از کام دریا بر آید نهنگ	که از دور دنداں نماید گراز
ز بهر درم تند و بد خو مباش	زبهر درم تند و بد خو مباش
تو باید که باشی درم گو مباش	تو باید که باشی درم گو مباش
که او چوں من و چو نتو بسیار دید	جهاں در جهاں خلق بسیار دید
نخواهد همی با کسے آرمید	رمید از همه باکسے نا رمید
که شاه جهاں از گماں بر تر است	که شاه جهاں از گماں بر تر است
چو بر تارک مشتری افسر است	جهاں کان گوهر شد او گوهر است
که شیرے نترسد ز یک دشت گور	یکے گرگ راکو بود سهمناک
نتابد فراواں ستاره چو هور	ز بسیارے گو سفنداں چه باک
بکام تو بادا سپهر بلند	بکام تو بادا سپهر بلند
زچشم بدانت مبادا گزند	زچشم بدانت مبادا گزند
که دانست کیں کودک ارجمند	که دانست کیں کودک خورد سال
بدیں سال گردد چو سرو بلند	شود با بزرگاں چنیں بد سگال
جها نرا بلندی وپستی توئی	پناه بلندی و پستی توئی
ندانم چهٔ هر چه هستی توئی	همه نیستند آنچه هستی توئی
که مرغے که زریں همی خایه کرد	زمانه دگر گونه آئیں نهاد
بمرد دوسرباژ بے مایه کرد	شد آنمرغ کو بیضه زریں نهاد
چو از سرو بن دور شد آفتاب	چو رخت از سر کوه برد آفتاب

فردوسی

سر شہریار اندر آمد بخواب
چنین است گیتی وزین ننگ نیست
ابا کردگار جہاں جنگ نیست
یکے خیمۂ داشت افراسیاب
ز مشرق بمغرب کشیدہ طناب
بنا کردم از نظم کاخے بلند
کہ از بادو باراں نیابد گزند
چو دانا ترا دشمن جاں بود
بہ از دوست مردیکہ ناداں بود

نظامی

سر شاہ شاہاں در آمد بخواب
دریں پردہ باآسماں جنگ نیست
کہ ایں پردہ باکس ہم آہنگ نیست
زہے بارگاہے کہ چوں آفتاب
ز مشرق بمغرب رساند طناب
نہ حرفے کہ عالم زیادش برد
نہ باراں بشوید نہ بادش برد
دشمن دانا کہ غم جاں بود
بہتر ازاں دوست کہ ناداں بود
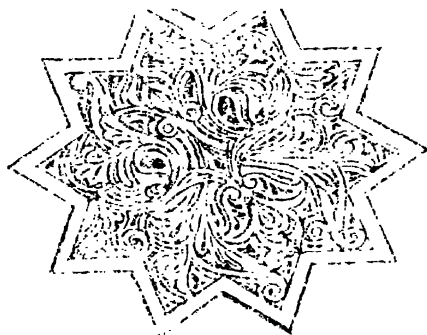
دیس کہانی

(مولوی غلام طیب صاحب بی - اے - بی - ٹی اورنگ آباد کالج)

(یہ نظم مولوی غلام طیب صاحب نے اورنگ آباد کالج کے جشن یوم کالج میں ایک بڑے مجمع کے سامنے پڑھی تھی - جس کی اہل ذوق نے خوب داد دی۔ اڈیٹر)

کس شوخ کی برق نگاھی سے ھے ان بن شیخ و برھمن میں
آنکھوں میں سمائی ھے بجلی اور آگ لگی ھے دامن میں

کیوں نالے ھیں تیرے درد بھرے کیوں پھرتی ھے جنگل جنگل
کیوں تو نے چمن چھوڑا بلبل کیوں آگ لگائی گلشن میں

ھے قصۂ غم پونجی میری اور میں اک دھقاں غارت گر
جو بوئے سینچے کاٹے اور پھر آگ لگا دے خرمن میں

ھے چال نرالی بات نئی ھوں تختۂ مشق جنوں میں بھی
پھرتا ھوں جہاں جی چاھتا ھے بک جاتا ھوں جو ھو من میں

سینے میں سمایا ھے کوئی اور تیر نظر بھی مارے ھے
دل اور جگر کی ان بن سے اک آگ لگی ھے تن من میں

گر سن کے رکھو گے دل میں تو موتی بن جائیں گے اک دن
یہ شعر نہیں کچھہ آنسو ھیں نکلے ھیں جو دل کی الجھن میں

———— () ————

دیس کہانی

ہندوستاں پیارے میں تجھ کو جانتا ہوں

اے مکتب حقیقت اے روح ساز فطرت
اے گلشن کویرا، رشیوں کی راجدھانی

ارجن کا زور بازو اور بھیم کی شجاعت
رام اور لکشمن کی خاموش جانفشانی

وہ تیرے نیک بالک اور ان کی وہ اطاعت
ہے جن کے دم سے قایم ابتک تری جوانی

وہ جذبۂ عبادت وہ عالموں کی سنگت
وہ عــــــالم مسرت وہ دور شادمانی

برسور کی شان ہے تو اللہ ری تیری رفعت
ہے پست تیرے آگے طیب کی خوش بیانی
ہندوستان پیارے میں تجھہ کو جانتا ہوں

—— ۲ ——

کہسار و دشت و دریا سب تیرے پاسباں ہیں
قدرت کے سارے جلوے اس دیس میں عیاں ہیں

فطرت کی کوششوں کا حاصل تری زمیں ہے
زر خیز سارے جگ میں ایسی زمیں نہیں ہے

گودوں میں پربتوں کے سرسبز وادیاں ہیں
رنگیں پہاڑیوں پر کیا حسن باریاں ہیں

پرماتما کی رحمت ہے ندیوں میں بہتی
روپوش بادلوں میں ہے شانتی کی دیوی

پتری همالیه کی گنگا هے نام جس کا
سینوں کو پاک کرنا هر دم هے کام جس کا
هو اس کا بول بالا کیا خوب هے روانی
وہ اُس کی پاک طینت وہ صاف صاف پانی

گوداری و جمنا سندھ اور کاوری میں
مے پیت کی بھری هے بھارت کی هر ندی میں
هے پربت چوٹیوں پر دامن میں سبز جنگل
سایہ فگن هیں جن پر اندر کے مست بادل

دل چھیننے میں یکتا هر مرغزار تیرا
کیف خودی سے مضطر هر آبشار تیرا
آب و هوا میں تیری هے شاعری مہکتی
دلکش پہاڑیوں سے هے بے خودی ٹپکتی

قدرت نے تیر دئے هیں امن و سکوں کے جوهر
هے راج شانتی کا تیری زمین کے اوپر
تجھ میں کبھی بھری تھی علم و هنر کی دولت
لبریز تھی حقیقت سے تیری دربانی
هندوستان پیارے میں تجھ کو جانتا هوں

— ۳ —

مسکن رها هے تیرے اندر آگنی کا
تو بیخزاں چمن تھا دیوی سرسوتی کا
آنند کے تھے جلوے هر سو ترے چمن میں
شکتی بھری هوئی تھی بھارت کے هر بدن میں

پرماتما کی لو تھی بھارت کی گوپیوں میں
الفت کے گیت گاتی تھیں نت نئے سروں میں
انساں کو بندگی کا تونے سبق پڑھایا
دنیا کے سرکشوں کو مفتوح کر دکھایا
دن رات رقص کرتی تھیں دیویاں گگن میں
جپتے تھے نام ہر کا بندے ترے لگن میں
فطرت نے ہر طرح سے کی تھی تری حفاظت
پامال ہو نہ شاید یہ ایشیا کی جنت
نا محرموں کے باعث یہ سب حفاظتیں تھیں
لیکن بڑھی ہوئی کچھ انساں کی ہمتیں تھیں
بچنے نہ پائی آخر غیروں سے تیری عزت
دنیا میں ہر جگہ ہے مشہور یہ کہانی
ہندوستان پیارے میں تجھ کو جانتا ہوں

———: ۴ :———

تیرا جمال دلکش صورت بھی موہنی تھی
تھا چاند تیرا عاشق۔تو اس کی روہنی تھی
ضبط اور صبر تیرا دنیا سے ہے نرالا
تیری ہی مشعلوں کا ہے ہر طرف اجالا
علم و ہنر سکھائے وحشی ستم گروں کو
بے آب کرکے چھوڑا خونخوار خنجروں کو
لیکن بدل گیا ہے اب رنگ و روپ تیرا
معلوم ہے مجھے بھی تجھ پر پڑی جو بپتا

ہے حال تیرا ابتر بگڑی ہے تیری صورت
اور اس پہ ہے قیامت یہ تیری ناتوانی
ہندوستان پیارے میں تجھ کو جانتا ہوں

———: ۵ :———

جب آریوں نے تجھکو اپنا وطن بنایا
اس بحر پر سکوں کو پھر جوش زن بنایا
استھان دیوتاؤں کے ان کے ہاتھ آئے
جس میں دیے انہوں نے تہذیب کے جلائے
پھر چھوڑ کر فضا کو، دنیا کو، آسماں کو
سب قوتوں نے تاکا انسان نا تواں کو
وشنو نے ان میں آکر جلوے دکھائے اپنے
نارد نے پھر ترانے ان کو سنائے اپنے
اب تک بھجن ہیں ان کے ہر ایک کی زباں پر
دھنتے ہیں لوگ اب بھی سر ان کی داستاں پر
بدھ نے یہیں تو دی تھی تعلیم زندگی کی
دارو تھی پاس جس کے انسان کی بیکسی کی
دنیا کو بندگی کا سچا سبق پڑھایا
رسم و رواج بد کو اس دیس سے مٹایا
یہ زندگی ہے کیسی وہ صحبتیں کہاں ہیں
رشیوں کی پر تبسم وہ خلوتیں کہاں ہیں
بیٹے ترے گنی تھے نیکی تھی جن کی دولت
دریائے خیر کی تھی چاروں طرف روانی
ہندوستاں پیارے میں تجھکو جانتا ہوں

—— : ۶ : ——

خوشبوئیں تیری اُڑ کر سارے جہاں میں پہنچیں
قومیں حریص بن کر ہندوستاں میں پہنچیں

یونانیوں نے اس کو پامال کرکے چھوڑا
ساک اور کشن نے اس کو جی دبکے مرکے چھوڑا

ہن اور سیتھیین پھر اس گلستاں میں آے
دوزخ کے رہنے والے جنت نشاں میں آے

ہیلان بلی رہی تو برسوں ہی ایشیا کی
یہ ضبط غم تھا تیرا یا شان تھی خدا کی

آیا جو ایشیا سے خنجر بدست آیا
ہندوستاں کی دولت کا بن کے مست آیا

تاراج کرکے چھوڑا اس باغ بے خزاں کو
مقتل بنا دیا اس شاداب گلستاں کو

بکھرے ہوے تھے سارے میدان میں خزانے
پڑنے لگے انہیں پر اغیار کے نشانے

ہیرے اگل رہا تھا ہر کوہسار تیرا
سارا چمن بنا تھا مست بہار تیرا

دنیا سے تھی نرالی تیرے چمن کی شوکت
ہر سمت بلبلوں کی جاری تھی گلفشانی
ہندوستان پیارے میں تجھ کو جانتا ہوں

—— : ۷ : ——

اسلام کی شعاعوں نے پھر تجھے جگایا
تیری زمیں پہ آکر وحدت کدہ بنایا

بنکر سپوت تجھکو گلزار کر دکھایا
مر مر کے اس چمن کو اغیار سے بچایا

بٹنے لگی یہاں پھر سے صلح وآشتی کی
رندوں نے پھر نکالی اک راہ میکشی کی

وحدت کا جام لیکر نانک، کبیر اٹھے
اور جستجوے حق میں شاہ وفقیر اٹھے

صد رنگ ساز نے پھر وحدت کا راگ چھیڑا
اٹھنے لگا یہاں سے کثرت کا مالکھیڑا

شاہاں دھلیہ کا جب پاؤں ڈگمگایا
مغلوں نے اس زمیں کو اپنا وطن بنایا

گودیں کھلی ہوئی تھیں تیری انہیں کے خاطر
دامن میں تیرے آکر سب بس گئے مسافر

ان کو بھی تونے ایسا جل پیت کا پلایا
اتر کے رھنے والوں سے دیس گھر چھڑایا

چوٹیں هزار کھائیں تیور پہ بل نہ آیا
ان فاتحوں کو تو نے مفتوح کر دکھایا

افلاک سے سوا تھی تیری زمیں میں قوت
تھی کند تیرے آگے شمشیر اصفہائی
هندوستاں پیارے میں تجھکو جانتا ہوں

———: ۸ :———

ان منچلوں نے تیری سیوا میں جان دیدی
سرسبز ہوگئی پھر بھارت کی خشک کھیتی

ملتے تھے جو جھجک کر پھر ایک ہوگئے سب
پورے کئے انہیں نے شاہنشہی کے منصب

تنکا بھی تیرا اڑ کر پردیس تک نہ پہنچا
خوشحال تھی یہ بھومی اور تھا اناج سستا

بیٹے ترے نہ بھو کے مرتے نہ سوکھتے تھے
اغیار خوں تیرا ہرگز نہ چوستے تھے

غیروں نے اسطرح سے لوٹا نہ تیرا گلشن
پردیسیوں کے ہاتھوں خالی ہوے نہ خرمن

یوں سلب کب ہوئی تھی اے ہند تیری طاقت
تجھہ پر کبھی نہ ایسی چھائی تھی ناتوانی
ہندوستان پیارے میں تجھکو جانتا ہوں

---: ۹ :---

قسمت میں تیری لیکن اب جگ ہنسائیاں ہیں
پوتوں میں تیرے لاکھوں دل کی برائیاں ہیں

بدمست سوم کے ہیں یورپ کے ہوٹلوں میں
گو خوار ہیں مگر ہیں غیروں کی محفلوں میں

دل بیچتے ہیں جاکر لندن کی لیڈیوں میں
شکتی نہیں رہی کیا بھارت کی دیویوں میں

اب تیری بر کتوں کی بس یہ نشانیاں ہیں
اپنے چمن میں غیروں کی حکمرانیاں ہیں

دن بھر کرے جو محنت وہ روٹیوں کو ترسے
ہن اس کی ہمتوں کا مغرب میں جا کے برسے

تعلیم کھو کھلی ھے تنظیم مے پرائی
گر اور کچھہ کہوں تو ھوجائیگی برائی

گھر آفتاب تھا جو بے نور ھو گیا ھے
اپنی خوشی کا منظر کافور ھو گیا ھے

اب خواب ھوگئی ھے وہ غیرت وسعادت
تیری بزرگیاں ھیں بھولی ھوئی کہانی
ھندوستان پیارے میں تجھکو جانتا ھوں

——: ۱۱ :——

اے ھند کے سپوتو! دن جاچکا ھے آدھا
سوتے رھو نہ دیکھو تم حشر تک مبادا

غفلت کی مے چڑھا کر کیوں دن گنوا رھے ھو
للہ جاگ اٹھو کیوں کسمسا رھے ھو

جھنڈے پہ چڑہ رھا ھے دنیا میں نام اپنا
تلچھٹ کو ھیں ترستے خالی ھے جام اپنا

توڑو قفس کو یارو گر چاھئیے رھائی
صیاد خود غرض کی کبتک یہ ھم نوائی

شمشاد و سرو میں اب اچھی نہیں جدائی
پودے ھو جس چمن کے اسکی کرو بھلائی

چنگاریاں نہ پھینکو بھارت کے خرمنوں میں
رکھا ھے کیا بتاؤ آپس کی الجھنوں میں

مکتب بدل گیا ھے تعلیم دوسری ھے
دنیا ھی دوسری ھے تنظیم دوسری ھے

ہمت بڑھاؤ اپنی زور آزماؤ اپنا
گر شوق زندگی ہے دم خم دکھاؤ اپنا

باتیں بہت بنائیں کچھ کام بھی تو کر لو
اب ہے بہار، کلیاں دامن میں چن کے بھر لو

ورنہ خزاں رہیگی اس گھر میں تا قیامت
خون جگر تمھارا دنیا کریگی پانی

مرھٹی ڈراما

(مسٹر ڈی - بی کامت بی - اے، بی - ٹی مہتمم تعلیمات ضلع پربھنی
حیدرآباد - دکن)

مرھٹی ڈراما کی جو کیفیت آج ھے، پون سو سال پیشتر اس کا کسی کو خیال بھی نہیں ھو سکتا تھا - اس وقت ڈراما کی صرف دو قسمیں تھیں - ایک "تماشہ" اور دوسرا "للیت" ان میں سے للیت بہت قدیم زمانہ سے جاری تھا اور وہ دیوتاوں کے اچھاؤ (عرس) کے موقع پر یا نوراتر (دسہرہ) کے موقع پر کیا جاتا تھا - اس میں پہلے دس اوتاروں میں سے کسی ایک کے تاریخی واقعات کا نظارہ دکھایا جاتا تھا اور آخر میں رام کے ھاتھوں راون کو مروا ڈالا جاتا تھا اور اس طرح للیت ختم ھو جاتا تھا - للیت میں بالکل سطحی معلومات کا اظہار ایک نہایت بھونڈے طور پر ھوتا تھا - یہ ڈراما (للیت) رات کے وقت بنولوں کے چراغ یا مشعل یا بڑی بڑی شمعوں کی روشنی میں کیا جاتا تھا - اس کھیل کے لئے کچھ بہت زیادہ ساز و سامان کی ضرورت نہیں ھوتی تھی اور نہ تماشے کے لئے کسی خاص قسم کے اسٹیج کی ضرورت پڑتی تھی بلکہ وقت پر کسی جگہ بھی جو موزوں معلوم ھوتی کھادی وغیرہ کا رنگین پردہ آویزاں کر دیا جاتا تھا - اس ڈرامے کے لئے صرف ایک معمولی پردے دو چار دھوتیاں اور دو چار ساڑیاں درکار ھوتی تھیں اور جب کسی دیوتا یا راکشس کا دکھانا مقصود ھوتا تھا تو اس موقع پر رال کی تیز اور بھڑکنے

والی روشنی کی جاتی تھی تاکہ اُس ہستی کی عظمت و جلال ظاہر ہو۔ ایسے للیت پہلے پہل ''کوکن'' میں بہت ہوتے تھے اور اب بھی مہاراشٹر میں بعض بعض مقامات پر خاص خاص موقعوں پر للیت کئے جاتے ہیں۔ للیت میں ایکٹنگ کی صفائی اور اسٹیج کے تسلسل کی ضرورت نہیں ہوتی تھی—

تماشے کے آغاز کا کوئی صحیح تاریخی پتہ نہیں چلتا۔ عموماً یہ ایک معمولی رقاص اور اس کے ساتھ دت یا سردنگ اور ایکتارے یا تنتنے کے ساز کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ دوران رقص میں مناسب وقفے سے سوانگ بھی بھرے جاتے ہیں، جس سے دیکھنے والوں کی توجہ کا بٹانا اور اُن کی دلچسپی کا بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔ رقاص عموماً ایک نوخیز خوش وضع لڑکا ہوتا ہے، جو لڑکی کے لباس میں سج کر اور پاؤں میں گھونگرو باندھ کر رقص کرتا ہے۔ تماشے میں ادنیٰ درجہ کی عامیانہ اور بازاری ہنسی دل لگی ہوتی ہے اور اس میں عموماً لاونیاں* (گیت) گائے جاتے ہیں۔ ان لاونیوں میں تہذیب سے گرے ہوے الفاظ اور خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اس طرح کے تماشوں کو باجی راو دوم (۱۷۹۵ - ۱۸۱۸) کے زمانے میں بہت عروج ہوا۔ کیوں کہ وہ خود ان تماشوں کا بہت شایق تھا اور تماشا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اس قسم کے تماشوں میں مہذب لوگ نہیں جاتے تھے چنانچہ باجی راو کے طرف سے نانا فرنویس کو اکثر ان تماشوں کے دیکھنے کے لئے بلایا جاتا تھا، لیکن وہ حتی الامکان حیلے حوالے کر کے ٹال دیا کرتا تھا۔ پیشوا کا رجحان دیکھ کر اچھے تعلیم یافتہ برھمنوں نے بھی رقاصوں کو رکھنا اور اُن کے ذریعہ روپیہ کمانا شروع کر دیا تھا۔ لیکن آج کل صرف مرہٹوں، کنبیوں، کاشتکاروں اور دیگر شدر اقوام میں ان تماشوں کا رواج ہے اور یہ عموماً پٹیل (صدر دہ)

---

* ادنیٰ درجہ کے سوقیانہ گیت جن کا گانے دو تین خاص خاص بحروں مخصوص ہیں—

اور دیہاتیوں کے دلچسپی کا سامان اور بے کاری کے زمانے کا مشغلہ رہ گیا ہے- اب بھی ریاست کے بعض علاقوں میں اچھے مہذب برھمن بھی اس قسم کے تماشوں کو دلچسپی سے دیکھتے ھیں- لاونیوں کے مشہور مصنف جن کی تصنیفات عمدہ تصور کی جاتی ھیں ان میں خاص مصنف یہ ھیں- دھونڈی شاعر' رام انکاری' کوشن کوی جوشی' ھوناجی بال' رام جوشی وغیرہ —

گوندھل

للیت اور تماشے کے علاوہ "گوندھل" کا تعلق بھی مرھٹی ڈراما سے ملتا ہے- لفظ گوندھل کے معنی گڑبڑ کے ھیں' اس سے خود ظاہر ہے کہ اس میں کیا ھوتا ھو گا- گوندھل کرنے والوں کی ایک خاص ذات ھوتی ہے- جن کا پیشہ ھی اس قسم کے تماشہ کرنا ھوتا ہے' شادی بیاہ کے مواقع پر اکثر گوندھلے (گوندھل کرنے والے) بلائے جاتے ھیں' اس میں گوندھل کرنے والا ایک ھی لباس میں شروع سے اخیر تک رھکر سوانگ بھرتا ہے یا اوتاروں کے کارناموں کی یاد تازہ کرتا ہے- ان دنوں گوندھل کا رواج بھی کم ھوتا جا رھا ہے —

بھروپیا

اس کی بھی ایک ذات ھوتی ہے جس کا پیشہ ھی روپ بدلنا ہے اور ان میں [illegible] ھیں کہ اصل میں اور نقل میں بڑے بڑے ذھین فریس لوگوں کو بھی مشکل ھی سے تمیز ھو سکتی ہے —

للیت' تماشہ اور گوندھل مرھٹی ڈراما کی بنیاد ھیں- مرھٹی ڈرامے کی نسبت یہ خیال کرنا کہ یہ سنسکرت ڈرامے سے پیدا ھوا ہے' زبردستی کی کھینچ تان ہے- سانگلی نامی ایک چھوٹی سی ریاست کولھا پور کے نزدیک ہے وھاں کا رئیس اعظم چنتا من راؤ آپا صاحب تھا- اُس زمانے میں ڈرامے کرنے والوں کی ایک کمپنی بھاگوت نامی کرناٹک سے وھاں آئی ھوئی تھی جس نے خاص خاص کھیل سنہ ۱۸۴۲ع میں اس رئیس کی فرمائش سے کئے- اس کمپنی کے کھیل اس طرح کے ھوا کرتے تھے جس طرح ہندوستان میں رام لیلا

ہوا کرتی ہے' اس کمپنی کے کھیلوں میں اُن کی غیر مربوطی کی وجہ سے سوائے ادنیٰ مذاق کے لوگوں کے اور کسی ترقی یافتہ طبقے کو دلچسپی نہیں تھی - اس لئے چنتا من راؤ صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ ان میں کچھہ رد و بدل کر کے ان کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ شایستہ طبقے کے مذاق کے موافق ہو جائے —

وشنو پنت بھاوے نامی آپا صاحب موصوف کے مصاحب تھے۔اُن سے آپا صاحب نے فرمائش کی وہ اُن کے (آپا صاحب) خیال کے مطابق مرھٹی میں چند کھیل تیار کرے۔بھاوے ایک معمولی درجہ کے شاعر تھے اور ان کا پایہ میدان علم میں بھی کچھہ بڑا نہ تھا۔تاہم آپا صاحب کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے انہوں نے ڈراما نویسی شروع کی اِن کا پہلا ڈراما سیتا سوئمبر (سیتا جی کا خود شوہر انتخاب کرنا) تیار ہوا۔یہ کھیل آپا صاحب کے سامنے سنہ ۱۸۴۳ ع میں کیا گیا۔ اس وقت وہاں ایسے لڑکے نہیں ملتے تھے جو عورت کا پارٹ کرسکیں اور یہ سب سے بڑی مشکل تھی جس کا بھاوے کو سامنا ہوا۔لیکن یہ کھیل آپا صاحب کے حسب خواہش تیار کیا گیا تھا' اس لئے کسی نہ کسی طرح یہ مشکل بھی آسان ہوھی گئی۔چند شریرالنفس برھمنوں نے عورت کا پارٹ کرنے والے لڑکوں کو ذات باھر کرنے کی کوشش کی۔آپا صاحب نے بڑے بڑے پنڈتوں اور شاستریوں کی رائے اس بارے میں طلب کی' بحث مباحثے کے بعد یہ طے پایا کہ اس قسم کے کھیل مذھباً ممنوع نہیں ھیں۔بالآخر اسی کے مطابق شنکر اچاریہ کا فیصلہ کن فتویٰ بھی صادر ہوا—

بھاوے کے ناٹک کا طریقہ

سوتردھار (منتظم ڈراما) پہلے پردے سے باھر آکر خدا کی حمد و ثنا کے گیت گاتا تھا۔اس کے بعد ودوشک (مسخرا) وحشیانہ لباس میں جسم پر پتے باندھے نمودار ہوتا تھا اور تھوڑی دیر تک ناچتا تھا۔ناچ کے بعد ودوشک اور سوتردھار میں کچھہ مکالمہ اور

ضلع جگت اور ظریفانہ فقرے بازی ہوتی تھی ' جس سے سامعین کو ہنسی آجاتی تھی۔بالآخر اِن دونوں کا آپس میں تعارت ہوتا تھا۔دوران ملاقات میں سوتردھار ودوشک پر اپنے ڈراما کرنے کا خیال ظاہر کرتا تھا اور اس کھیل کے انتظام میں اس سے مدد چاہتا تھا۔بعد گجانن (گنپتی یا گنیش جی) کی تعریف بیان ہوتی تھی۔اس کے بعد پردہ کھلتا تھا اور گنیش جی پردے کے باہر آتے تھے۔ستردھار گنیش جی کو سلام کرتا تھا اور ناٹک میں کسی قسم کی مشکلات پیش نہ آنے کی گنیش جی سے دعا مانگتا تھا اس کے بعد پردہ چھوٹتا تھا۔ستردھار سرسوتی کی تعریف کرتا تھا اور سرسوتی کو بلاتا تھا وہ آتی تھی اوراس طرح سلسلۂ تعریف کے دوران میں ناٹک شروع ہوتا تھا۔ناٹک کے آغاز میں ستردھار ناٹک میں آنے والے واقعات کا اختصار نظم میں بیان کرتا تھا۔ان ڈراموں میں پوران کے اکثر واقعات بیان کئے جاتے تھے۔ چنانچہ دیوتاؤں کا دربار اور اُن کی مجلس مشاورت کا ہونا اور اس کے برعکس راکشسوں کی مجالس کا انعقاد وغیرہ وغیرہ۔دیوتاوں کی مجلس میں کوئی (ایکٹر) اُن کو اپنی طرت متوجہ کرنے کے لئے کوئی مناسب لفظ مثلاً سنئے یا توجہ فرمائیے کہتا اس کے سنتے ہی وہ متوجہ ہوتے اور معاً سوتردھار ٹیک پڑتا اور جو کچھہ ایکٹر کہنا چاہتا تھا وہ خود ستردھار نظم میں کہنا شروع کر دیتا تھا۔ایکٹروں کے مکالمے مربوط اور پہلے سے تیار کئے ہوے نہیں ہوتے تھے۔اُن کو واقعات اور حالات کے مطابق جو مناسب معلوم ہوتا وہ اس میں کہہ سن لیتے۔راکششوں اور دیوتاوں کی مجالس میں یہی مباحثے رہتے تھے کہ ایک دوسرے پر کس طرح کامیابی حاصل کی جاے۔دیوتاوں کے پارٹ کرنے والے سنجیدگی سے اپنے بہادری کے کرتبوں کو ظاہر کرتے تھے اور راکشسوں کے پارٹ کرنے والے شور غل چیخ پکار اور تلواروں کے چلانے اور رال کے شعلوں سے اپنی اپنی بہادری کا اظہار کرتے تھے۔عورتوں کے پارٹ کرنے والوں کی تقریروں سے

سامعین کے دلوں میں رحم اور ہمدردی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ ستردھار اور ودوشک ڈرامے کے شروع سے آخر تک برابر اسٹیج پر کام کرتے رہتے تھے۔ اسٹیج پر صرف ایک بیرونی پردہ ہوتا تھا، وہ بھی بلا نقش و نگار کے بالکل سادہ۔ اس پردے کے سوا کسی مزید پردے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ پردہ سرکنے والے حلقوں کے ذریعہ ایک صاف ڈوری میں آویزاں رہتا تھا اور بوقت ضرورت وہ اسٹیج کے کسی ایک سمت پر کھینچ دیا جاتا تھا۔ یہی گویا پردہ کا اٹھنا تھا۔ پردہ اٹھ جانے کے بعد اخیر تک برابر اسٹیج بلا وقفہ کھلا رہتا تھا اور کھیل کا تسلسل برابر ختم تک جاری رہتا تھا۔ سین یا نظاروں کے پردے نہیں ہوتے تھے۔ جو سین دکھلانا مقصود ہوتا تھا وہ صرف اسٹیج پر ایکٹر زبانی بیان کر دیتے اور وہی سین یا نظارے مقصود ہوتے تھے۔ دربار یا مجلس مشاورت کا انعقاد اس طرح دکھایا جاتا کہ اسٹیج پر ایک قطار میں پانچ کرسیاں رکھ دی جاتی تھیں۔ ان پر دیوتا بیٹھ کر آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ ان کی مجلس کے برخاست کے بعد انہیں کرسیوں پر راکشسوں کی مجلس ہوتی تھی۔ اس کے بعد وہیں زنانہ پارٹ کرنے والے ایکٹر آبیٹھتے اور آپس میں بات چیت کرتے تھے اگر کوئی ایکٹر اپنے کلام کا کچھ حصہ بھول جاتا یا کسی ایکٹر کی آمد میں کسی وجہ سے دیر لگتی تو دوسرے ایکٹروں میں کوئی ایکٹر ودوشک کو متوجہ کرکے بات چیت شروع کرتا۔ اس طرح تسلسل نباہ لیا جاتا تھا۔ اسٹیج پر کرسیوں وغیرہ کے ادھر اُدھر اُٹھانے اور جمانے کا کام بھی ودوشک ہی سے لیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۵۱ ع میں آپا صاحب اس تھیٹر کے سر پرست کا انتقال ہوگیا اور ان کی جاگیرات کا انتظام سرکار انگریزی کے ہاتھ میں آگیا —

ان ڈراموں کی تیاری میں بھاوے کی کمپنی کچھ مقروض بھی ہوگئی تھی۔ اسلئے بھاوے وطن سے باہر ملک کے دوسرے حصوں میں اپنی کمپنی کو لے گیا تاکہ اوس کے کھیلوں سے کچھ آمدنی ہو اور ادائے قرضہ کی سبیل نکل آے۔

بھاوے کو وطن سے باہر کھیل کرنے کی ضرورت اس وجہ سے بھی محسوس ہوئی کہ آپا صاحب کا جائز وارث کوسن تھا۔اور اس کے مختار نے بھاوے کی سابقہ امداد جاری رکھنے سے انکار کردیا تھا۔ بھاوے کے ناٹک میدانوں میں منڈؤں کے نیچے کئے جاتے تھے۔ داخلہ کے لئے تماش بینوں کو کوئی ٹکٹ وغیرہ نہیں دیا جاتا تھا، صرف کچھ فیس داخلہ ان سے لیجاتی تھی اور وہ تماشہ گاہ میں داخل کئے جاتے تھے اس بد نظمی کی وجہ سے شریر لوگ جبراً بغیر فیس کے تماشہ گاہ میں گھس جاتے تھے۔ اس سے کھیل میں بے ترتیبی اور گڑ بڑ مچ جاتی تھی۔اُس وقت عوام میں یہ بھی ایک متعصبانہ خیال تھا کہ ان مردوں کی شکل دیکھنا منحوس ہے جو زنانہ پارٹ کرتے تھے اس وجہ سے بھی کمپنی کو کچھ کامیابی نہ ہوئی یہ ڈرامے مشعلوں کی روشنی میں کئے جاتے تھے —

بھاوے کے کھیلوں سے سانگلی اور اسکے گرد و نواح کے لوگوں میں ناٹک سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور یکے بعد دیگرے متعدد کمپنیاں ڈرامے کرنے لگیں اور ملک کے دیگر حصوں میں پھرنے لگیں۔ بھاوے کی کمپنی سنہ ۱۸۶۱ عیسوی تک قائم رہی اور اسی طرز پر سانگلی کر، اِیچل کرنجی کر، کولھاپور کر، الٹے کر وغیرہ نے کمپنیاں قایم کیں —

بھاوے کمپنی میں گوپال راؤ متولیکر ستردھار کا پارٹ نہایت عمدگی سے کرتے تھے۔ رگھو پتی پھڑکے زنانہ پارٹ اس صفائی سے کرتے تھے کہ اصل ونقل میں مشکل سے تمیز ہو سکتی تھی۔ یہ خوش وضع اور حسین تھے گانا بھی خوب جانتے تھے ایکٹ نہایت خوش اسلوبی سے کرتے تھے۔ باپو راؤ تاکے راکشس کا پارٹ کرتے تھے۔ الٹے کر کمپنی میں وشنو وات وے زنانہ پارٹ عمدگی سے کرتے تھے۔ بھر و بھٹ اسی کمپنی میں راکشس کا پارٹ بہت اچھا کرتا تھا گنپتی میو یکرے کولھاپور کمپنی میں ناچ خوب ناچتا تھا۔ اس زمانے میں گنگا دھر وات وے۔ پانڈو رنگ وات وے، رامچندر ساٹھے، وینکٹ بھٹ،

تاڑ کا ذوں کر اور گوپال راؤ ورتے ودوشک کا کام خوب کرتے تھے —

سانگلی کر کمپنی میں تانیا تاتو، القے کر کمپنی میں رنگناتھ گولے اور واسدو راتے اور پونے کر کمپنی میں راوجی پوار پٹے کے ساتھہ پھینکنے میں مشہور تھے۔اسوقت سے ابتک تخمیناً پونے دو سو کمپنیاں قائم ہوئی ہونگی - کمپنیاں شرکا میں اختلاف پیدا ہو جانے سے ٹوٹتی گئیں اور ان سے نئی نئی کمپنیاں بنتی گئیں۔ یہہ تمام کمپنیاں پرانوں کے واقعات ھی سے مواد حاصل کرتی تھیں۔ اُسوقت ڈرامے چھاپنے کا طریقہ نہیں تھا - ڈرامے نویس اپنے ڈراموں کے مختلف حصے ہاتھہ سے لکھکر ایکٹروں کو یاد کرنے کے لئے دیتے تھے، ایکٹر عموماً بے علم یا کم علم ہوتے تھے اسلئے انکو اپنے اپنے پارٹ یاد کرنا ایک نہایت مشکل کام تھا - وہ اپنی سہولت اس میں سمجھتے تھے کہ اپنے اپنے پارٹ بے سوچے رٹ لیں - رٹنے میں یہ مشکل پیش آتی تھی کہ اتفاقاً اگر وہ کوئی لفظ بھول جاتے یا موقع یا محل فراموش کر جاتے تو یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا - ان ڈراموں میں گنیش جی اور سرسوتی بھی لازمی طور سے لائی جاتی تھی۔جیسا کے اوپر بیان کیا گیا ہے ودوشک مسخرے کا پارٹ کرتے تھا، ودوشک کا پارٹ کرنے والے عموماً کسی قدر ذی فہم اور تجربہ کار ذکی لوگ رکھے جاتے تھے تاکہ وہ موقع پر بات کو خوبی سے نباہ لیں - ودوشک کا پارٹ کرنے والے اکثر بےموقع گفتگو اور راکت کرتے تھے - چنانچہ غم کے موقعوں پر ھنسانے والی گفتگو کرنا یا اس کے برعکس - راکشس کے پارٹ کرنے والے اکثر ادنی درجہ کے خدمات انجام دینے والے لوگ مثلاً کمپنی کے باورچی یا پانی بھرنے والے تنومند لوگ منتخب کر لئے جاتے تھے - راکشس کا پارٹ کرنے والے اشخاص کی شکل مہیب اور وحشت ناک بنانے کے لئے اُن کے چہرے مختلف رنگوں سے نقش کئے جاتے تھے اونکے منہ میں تیلی اور کئی قسم کے دھات کے بڑے بڑے مصنوعی دانت لگادئے جاتے تھے اوران کے سروں میں مصنوعی لمبے لمبے بال یا جٹائیں لگادی جاتی تھیں اور کمر

میں دھوتیوں اور ساڑیوں کے پیچ لپیٹ دئے جاتے تھے تاکہ کمر بڑی نظر آئے۔ راکشس ہاتھوں میں تلوار لئے بلند آواز سے شور وغل مچاتے ہوے، رال کے شعلوں کے ساتھ ساتھ پٹے کے ہاتھ نکالتے ہوے اسٹیج پر آتے تھے۔ اُن کے گلوں میں منکوں یا لکڑی کے گول گول بڑے بڑے دانوں یا درختوں کی جڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی مالائیں یا ہار سنہری پنی میں مڑھے ہوے پنہائے جاتے تھے—

راکشس کے کھیل کے وقت اسٹیج پر اسقدر شور وغل رہتاتھا کہ تماشائیوں کے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے اور چھوٹے چھوٹے بچے مارے خوف کے تھرانے لگتے تھے—

دیوتاؤں کے پارٹ کے دوران میں اسٹیج پر نہایت سکون رہتا تھا اور عظمت پرستی تھی۔دیوتاؤں کے ہاتھوں پر اوردونوں بازوں پرسفیدی کےخط کھینچے جاتے تھے، سر کے بال گلے میں دونوں طرف چھوٹے رہتے تھے - دیوتاؤں کے چار ہاتھ ہوتے تھے اور سر پر سنہری پنی سے مڑھا ہوا اورمور کے پروں سے سجا ہوا تاج رکھا ہوتا تھا - دیوتا قدیم زمانے کے پنڈت اور شاستریوں کے مانند سنسکرت زبان کے موٹے موٹے الفاظ اور بڑے بڑے جملے اپنی تقریر میں استعمال کرتے تھے - گنیش جی کے پارٹ کرنے والوں کا لباس سرخ ہوتا تھا - اور ان کے ایک سرخ اور لمبی سونڈ کاغذ کی بنا کر لگائی جاتی تھی، جو اندر سے کھوکھلی ہوتی تھی - سرسوتی کا پارٹ کرنے والا عموماً لڑکا ہوا کرتا تھا جو مور پر سوار ہرایک ہاتھ میں ایک چھوٹا سا رومال لئے رقص کرتے ہوے اسٹیج پر نمودار ہوتاتھا اسکے پیچھے پشت پر مور کی دم کے پر اس طرح لگائے جاتے تھے کہ گویامور نے دم کھول رکھی ہے اس لڑکے کا رقص اس انداز سے ہوتا تھا کہ گویا وہ مور ناچ رہا ہے جس پر وہ سوار ہے—

ماروتی [ہنومان] کی دم تخمیناً بیس ہاتھ لمبی ہوتی تھی جس پر چیتھڑے لپٹے ہوتے تھے اور اُس کی دم کو تھامے رکھنے کے لئے دو تین آدمی

اور مقرر کردئے جاتے تھے—

" راون "- اس کے دس منہہ اور بیس ھاتھہ ھوتے تھے گویا اس پارٹ کرنے والے شخص کے اور نو منہہ یا چہرے کاغذ کے لگا دئے جاتے تھے اور اٹھارہ نئے ھاتھوں کا اضافہ کیا جاتا تھا—

" نارد " کا سوانگ اکثر ایک لڑکا بھرتا تھا - اس کے چہرے پر مدرے * نکالے جاتے تھے اور اس کی چوٹی کھڑی رھتی تھی - سنہ ۱۸۷۵ ع میں ان پرانک ناٹک کمپنیوں کے کاروبار میں یہ اصلاح ھوئی کہ کھیل بجاے تمام رات ھونے کے صرف رات کے تین بجے تک ھونے لگا - داخلے کے ٹکٹ جاری ھونے لگے اور ھاتھہ کے لکھے ھوئے اشتہارات منظر عام پر چسپاں اور شائقین میں تقسیم کئے جانے لگے - تقریباً سنہ ۱۸۸۵ ع میں تعلیم یافتہ لوگوں نے آریو دھارک ناٹک کمپنی قائم کی - کیوں کہ انھوں نے اپنے زمانۂ تعلیم میں شکسپیر کے ڈرامے وغیرہ پڑھے تھے اور جانتے تھے کہ ڈراما کس طرح کرنا چاھئے - ان تعلیم یافتہ لوگوں کی کمپنی موقتی اور عارضی تھی - ان کا پیشہ ناٹک کرنے کا نہیں تھا - انہیں لوگوں میں سے آگے چل کر بہت اچھے ناٹک لکھنے والے ھوے ھیں - اس کمپنی کے سرپرست جوشی - گوند ، پنت چھترے - دھارپ وغیرہ تھے اور مسٹر دیول بھی اسی گروہ میں سے تھے جنھوں نے شاردا ، مرچھاکاٹیکا ، درگا سون شے کلول وغیرہ ناٹک لکھے ھیں -

ناٹک کے مصنف اور ناٹک کے مشہور ایکٹر اور نقال مسٹر پاٹکرتے اس میں پارٹ کرتے تھے - اس کمپنی میں چونکہ تعلیم یافتہ لوگ بھی شریک تھے - اس لئے ان کی روشن خیالی کی بنا پر اس کمپنی کے دو مقاصد قرار پاے - (۱) انگریزی ڈراموں کے مطالعہ کے بعد مرھٹی ناٹکوں کے طرز عمل میں اصلاح کرنا - (۲) ناٹک

---

* مدرا ایک قسم کی منقش مہر ھوتی ھے - جس سے اھل ھنود کے وشنوی [Vaishnav] فرقے والے اپنے گالوں پر مہر لگاتے ھیں —

کے کھیلوں کی آمدنی سے عوام الناس کے مفید کاموں میں امداد کرنا—

ان ہر دو مقاصد میں سے پہلے مقصد میں کمپنی کو بہت کچھہ کامیابی ہوئی - چنانچہ استیج پر راکشس کے پارٹ کرتے وقت شور و غل میں اصلاح ہوئی - اور کھیل کے دہشتناک حصے دلچسپی سے مبدل ہوے - دوسرے مقصد میں بھی کمپنی کو ایک حد تک کامیابی ہوئی - کیونکہ عوام کو کھیل دیکھنے کے لئے چار آنے یا آٹھہ آنے کا ٹکٹ لینا کوئی بار نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ نہایت شوق سے ناٹک دیکھنے کے خواہاں رہتے ہیں - اور اس طرح سے ایک خاصی رقم بآسانی وصول ہوجاتی ہے - اُسی وقت سے طریقہ چلا آتا ہے کہ ہر ایک ناٹک کمپنی اپنے کھیل کے ایک دو روز کی آمدنی رفاہ عام کے کاموں کے لئے وقف کر دیتی ہے - بر خلاف اس کے اگر عوام سے کسی کار خیر کے لئے چندہ مانگا جاے تو ان کو اس کا دینا بار معلوم ہوتا ہے اور وصول کرنے والوں کو بھی بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے - اسی وقت سے کتابی ناٹک شروع ہوا اور یہی کمپنی اس کی بانی ہوئی - ان اصلاحوں کا یہ اثر ہوا کہ ایکٹروں کے لئے عمدہ خوش وضع لباس حسب موقع تیار ہوے اور ضرورت کے لحاظ سے اچھے اچھے سنظروں کے پردے بناے گئے اور استیج تیار کرائے جانے لگے - اور کمپنی بڑے بڑے شہروں کا دورہ کرنے لگی اور تھیٹر بنے اور ڈراموں کی کتابیں لکھنی شروع ہوئیں—

پروفیسر کیلکر نے اتھیلو کا اچھا ترجمہ کیا ہے - پرنسپل اگرکر نے (جو کہ مرہٹی کا ایک بڑا ادیب تھا) ہیملٹ کا مرہٹی میں ترجمہ کیا - ستارہ کی شاہونگر واسی کمپنی کیلکر کے اتھیلو اور اگرکر کے ہیملٹ کے ڈرامے کرتی ہے - جس میں مسٹر گنپت راو جوشی ہیملٹ کا پارٹ نہایت عمدگی سے کرتے تھے اور اتھیلو میں پٹرو شیو کا پارٹ بھی ویسی ہی خوبی سے کرتے تھے - بلونت راؤ جوگ ، کیتھرینا کا پارٹ کرتے - گوبند راو سونے کر گرومیو (پٹرو شیو کے نوکر) کا پارٹ کرتے ، یہ پارٹ بہت عمدہ ہوتے تھے - بلونت راو جوگ ہیملٹ میں

اوفلیا کا پارٹ کرتے تھے—

یہ کمپنی جھلبا ر راؤ، نانا جی راؤ، باچے راؤ، باجی ڈیش پانڈے اور کانھو ٹدہ کی موھنا وغیرہ کھیل نثر میں کرتی ہے۔ مرھٹی نثر میں ناٹک کرنے والی کمپنیوں میں سب سے بہتر کھیل اسی کمپنی کے ہوتے ہیں۔ اور یہ کمپنی انگریزی ڈراما نویسوں مثلاً شکسپیر اور شیریڈن وغیرہ کے لکھے ہوے ڈراموں کے ترجمے کراتی ہے اور کھیل کرتی ہے۔ اس نے شیریڈن کے ایک ڈرامے کا ترجمہ کیا اور اس کا نام پرفیا دیوارہ رکھا۔ مرھٹی زبان میں کیلکر کا ترجمہ کیا ہوا ترانیکا ظریفانہ ڈراموں کا بہترین نمونہ ہے۔ بلونت راو فیز مسٹر والی کا فرانسیسی زبان سے ترجمہ کیا ہوا ستواجی راؤ ڈھالے اور کنجوشی دھنا جی راو نہایت دلفریب و پر لطف ناٹک (فارس) میں، ان سے زیادہ کسی اور ڈراموں میں دلچسپی اور لطف نہیں پایا جاتا۔ مرھٹی میں اس سے بہتر ہنسی مذاق کے شاید ہی کوئی ڈرامے ہوں۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان میں ہنسی کو شروع سے آخیر تک نہایت عمدگی سے نباہا ہے اور اس طرح نباہنا بہت مشکل ہے۔ مسٹر سی روز کر نے تکارام ناٹک لکھا ہے۔ اور مسٹر جوشی نے شری سھرتھہ رام داس تصنیف کیا ہے۔ یہ ڈرامے بھی یہ کمپنی کرتی ہے۔ تکارام کا پارٹ گنپت راو جوشی کرتے تھے۔ رام داس وغیرہ جو سادھو لوگ ہیں اُن کو اسٹیج پر لانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ان لوگوں کے حالات زندگی ناٹکوں کے لئے ناموزوں ہیں۔ کیونکہ ان کے کھیل کرنے سے ان کی عظمت جو لوگوں کے دلوں میں ہے وہ کم ہوجاتی ہے۔ اور چونکہ ان میں شروع سے اخیر تک ایک ہی قسم کا سکون جاری رہتا ہے اس لئے لوگوں کو دلچسپ نہیں معلوم ہوتے اور ان کا اثر بھی کم ہوتا ہے۔ اگر اس قسم کے ناٹکوں پر مصنفین خامہ فرسائی کریں گے تو یقیناً ڈراموں کی دلچسپی مفقود ہوجائیگی—

تاریخی ڈرامے سنہ ۱۸۹۲ ع
سنہ ۱۸۹۳ ع تک

انگریزی زبان کے اثر سے یہاں کے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ہماری ہر چیز ادب وغیرہ کم درجہ کی ہے اور انگریزوں کی ہر چیز نہایت شاندار اور بے عیب اور قابل تقلید ہے - لیکن مرہٹی کے مکالے مسٹر وشنو شاستری چپلون کر (۱۸۵۰-۱۸۸۲) نے اس مغالطے کی تردید شروع کی - اور اون کی راہبری سے ہم پھر سیدھے راستے پر آگئے - شیواجی اچھاؤ (برسی) شروع ہوی اور اس سے ہمارے اولوالعزم بزرگوں اور بہادروں کے کارنامے اپنی اصلی ہیئت میں ہمارے سامنے پیش ہونے لگے اور ہمارے دل میں اون کی عظمت برقرار ہوی - تمام واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخی ڈرامے لکھے جانے لگے - ان میں سب سے پہلے ڈرامے نارائن راؤ پیشوا کا قتل (یہ قتل سنہ ۱۷۷۳ ع میں ہوا تھا) اور اس کے بعد جھانسی کی رانی لچھمی بای کی بغاوت ہیں (یہ بغاوت سنہ ۱۸۵۷ ع میں ہوی تھی) اگر یہ دونو ڈرامے اپنی حقیقی تاریخی واقعات کا صحیح صحیح مرقع ہوتے تو بہتر ہوتا - لیکن ان پر تاریخ سے ہٹکر بہت مبالغے سے کام لیا گیا ہے، جس سے ان کا اثر کم ہوگیا ہے - کولہاپور کے رن سنگھہ راؤ اور اور سیرنے نراین راؤ کے قتل پر ایک بڑا ڈراما لکھا ہے - اور کارلیکر نے افضل خاں کے قتل کو ناٹک کے پیرایہ میں بیان کیا ہے - ٹیپو سلطان اور داما جی پنت وغیرہ پر بھی ناٹک لکھے گئے ہیں - لیکن ان میں بہت کچھہ ناموز و نیت پای جاتی ہے - چنانچہ ان کے لباس اور زیور اور دربار سے ان کی حقیقی عظمت ظاہر نہیں ہوتی - اور یہی وجہ ہے کہ دیکھنے والوں پر ان کا جیسا کہ چاہئے ویسا اثر نہیں ہوتا - نارا ین راؤ کا قتل اور جھانسی کی رانی کی بغاوت اب تک کئی مرتبہ اسٹیج پر لای گئی، لیکن ان کی ضروری اصلاحات کی طرف مصنف یا کمپنی نے توجہ نہیں کی —

(داماجی پنت) یہ بیدر کا ایک سردار تھا - یہ بڑا زاهد و عابد تھا -

سلطنت بیدر میں ایک مرتبہ قحط پڑا غریبوں کی امداد کے لئے داماجی پنت نے سرکاری مال گزاری کا وصول کیا ہوا غلہ لٹا دیا۔ بادشاہ بیدر کو یہ ناگوار ہوا اس لئے اس نے داماجی کے لئے سزا کی تجویز کی۔ داماجی پنت پنڈر پور کے وٹھوبا کا معتقد تھا۔ اس زمانے میں زرمبادلہ یا منی آڈر کا طریقہ رائج نہ تھا بلکہ یہ کام وطن دار ڈھیڑوں سے لیا جاتا تھا۔ چنانچہ وٹھوباجی ڈھیڑ کے بھیس میں ایک بیش قرار رقم لیکر اس تلف شدہ غلہ کی تلافی میں بادشاہ کے پاس وٹھوبا ڈھیڑ کے نام سے حاضر ہوا اور رقم ادا کی۔ دربار کے وقت داماجی پنت حسب الطلب حاضر ہوے۔ بادشاہ نے وصول رقم کا ماجرا بیان کیا اور ان کو حکم دیا کہ وٹھوبا ڈھیڑ کو حاضر کرو۔ داماجی اس کی حقیقت سمجھہ گئے اور خیال کیا کہ محض اس کو بچانے کی خاطر وٹھوبا کو ڈھیڑ کا بھیس لینا پڑا اور اُس سے داماجی کو بڑی پشیمانی ہوئی۔ وٹھوبا ڈھیڑ کو طلب کرنے کا سبب یہ ہوا کہ اس کی شکل اور وضع قطع نے بادشاہ پر ایک خاص اثر کیا تھا۔ داماجی پنت نے اس پشیمانی میں نوکری ترک کردی لیکن اس سے وٹھوبا ڈھیڑ کو دیکھنے کا جو شوق بادشاہ کے دل میں جاگزیں ہو گیا تھا وہ زایل نہ ہوا بلکہ وہ داماجی سے مصر تھا کہ وٹھوبا ڈھیڑ کو لایا جاے۔ بالاخر بدقت تمام داماجی نے بادشاہ کو وٹھوبا کا درشن کرایا۔ اس واقعہ کے متعلق جو ڈراما لکھا ہے ایک غیر مربوط سا ہے جس میں بہت کچھہ اصلاح کی ضرورت ہے۔ اگر اس کی تاریخی واقعات سے اصلاح کی جائے تو اُس سے مرہٹی ڈراموں کی بڑی زینت ہو جائیگی —

(شانکردگ وجے)۔ اس نام کا ناٹک انا صاحب کرلوسکر نے جو مرہٹی سنگیت ڈرامے کا موجد ہے، لکھا ہے۔ اس ناٹک کا کھیل کرلوس کر ناٹک کمپنی کرتی تھی۔ کرلوس کر کمپنی میں موزم دار، ماٹے کر، بھاؤراؤ کولٹ، کر اور مورو بارا گھولی کر بہت عمدہ ایکٹر اور کام کرنے والے تھے۔ موزم دار پہلے شکنتلا کا ایکٹ کرتے تھے بعد میں بھاؤراؤ کوٹ کر شکنتلا کا کام شاکنتل ناٹک میں کرنے

لگے-اور سو بھدرا کا کام سوبھدر ناٹک میں کرتے تھے اور مورو با واگھو لیکر دشینت (شکنتلا کے شوھر) کا کام کرتے تھے-شانکر دگ وجے ڈراما میں شنکراچاری کا آنا اور ان کے حالات زندگی اور بدھ مذھب پر برھمن مذھب کا کامیابی حاصل کرنا دکھایا گیا ھے-شنکراچاری کے سوانح ناٹک کے لئے موزوں نہیں ھیں-اور یہی وجہ ھے کہ یہ ناٹک بااثر نہیں ھوتا-مادھوراؤ اول گنوت کرش میں سنبھاجی کی شرارت کا بیان ھے-باجی راؤ مستانی،پانی پت کا مقابلہ،باجی دیشن پانڈے،رانا بھیم دیو،ٹیپو سلطان کا فارس،افضل خاں کا فارس نش چیاجی پگڑی،شری شیواجی ناٹک،نرویر مالوسرے، گلچن چاسوز (غلزیوں سے انتقام) یا پانی پت کا بدلہ وغیرہ وغیرہ تاریخی ڈرامے ھیں-تاریخی ڈراموں کی اصلی دلچسی اسیوقت ممکن ھے جب کہ وہ تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ چایں۔لیکن مرھٹی ڈراموں میں یہ نقص پایا جاتا ھے کہ وہ عموماً واقعات تاریخ سے بہت گریز کرتے ھیں،جس کی وجہ سے دیکھنے والوں پر جیسا کہ چاھئے ویسا اثر نہیں ھوتا-علاوہ ازیں اس امر کے ملحوظ رکھنے کی بھی سخت ضرورت ھے کہ ایکٹروں کا لباس اور ظاھری وضع داری تاریخی لحاظ سے اس زمانے کے مطابق ھو مثلاً شیواجی اگر اسٹیج پر لایا جاے تو اس کا لباس ویسا ھی دکھانا چاھئے جو اس کے زمانے میں مروج اور اس کے لئے موزوں تھا-اگر زمانہ قدیم کے لوگوں کو زمانہ حال کے لباس میں اسٹیج پر ظاھر کیا جاے تو وہ بالکل ناموزوں اور غیر موثر ھوگا-اس طرح اورنگ زیب اگر اسٹیج پر ایک نو خیز جوان کی ھئیت میں ظاھر کیا جاے تو دیکھنے والوں پر اس کا کچھہ اثر نہ ھوگا-کیوں کہ تاریخ ھمارے سامنے اورنگ زیب کا جو فوٹو پیش کرتی ھے،اس میں اورنگ زیب ایک معمر اور سنجیدہ حیثیت میں ظاھر ھوتا ھے-کسی ڈراما نویس نے ایک ڈراما شیوجی اور اورنگ زیب کی بیٹی کی شادی کے نام سے لکھا ھے-یہ سرتاپا واقعات کے خلاف ھے-(خدا کا شکر

ہے کہ یہ مرہٹی ڈراما نہیں ہے' بنگالی ہے) شیواجی کا دہلی میں قید ہونا حقیقت واقعہ کے خلاف ہے۔کیونکہ شیواجی آگرہ میں قید ہوا تھا نہ کہ دہلی میں۔اِن نقائص کو شاہونگر واسی ناٹک کمپنی نے ایک حد تک رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔لیکن دوسری کمپنیوں نے کچھہ بھی نہیں کیا۔بعض ڈراما نویس یا ناٹک کمپنیاں تاریخی واقعات کو اپنے مذاق کے مطابق ترتیب دیتی ہیں یا جس طرح ان کو اسٹیج پر مناسب معلوم ہوتا ہے ان کی اصلیت میں تغیر کر دیتی ہیں لیکن تاریخی ڈراموں میں اس قسم کا شخصی تصرت بالکل نامناسب ہے کیوں کہ ڈرامے بھی ایک حد تک عوام کے تعلیم کا ذریعہ ہیں۔ اس سے ان میں غلط واقعات کے بیان سے حقیقی مقصد تعلیم فوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے نا واقف لوگوں کو بڑا مغالطہ بھی ہو جاتا ہے۔مرہٹہ تاریخ پر زمانۂ حال کے تحقیقات سے بہت کچھہ روشنی پڑتی ہے۔مرہٹی ڈرامے اکثر قدیم مرہٹہ تاریخ پر تیار ہوے ہیں لیکن اگر ان میں حال کی تاریخی تحقیقات کے مطابق تغیر و تبدل کر دیا جاے تو بہت بہتر ہوگا اور جس طرح ناٹک کمپنیاں عوام کے مفید کاموں میں مالی امداد کرتی ہیں اسی طرح اگر وہ تاریخی ڈراموں کو حالیہ تحقیقات کے مطابق تبدیل کرانے میں امداد کریں تو پبلک کے مفید مقاصد سے بعید نہ ہوگا اور اس سے قوم پر بھی ایک احسان ہوگا۔مرہٹی تاریخی ڈرامے سنگیت (ملی ہوئی نظم و نثر) میں بھی لکھے گئے ہیں لیکن تاریخی واقعات کا نظم میں ظاہر کرنا زیادہ مفید نہیں ہے کیوں کہ دیکھنے والے تمام وقت اپنے خیالات کو گانوں کی طرف متوجہ رکھتے ہیں اور اصلی واقعات سے سبق حاصل کرنے کی کچھہ پروا نہیں کرتے۔علاوہ ازیں واقعات کا اصلی فوٹو جس خوبی کے ساتھہ ایکٹر کے ذریعہ نثر میں کھینچا جا سکتا ہے اُس خوبی سے نظم کے ذریعہ نہیں ظاہر کیا جا سکتا۔اس لئے تاریخی ڈرامے بجاے نظم کے نثر میں ہی زیادہ مناسب و مفید ہو سکتے ہیں—

سوشیل ڈرامے | سوشیل (معاشرتی) ڈراموں میں جو سب سے پہلے ناٹک لکھا گیا ہے اُس کا نام مور - ایل - ایل - بی کا فارس (Farce) تھا اس میں انگریزی تعلیم کے مضر اثرات دکھاے گئے ہیں مثلاً اس تعلیم سے ہم جسمانی حیثیت سے کمزور ہوتے جاتے ہیں' ہمارے اخلاق خراب ہو گئے ہیں' بزرگوں کا ادب اور ان کی توقیر کا خیال کم ہوتا جاتا ہے' جدید طریقوں کو قدیم رسم و رواج پر ترجیح اور اپنے مزید معلومات کا ایک گھمنڈ ہم میں پیدا ہوتا ہے' اس سے نخوت و غرور ہم میں پیدا ہونا شروع ہوتا ہے - یہ ڈراما سانگلی‌کر کمپنی پونا وغیرہ بڑے بڑے مقامات پر کرتی تھی - اُس میں چونکہ نئی تعلیم اور طریقوں کی ہنسی اُڑائی جاتی تھی اس لئے عام تماش بینوں کا اس کھیل میں بڑا ہجوم ہوتا تھا - سوشیل مضمون کا دوسرا ناٹک جو تیار ہوا اُس کا نام جرٹھودواہ ہے - اس ناٹک میں ایک بوڑھے مرد کے ساتھ جوان لڑکی کی شادی کا ہونا اور اُس کے برے نتائج دکھاے گئے ہیں - تیسرا سوشیل ناٹک نارایَن باپوجی کانٹیکر نے لکھا ہے' اس کا نام ترونی شکشس ہے - اس ناٹک میں زمانۂ حال کی تعلیم اور نئی روشنی کے اثرات سے جو نتائج پیدا ہوے تھے ان کا ذکر ہے - چنانچہ ہندوستانی عورتوں کی آزادی' مرد و عورات کے مساوی حقوق' ازدواج بیوگاں' جبریہ شادی کی مذمت' محبت کے بعد شادی کا ہونا' عورتوں کے لباس اور بود و باش میں اصلاح و ترمیم اور بت پرستی اور چھوت کی ممانعت پر زور دیا گیا ہے اور ذات پات کی پابندی کا بڑا نقصان یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے ہندو ترقی نہیں کر سکتے - ہندوستان میں انگریزی حکومت کے پہلے دور میں اس قسم کے خیالات عام طور پر پیدا ہو گئے تھے - اس سے پہلے عہد کے لوگوں کے خیالات بالکل اُن کے برعکس تھے' تعلیم یافتہ طبقے نے ان نئے خیالات کی پیروی کی اور اس کے برے نتائج اُٹھاے - اس ناٹک میں ان نئے خیالات کی تردید

کرتے ہوے موجودہ زمانہ کی تعلیم نسوان کے مضر نتائج بتاے گئے ہیں - جس زمانے میں عجلت سے اصلاح کرنے والے مصلح جو انگریزی لباس و بود و باش کی اندھا دھند تقلید کرتے تھے، بکثرت پیدا ہو گئے تھے، اسی زمانے میں ایسے مصلح قوم بھی موجود تھے جو اندھا دھند تقلید کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ قدیم و جدید ہر دو طریقوں میں کچھہ اچھائیاں اور برائیاں ضرور ہیں اس لئے کسی ایک ہی طریقے کی تقلید مفید نہ ہوگی بلکہ دونوں طریقوں میں سے اچھی باتیں چن کر اُن پر عمل کرنا چاہئے - جو مصلح قوم مغربی فیشن کے مقلد تھے ان کی یہ غلطی تھی کہ انہوں نے اس کے ساتھہ ساتھہ ہندوستان کی آب و ہوا اور دوسرے حالات کو مد نظر نہیں رکھا تھا - ایسے ناٹکوں میں عورتیں نئے فیشن کے لباس میں اسٹیج پر آتی تھیں - بینڈ گاہوں اور دوسری پبلک سیرگاہوں میں تفریح کرتی ہوئی اور آزادی کے ترانے گاتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں - اس قسم کے کھیل پونا اور اس کے مضافات کے لوگوں کے لئے ایک نئی بات تھی - اس لئے شہر پونا میں اس کے دیکھنے کے لئے دور دور سے وہ بکثرت آتے تھے - سنہ ۹۱ و ۱۸۹۰ع میں کن سینٹ بل پاس ہوا اور ہر طرف اصلاح عقاید و مذہب اور فیشن کی لہر دوڑ گئی، یہی اسباب تھے کہ ناٹک کے کھیلوں میں تماش بینوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور ناٹک کمپنیاں اپنے کھیلوں میں ترقی کرتی جاتی تھیں —

کن سینٹ بل کا ناٹک

کن سینٹ بل کا مقصد یہ تھا کہ زن و شوہر میں تعلقات اس وقت تک پیدا نہ کئے جائیں جب تک کہ عورت کی عمر ۱۲ سال کی نہ ہو جاے - اس بل کے متعلق دو گروہ ہو گئے، ایک جماعت کا خیال یہ تھا کہ ہمارے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں سرکار کو دخل نہ دینا چاہئے بلکہ سوسائٹی خود اس کی اصلاح کر لے گی - کیوں کہ اگر اس

وقت سرکار کو اس جزئی معاملہ میں دخل دینے کا موقع دیا گیا تو وہ آئندہ
اس سے بڑے بڑے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں دخیل ہونے لگے گی
اور یہ ہمارے لئے مضر ہوگا۔ اس خیال کے موید تلک اور سر رومیش چندرمتر
جج وغیرہ تھے۔ اس کے خلاف جو دوسری جماعت تھی اس میں جسٹس رانادے،
ملا باری، اگرکر وغیرہ تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ جب قوم کے افراد اپنی مفید
باتوں پر کاربند ہونا پسند نہیں کرتے ہیں تو سرکار کا دخل دینا جائز ہے
تاکہ ملک میں اصلاح ہو۔ تمام بحث مباحثوں کے بعد بالآخر سرکار کی جانب سے
قانون منظور ہو گیا۔ اس ناٹک میں اس قسم کی سرکاری مداخلت سے جو
برے نتائج پیدا ہوئے وہ بتائے گئے ہیں—

کنیاں وکرے وشن پرنیام | لڑکیوں کے بیچنے کے برے نتائج۔ سنہ ۱۸۹۵ع میں یہ ناٹک بمبئی میں اس کمپنی نے کیا تھا۔ اس

میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہربھٹ جی نامی ایک برہمن نے اپنی جوان لڑکی گنگو
کی شادی روپیہ کے لالچ میں ایک ضعیف برہمن دامودر پنت سے کردی۔ کچھ
عرصے بعد دامودر پنت فوت ہو گیا اور گنگو جوان بیوہ ہوکر طرح طرح
کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئی۔ بالآخر اس کے ایک بچہ پیدا ہوا، بدنامی
کے ڈر سے گنگو نے اس بچے کو مار ڈالا۔ یہ ایک معمولی درجہ کا ناٹک ہے—

راو صاحب گوپال اننت بھٹ نے پرماوتی نام کا ایک ناٹک لکھا ہے جس
میں ہماری سوسائٹی کی موجودہ حالت کو بتلایا ہے، اس میں مصنف نے
مختلف مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ طریقہ زراعت اور کم سنی کی
شادی پر بھی خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اس میں اشخاص ڈراما کے کیریکٹروں
کے بنانے کا مطلق خیال نہیں رکھا۔ مختلف مباحث ایک ہی جگہ جمع کردئے
ہیں جس سے لطف جاتا رہا ہے۔ "کانت کرنے شبھکر سدھارناچے پرینام" یعنی جلد
ریفارم کرنے کے برے نتائج پر ڈراما لکھا ہے۔ اس میں عجلت سے ریفارم کرنے سے

جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو بتایا ہے --

سنگیت ناٹک

سنگیت ناٹک کا ایجاد سوکر باپو جی تری لوکےکر نے کیا- قدیم پورانک ناٹک بھی سنگیت ہی تھے مگر اُن میں گانے کا کام صرف ایک سوتردھار کے ہی ذمہ رہتا تھا مگر ان نوایجاد ناٹکوں میں گانے کا کام مختلف ایکٹروں کے تفویض کر دینے سے تماشائیوں کو ہر ایک کی خوش الحانی سے دل بہلانے کا موقع ملتا تھا اور ناٹک کے کھیلوں میں زیادہ دلچسپی اور دلبستگی ہوتی تھی- سنہ ۱۸۸۹ع میں تری لوکےکر نے کتاب نل دمینتی (نل دمن) نثر و نظم ملا کر لکھی- شنکر مورو انترے' داسیو دیو ناراین' تونگرے اور نراین ہری بھاگوت وغیرہ ماہرین موسیقی نے سنگیت کی تعلیم میں مدد دی اور ہندو سن مارگ بودھ منڈلی ان ناٹکوں کو اسٹیج پر لائی- اس کے بعد بلونت پانڈو رنگ یا انا صاحب کرلوسکر نے ان سنگیت ناٹکوں کے فروغ میں حد سے زیادہ کوشش کی- کرلوسکر صرف گانا بجانا جانتا تھا اور علم موسیقی سے پورا واقف تھا مگر لکھنے پڑھنے کے اعتبار سے وہ عالم نہ تھا' اس زمانے میں ہارمونیم وغیرہ باجے بھی نہیں تھے- باوجود اس کے اس نے طنبورہ سارنگی وغیرہ مزامیر ہی سے ایکٹروں کو تعلیم دے کر ناٹک کو کامیاب بنانے میں سعی کی- شاکنتل سوبھدرا اور رام راج ویوگ (یعنی رام کا راج تجنا) سنگیت ناٹک تیار کئے- کرلوسکر کو جیسے عمدہ ایکٹر ملے تھے ایسے ایکٹر کسی کمپنی کو نہیں ملے اور نہ ایسی شہرت کسی دوسری سنگیت ناٹک کو ہوئی اور روپیہ بھی جتنا اُس کو ملا پھر کسی کمپنی کو نہیں ملا- یہ کمپنی جس کا نام کرلوسکر سنگیت ناٹک کمپنی ہے' اب تک قایم ہے- اس کا شمار مشہور و معروف کمپنیوں میں ہے- ترلوکےکر اور کرلوسکر ناٹک ابھی تک پورانک ناٹکوں ہی کے وضع پر تھے- مگر اُن میں سنگیت کے شامل کرنے سے انہوں نے ان کی ہیئت میں کچھہ اصلاح کی- پورانک ناٹکوں میں

گجانن (گنیش جی) سرسوتی (علم کی دیوی) اور ردوشک (مسخرہ) اسٹیج پر آیا کرتے تھے۔ ان تینوں کو انھوں نے رخصت کر دیا۔ ناٹک کا ابتدائی پردہ اُٹھتے ہی منگلا چرن (خدا کی ثنا و صفت) کے لئے تین آدمی آتے تھے، پھر دو چلے جاتے تھے، صرف سوتردھار رہ جاتا تھا اس کے بعد نٹی یعنے سوتردھار کی بیوی آتی تھی اور آپس میں اس طرح گفتگو ہوتی تھی جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ناٹک میں کیا ہونے والا ہے۔ اُنھوں نے ان ناٹکوں کے ایکٹروں کے لباس اور وضع قطع میں بھی بہت سی تبدیلی کی۔ ہریشچندر، دشینت یعنی شکنتلا کا خاوند، ارجن اور کرشن وغیرہ زبردست شخصیت کے اشخاص جب اسٹیج پر آتے تھے تو اُن کے سروں پر تاج اور کانوں میں کنڈل وغیرہ ہوتے تھے۔ اُنھوں نے یہ تاج اور کنڈل بالکل نکال دئے اور ان کے بجاے آج کل کے راجاوں کے لباس کو داخل کیا۔ کرشن جی وغیرہ دیوتاوں کے چار ہاتھ ہوتے تھے، اب چار کے بجاے صرف دو ہاتھ رہ گئے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ راکشسوں کا سوانگ کس طرح بھرتے تھے۔ اسی طرح ردوشک کے سانگ کے متعلق بھی لکھا جا چکا ہے۔ اب ودوشک کا لباس ایسا بدل دیا گیا ہے جس طرح انگریزی ناٹکوں میں مسخرہ کا (بفون) یا سرکس میں بفون کا ہوتا ہے۔ پہلے راکشس ناٹکوں میں زورشور اور کریہہ آواز کے ساتھ اسٹیج پر آتے تھے، اب ان کو معمولی آدمی کی طرح اسٹیج پر آنے کے لئے مجبور کیا گیا ہے۔ آپا صاحب کرلوسکر کی ناٹک کمپنی جسے قایم ہوے پچاس سال سے زیادہ عرصہ گزرا ابھی تک قایم ہے۔ سنہ ۱۹۰۹ع میں اس کمپنی نے اپنا ذاتی تھیٹر پونا میں بنا لیا ہے۔ اس تھیٹر میں آج کل عمدہ سے عمدہ مقررین اپنی اپنی تقریریں کرتے ہیں اور تمام پبلک جلسے بھی اسی میں ہوتے ہیں اور ہر سال ناٹک کمپنیوں کی ایک کانفرنس ہوتی ہے جس میں کسی مشہور و معروف شخص کو پریسیڈنٹ قرار دے کر کمپنیاں اپنی تمام مشکلات کا اظہار کرتی

هیں اور کانفرنس اُن کی ترقی کی تجاویز پر غور کرتی ہے - اوپر لکھا گیا ہے کہ آپا صاحب کرلوسکر نے تین ناٹک لکھے ہیں - اسی انداز پر ڈونگرے نے سنگیت اندر سبھا ناٹک لکھا ہے - کرلوسکر اور ڈونگرے کے زمانے میں ہارمونیم وغیرہ باجے نہیں تھے اس لئے طنبورے اور ستار پر گانا پڑتا تھا جس کے لئے حقیقی راگ کے جاننے کی ضرورت ہوتی تھی - ایسے لوگوں کی نوکری اگر جاتی بھی رہے تو وہ کہیں نہ کہیں کچھ کما لے سکتے ہیں بخلاف اس کے آج کل کے راگ سے نا واقف نقلی گانے والوں کی نوکری جاتی رہے تو سوائے بھوکے مرنے کے کوئی چارہ نہیں - ڈونگرے اور کرلوسکر کے ناٹکوں میں چونکہ کالیداس بھوبھوتی اور سودرک جیسے سنسکرت ڈراما لکھنے والوں کے ناٹکوں کا ترجمہ ہی ہوتا تھا اس لئے تماشائیوں کے دلوں پر ان ناٹکوں کا گہرا اثر ہوتا تھا - خاص کر سنجیدہ لوگوں کو ان عجائبات کے دیکھنے سے بہت لطف آتا تھا - ڈونگرے اور کرلوسکر کی کمپنیوں میں اصل راگ گایا جاتا تھا - بخلاف اس کے آج کل جس قدر سنگیت کمپنیاں ہیں ان میں پارسی طرز کے گانے گائے جاتے ہیں اور وہ اصل اور فنی گانا نہیں ہوتا —

مسٹر پاٹھارے نے سنگیت سبھاجی ناٹک اور مسٹر بررے نے مہارانا پرتاب سنگھ اور سنگیت پریم بندن ناٹک لکھے ہیں - جن میں تاریخی واقعات کو ظاہر کیا گیا ہے - اس کے بعد بھی بہت سے سنگیت ناٹکوں میں تاریخی واقعات دکھائے گئے ہیں - مگر اس طرح سنگیت ناٹکوں میں کسی واقعہ کا عمدگی سے ظاہر کرنا قریب قریب نا ممکن ہے کیونکہ جس عمدگی سے نثر میں واقعات اور جذبات کا اظہار کیا جا سکتا ہے اس خوبی سے نظم میں نہیں ہو سکتا اور جس طرح یکے بعد دیگرے جو خیالات کسی کے دل میں پیدا ہوتے ہیں وہ سنگیت میں اسی تسلسل سے ظاہر نہیں کئے جا سکتے - سنگیت میں صرف گانے ہی سے تعلق ہوتا ہے اس لئے ایسے ناٹکوں میں بد مذاقی اور بے لطفی ہوتی ہے —

شکسپیر کے چند ناٹکوں کا ترجمہ سنگیت میں بھی ہوا ہے لیکن شکسپیر کے ناٹکوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے جذبات کو اُبھارا جاے' یہ بات نثر ہی سے اچھی طرح لوگوں کے دلوں پر اثر کر سکتی ہے' سنگیت میں ایسا اثر کہاں - خاصکر کسی واقعہ کے اظہار میں جو بات نثر میں پیدا کر سکتے ہیں اور جس کا تصور مدت تک دلوں میں باقی رکھا جا سکتا ہے' وہ راگ کے اوں آں سے ہرگز نہیں پیدا ہو سکتی - شکسپیر کی ناٹک کا مقصد سنگیت میں کرنے سے فوت ہو جاتا ہے - بررے نے لوک مت رچے (عام راے کی فتح) کے نام سے ایک نیا ناٹک تصنیف کیا ہے -- سنہ ۱۸۹۷ع میں جو جو اخبارات مسدود ہوے اور جن جن لیڈروں یعنی تلک اور ناتو برادران وغیرہ وغیرہ پر قید کی مصیبتیں آئیں تقریر اور اخبارات کی آزادی بند ہو گئی اور غدر کی جس بد گمانی میں گورنمنٹ مبتلا ہوئی تھی' اس میں ان تمام حالات اور واقعات کا فوتو کھینچا ہے - ایکٹروں کو اس ناٹک میں ایسی تقریریں یاد کرائی گئیں جن سے لوگوں کے دل خاص طور پر متاثر ہوتے تھے —

مسٹر پاٹن کر نے پریم درشن اور ترکشادمن سنگیت ناٹک لکھے ہیں - پرروفیسر کیلکر نے بھی جس کا اوپر ذکر آیا ہے "تیمنگ آف دی شرو" کا ترجمہ "ترانی کا" کیا ہے' اس کے مقابلے میں مسٹر پاٹن کر کا ترکشادمن ناٹک ہیچ ہے - "ترانی کا" میں جو ہنسی مذاق اور دل لگی پیدا کی گئی ہے' اس کا عشرعشیر بھی پاٹن کر سنگیت میں نہیں پایا جاتا ہے - مسٹر پاٹن کر کے ناٹک پریم درشن میں اس بات کو بتلایا گیا ہے کہ کارھاے قحط پر جو افسر مقرر ہوتے ہیں ان میں سے بعض کی نظر تو روپئے پیسے پر ہوتی ہے اور بعض کی عورتوں پر' اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نفع کے لئے غریبوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے ہیں - سنگیت اوڑھی وناشک ناٹک میں بچپن کی شادی' عقد بیوگاں اور چاے نوشی کے برے نتائج کا اظہار کیا ہے - چونکہ اس ناٹک میں مختلف باتوں

کی طرف توجہ کی گئی تھی اس لئے زیادہ مشہور اور مقبول نہیں ہوا—

مسٹر شری پاد کرشن کولت کر، یہ ایک مشہور ناٹک لکھنے والے ہیں اُنھوں نے کئی ناٹک لکھے ہیں۔ موک نائک، ویرتنے، گپت منجوش (خفیہ صندوق) وغیرہ کے علاوہ اور بھی کئی ناٹک لکھ رہے ہیں۔ موک ناٹک کا قصہ یوں ہے۔ شرت چندر راجہ کی ایک بہن قابل شادی تھی جس کا نام سروجنی تھا۔ وکرانت نام ایک راجہ تھا اس کو سروجنی سے ایک قسم کی محبت ہوگئی۔ ان دونوں میں قرابتی تعلق ظاہر کرنے کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ وکرانت، شرت چندر کی بیوی مسمات روہنی کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ شرت چندر کو شراب نوشی کی بری عادت پڑگئی تھی، ایک دفعہ حالت نشہ میں اس پر حملہ کیا گیا اور اس حملے سے وکرانت نے اس کو نجات دلائی اس کے بعد وکرانت مصنوعی گونگا ہو کر شرت چندر کے ہاں نوکر ہو گیا اور شرت چندر کی بیوی سے جو اس کی ممیری بہن ہوتی تھی اپنا سارا حال سروجنی کی محبت کا بیان کیا۔ روہنی نے وکرانت کی سروجنی سے ملاقات کرادی۔ سروجنی نے وکرانت سے شادی کرنے کا اس شرط پر اقرار کیا کہ وہ کسی تدبیر سے شرت چندر کی شراب نوشی کی بری عادت کو چھڑا دے۔ اس نے بہت کچھ کوشش کی لیکن نا کام رہا اور مایوس ہو کر گھر جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ شرت چندر پر جن لوگوں نے حملہ کیا تھا اِن کو کے یور نام ایک راجہ نے اس غرض سے بھجوایا تھا کہ شرت چندر کے مرجانے کے بعد اس کے ملک پر قبضہ کر لے۔ خود کے یور بھی بھیس بدل کر شرت چندر کے دربار میں موجود تھا اور شرت چندر کے وزیر وی کانت سے ساز باز کر لیا تھا۔ وکرانت جب کہ شرت چندر کے ہاں گونگا بنکر رہتا تھا اور ابھی سروجنی سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی اسی حالت میں سروجنی وکرانت پر عاشق ہوگئی۔ چاہتی تھی کہ وکرانت اس سے شادی کرلے مگر وکرانت راضی نہ ہوا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد وکرانت کے طرف سے ایک شخص

-روجنی کے لئے پیغام لایا - اس وقت پچھلا تمام راز کھل گیا اور ان دونوں کی شادی ہو گئی - ویرتنیے' لوکتکر کا طبعزاد ناٹک ہے - لوکتکر کی زبان فصیح اور ظرافت سے پر ہے - اس کے گانے مقبولیت کا پہلو لئے ہوے ہیں اور معمولی سمجھہ کے لوگ اُن کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں - اس کے ناٹک میں نوکر سے لے کر بادشاہ تک نہایت صاف سلیس اور مہذب پیرایہ میں بات چیت کرتے ہیں اور استعاروں اور تشبیہات کو استعمال کرتے ہیں' یہ بلا شبہ ایک عیب ہے کہ اعلی و ادنی کی زبان میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے —

مسٹر دیول نے شاردا' شاپ سمبھرم' درگا' مرچھہ کٹیکا وغیرہ ناٹک لکھے ہیں اِن میں سے سوائے شاردا کے باقی سب ترجمے ہیں - شاردا کا قصہ یہ ہے: —

کانچن بھٹ کی شاردا نامی ایک جوان لڑکی تھی - بھدا یشور دکشت کے ذریعہ بھجنگ ناتھہ ایک مالدار بوڑھے کے ساتھہ اس کی شادی کا قرارداد ہو گیا - شنکر اچاری کا ایک چیلا مسمی کودنند اس طریقہ کے نیست و نابود کرنے کے درپے تھا کہ کوئی جوان لڑکی کسی بڈھے کے ساتھہ نہ بیاھی جاے - جب کہ بھجنگ ناتھہ اور شاردا کے شادی کی رسم ادا ہو رہی تھی اور عقد کے قبل کے منتر پڑھے جا رہے تھے اور 'ھوم' کا طواف ہو رہا تھا کہ یکایک کودنند آیا اور ظاہر کیا کہ دلھا دلھن ایک گوتر (خاندان) کے ہیں - اس سبب سے ان دونوں کے عقد میں بلحاظ پابندی مذھب رکاوٹ پیدا ہوگئی - اس واقعہ سے بھجنگ ناتھہ اور کانچن بھٹ دونوں دیوانے ہو گئے اور خود شاردا کا بھی شرم کے مارے یہ حال ہوا کہ اس نے اپنے مرنے کو جینے پر ترجیح دی اور تالاب کے کنارے خودکشی کے ارادے سے گئی - قریب تھا کہ وہ اپنی جان دیدے کہ کودنند نے اس کا ھاتھہ پکڑ لیا - مگر شاردا اس شرط پر اپنے ارادے سے باز آئی کہ کودنند اُس سے شادی کر لے - اگر چہ کودنند نے اس اصلاح کی خاطر کہ بڈھے اور جوان میں شادی نہ ہو' پکا عزم کرلیا تھا کہ عمر بھر تجرد کی حالت میں بسر کرے گا مگر شاردا کے اصرار پر وہ

شادی کرنے پر راضی ہو گیا —

مسٹر دیول کے جس قدر ناٹک ہیں وہ سب سنسکرت کے ترجمے ہیں اس میں مسٹر دیول کو کسی قسم کی تکلیف اٹھانی نہیں پڑی - بخلاف اس کے شاردا ناٹک میں ہر بات کو سنگیت اور قصہ (پلاٹ) میں ظاہر کرنے سے اس کو غیر معمولی محنت گوارا کرنی پڑی - مسٹر دیول نے شاردا ناٹک میں مختلف باتوں کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے - بڈھے اور جوان کی شادی دے شست اور کوکن‌است برہمن فرقہ کی شادی' ہوم کے اول شادی کا ٹوٹ جانا جو مذہباً جائز ہے' ایسی مختلف باتوں کے بجاے اگر ایک ہی مبحث بوڑھے اور جوان کی شادی پر بحث کی جاتی تو بہتر تھا - شاردا ناٹک میں کودنڈ کو اگر اس کے اعلیٰ مقصد یعنے بوڑھے اور جوان کی شادی نہ ہونے تک محدود نہ رکھا جاتا تو مناسب تھا - مجرد رہنے کے عزم بالجزم کے بعد ایک خوبصورت لڑکی کے ہاتھ لگتے ہی شادی کرنے کا ارادہ کر لینا اصل مقصد پر برا اثر ڈالتا ہے - اس کے قطع نظر کانچن بھٹ اور بھجنگ کی تصویر خوب کھینچی ہے —

دیول کے ناٹک میں نثر اور نظم نہایت سادہ اور ایسی ہیں جو ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے اور اس ناٹک کا گانا فن پر مبنی ہے - ایک زمانے میں یہی ایک ناٹک اچھا تھا اور بے حد مشہور تھا —

کھاڑیل کرسابق جاینٹ ایڈیٹر کیسری کے کئی ناٹک نثر اور سنگیت میں بہت اچھے ہیں اور زبان وغیرہ کے اعتبار سے کولٹ‌کر ناٹکوں جیسے ہیں - ایک دوسرا ڈراما نویس گڑکری حال ہی میں فوت ہوا ہے - اس کے ناٹکوں میں کھاڑیل‌کر اور کولٹ‌کر دونوں کے ناٹکوں کی خوبیاں اور برائیاں بحیثیت مجموعی اعلیٰ درجہ پر نظر آتی ہیں - ایکچ پیالہ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ہر اچھی یا بری عادت کے اختیار کرتے وقت آدمی ابتدا میں تھوڑے ہی سے شروع کرتا ہے اور آگے چل کر وہ افراط میں پڑ جاتا ہے اور پھر اس سے نجات پانا مشکل ہو جاتا ہے —

کھاڑیل‌کر لوکت‌کر اور گڑکری کے ناٹک آج کل بہت مقبول عام و خاص ھیں - خاصکر پونا اور بمبئی میں گڑکری کے ایکچ پیالہ میں لوگوں کو بہت حظ حاصل ھوتا ھے - کھاڑیل‌کر کا ایک ناٹک عورتوں کی سرکشی "ارجن اور پشب دھنوا "ھے جو مہابھارت سے لیا گیا ھے' اس کی تفصیل یہ ھے کہ ارجن اور پشب دھنوا ایک ایسے ملک پر چڑھائی کی غرض سے گئے جہاں عورتیں ھی عورتیں تھیں - جس وقت پشب دھنوا عورتوں کے سپہ‌سالار روپ مایا کے مقابل آیا تو وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھکر فریفتہ ھو گیا اور روپ‌مایا بھی پشب دھنوا پر عاشق ھو گئی - نتیجہ یہ ھوا کہ دونوں کی شادی ھو گئی - عورتوں کی رانی پریملا بڑی مغرور تھی - ارجن کی بہادری وغیرہ کو دیکھکر اس کا آدھے سے زیادہ غرور جاتا رھا - ندی میں ڈوبتے وقت چوں کہ ارجن نے جان بچائی تھی اس سے اُس کا رھا سہا غرور بھی جاتا رھا اور ان دونوں کی آپس میں شادی ھو گئی - کھاڑیل‌کر کو اس ناٹک میں یہ دکھانا منظور ھے کہ عورتیں فطرتاً کمزور طبیعت کی ھیں اور جس طرح چھپکلی کے سامنے بچھو اپنا ڈنک ڈال دیتا ھے اسی طرح عورتوں کی خودداری مرد کے سامنے بیکار ھو جاتی ھے - ٹینی‌سن نے پرنسیس میں عورتوں کو حقیر خیال کیا ھے مگر اتنا نہیں جتنا کہ اس ناٹک میں کھاڑیل‌کر نے بتایا ھے - کھاڑیل‌کر کے ناٹکوں میں مشہور تر یہ ھیں' کیچک ودھہ' سوائی مادھوراؤ اور بھاؤ بندکی —

آج کل گاندھی جی کی تحریکات پر بھی ناٹک لکھے گئے ھیں جیسا کہ کھادی کی ٹوپی' ھندو مسلمانوں کا باھمی اتفاق' سینانتا چا سونسار' شدھی' چھوت اور اچھوت کا امتیاز نہ رکھنا وغیرہ وغیرہ - اس قسم کے ناٹک مسٹر وروڑکر لکھتے ھیں - سنگیت ناٹکوں میں رانے اور پاٹن‌کر کے ناٹکوں سے لوگوں کے مذاق میں بہت بڑا فرق آ گیا ھے - پاٹن‌کر کی ستیئے وی جے اور وکرم ششی کلا وغیرہ ناٹکوں میں بہت ھی رکیک خیالات اور مغلظ الفاظ اور نا مہذب طریقوں کا اظہار کیا گیا ھے -

جس کی وقعت ایک معمولی حیثیت کے لونڈوں کے ناچ سے زیادہ نہیں کی جا سکتی۔ اکثر اہل علم نے پاٹن‌کر سے دریافت کیا کہ ایسی بد تہذیبی کے ناٹک جن سے لوگوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے، کیوں لکھتے ہو - اُس نے جواب میں کہا کہ جب ناٹک ایسے برے ہیں تو لوگ کیوں اُن کے دیکھنے کے لئے اس کثرت سے جمع ہوتے ہیں - یہ کوئی معقول جواب نہیں ہے - ناٹک لکھنے والوں پر لوگوں کے اصلاح اخلاق کی بھی ذمہ داری عاید ہوتی ہے - پاٹن‌کر کی وفات کے بعد سے اس قسم کے ناٹکوں کی قدر نہیں رہی - آج کل جس قدر ناٹک رائج ہیں ان میں سنگیت کا زیادہ حصہ رکھنے سے ناٹک کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اصلاح حالات کی جو غرض ہوتی ہے وہ مفقود ہو جاتی ہے - یہ بھی ایک عیب ہے کہ ناٹکوں میں صرف عشق و محبت کے ہی زیادہ قصے ہوتے ہیں - دوسری معیوب بات ہمارے ناٹکوں میں یہ ہے کہ عورتوں یا لڑکیوں کا پارٹ اکثر لڑکے کرتے ہیں - اور باتیں تو خیر یہ کر بھی لیتے ہیں مگر جب جوانی کے زور اور جوش محبت کے اظہار کا وقت آتا ہے تو یہ لڑکے اِن قدرتی جذبات کے اظہار سے قاصر رہ جاتے ہیں - اس قسم کی باتوں کا انسداد اس طرح ہو سکتا ہے کہ ان ناٹکوں پر انصاف اور اصول کے ساتھہ اخباروں اور رسالوں میں تنقید لکھی جاے اور با اثر لوگ اپنے اثر سے ناٹک کی کمپنیوں کو اصلاح کی طرف متوجہ کریں - مسٹر این - سی - کیلکر، اڈیٹر کیسری نے (جو ایک بار ناٹک کانفرنس کے صدر بھی تھے) سچ کہا ہے کہ "آج کل ناٹکوں کی قدر و منزلت میں جو فرق آگیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ناٹک کا پیشہ عموماً کم ظرف، کم عقل اور کم علم لوگوں کے ہاتھہ میں آگیا ہے - اُن کی طرز زندگی، سفلہ پن اور وضع قطع سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ناٹک کا آدمی ہے - کیا اچھا ہو کہ اہل علم، ماہرین پیشہ کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں تا کہ عوام‌الناس کو ایکٹروں کی چھچھوری حرکات کی وجہ سے ایک مفید کام کی طرف سے جو بدگمانی ہوگئی ہے وہ دور ہو جاے - علاوہ اس کے ناٹک والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کی تعلیم

کا انتظام کریں"۔ لیکن ناٹک والوں کی کانفرنس قائم ہو نے سے بہت کچھہ امید بندھتی ہے - کیوں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں باہم تبادلۂ خیالات ہوتا رہتا ہے اور ناٹک کی مشکلات اور دیگر مختلف مسائل پر غور ہوتا رہتا ہے - اس سے اُمید ہوتی ہے کہ اس فن میں آئندہ ترقی ہوگی - کرلوسکر کمپنی نے اپنا مستقل تھیٹر قائم کرلیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے - اس کے علاوہ اس نے ایک لائبریری بھی کھول دی ہے جس میں ناٹک اور اس کے متعلق کتب کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے - ایک ماہانہ "رنگ بھومی" رسالہ بھی جاری ہوا ہے جو ناٹک ہی کے متعلق بحث کرتا ہے —

"موج" ایک ہفتہ واری اخبار ہے جس میں ربع حصہ ناٹک کے معلومات اور ایکٹروں کے حالات کے لئے مخصوص ہے - یہ ایسے آثار ہیں جن سے توقع ہوتی ہے کہ آئندہ مرہٹی ناٹکوں میں بہت کچھہ اصلاح عمل میں آنے والی ہے —

ضمیمۂ مضمون بالا

(۱)

مرہٹی میں سنہ ۱۹۱۸ع تک جس قدر ناٹک لکھے گئے ہیں' اُن کی تفصیل یہ ہے: —

(۱) فارس (Farce) یعنی ہنسی دل لگی کے ناٹک	۸۲	(۷) پورانک سنگیت ناٹک	۸۱
(۲) ویدانتی ناٹک	۲	(۸) (نثر) پورانک ناٹک	۱۱۳
(۳) سنگیت سادھو ناٹک	۱۵	(۹) خیالی سنگیت ناٹک (جن کا قصہ خیال پر مبنی ہے)	۸۰
(۴) (نثر) سادھوں پر	۱۵	(۱۰) (نثر) خیالی ناٹک	۱۱۹
(۵) معاشرتی سنگیت ناٹک	۲۸	(۱۱) تاریخی سنگیت ناٹک	۱۸
(۶) (نثر) معاشرتی ناٹک	۸۲	(۱۲) (نثر) تاریخی ناٹک	۱۹۲

اس سات آٹھہ سال کی مدت میں کم و بیش ۳۰ ناٹک ضرور لکھے گئے ہونگے - ایک مرھٹی نامور نقاد کی یہ راے ہے کہ مرھٹی زبان میں جو ناٹک لکھے گئے ھیں ان میں سے دو سو سال کے بعد ایک بھی زندہ نہ رہے گا اور لوگ ان سب ناٹکوں کو بھول جائیں گے —

(۲)

مرھٹی کی موجودہ مقبول ناٹک

نام ناٹک	مصنف
۱ - (سنگیت) دروپدی	کھاڑلکر
۲ - (سنگیت) ودیاھرن	
۳ - (سنگیت) مان اپھان	
۴ - (نثر) کانچن گڑہ چی موھنا	
۵ - (نثر) بھاوبندکی (جس میں پیشوائی کے آخر زمانے میں جو نااتفاقی پھیلی ہوئی تھی اس کی تصویر ہے)	
۶ - (نثر) پریم دھوج	
۷ - (نثر) ستوپرکشا	
۸ - (نثر) سوای مادھو راو اچامرتیو	
۹ - (نثر) کیچک ودہ (کیچک جس نے دروپدی کو ستایا تھا اور جو بھیم کے ھاتھہ سے مارا گیا ہے - قصہ تو یہ ہے لیکن یہ سب مثال کے طور پر ہے اصل میں لارڈ کرزن کے عہد کی تصویر	

مصنف	نام ناٹک
	کھینچی ہے اس لئے گورنمنٹ نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے اور ضبط کرلیا ہے)
کولھٹکر	۱ - (سنگیت) ویرتنئی (بہادربیٹا)
	۲ - موک نایک (گونگاھیرو)
	۳ - گپت منجوش (خفیہ صندوق)
	۴ - ودھو پرکشا (دلہن کا امتحان)
	۵ - جنم رھسے (پیدائش کا راز)
گڑکری	۱ - (سنگیت) ایکچ پیالہ (صرف ایک ھی پیالہ)
	۲ - (سنگیت) راج سنیاس
	۳ - (سنگیت) پریم سنیاس
	۴ - (سنگیت) بھاوبندھن
دیول	۱ - (سنگیت) مرچھکٹک، یہ سنسکرت کے شدرک کوئی ڈراما نویس کا مرھٹی میں ترجمہ ہے
	۲ - (سنگیت) شاردا
	۳ - (سنگیت) شانکر دگ وجے
	۴ - (سنگیت) سنشی کلول
کرلوسکر	۱ - (سنگیت) شاکونتل
	۲ - (سنگیت) رام راجئے ویوگ
اگرکر	۱ - (نثر) وکارولست
کیلکر	۱ - (نثر) تراٹکا

مصنف	نام ناٹک
اوندھکر	۱ - بے بلد شاھی (طوائف الموکی)
وریرکر	۱ - ستہ چے غلام
	۲ - سنیا شا چا سنسار
تاڑپتریکر	۱ - کاندھی ٹوپی
بھلوڑے	۱ - نرویرما لوسرے
شیڈے	۱ - رکشابندھن
	۲ - لوک شاسن
	۳ - رام رحیم
ڈیوستھلی	۱ - دشا بھول
جوشی	۱ - راکشسی مہتوا کانکشا
ناتھہ مادھو	۱ - مرھٹیا نچھا اتہایدن
ٹہلس	۱ - شاہ شیواجی
	۲ - آشا نراشا
ایں سی کیلکر	۱ - توتیا چے بنڈ
	۲ - کرشن ارجن یودہ
بھولے	۱ - ارنودی
مولے	۱ - سوراج سادھن

یہ ناٹک اکثر اسٹیج پر کئے جاتے ھیں—

(۳)

مشہور اور بہترین ایکٹر

کرلوسکر کمپنی جو مشہور سنگیت ناٹک کمپنی ہے اس میں پہلے بھاوراو کولہٹکر عورت کا ایکٹ بہت اچھا کرتے تھے - ان کے بعد ناٹیکر یہ پارٹ کرنے لگے - آج کل مادھوراو جوشی هیرو کا اور چافیکر هیروائن کا پارٹ کرتے هیں - للت کلادرشک منڈلی یا کمپنی میں پنڈھارکر هیرو کا کام کرتے هیں اور گرؤ هیروائن کا (Ranga Bodhechu Natak Company) رنگ بودھے چھو ناٹک کمپنی میں رگھویر ساوکار زنانہ پارٹ عمدہ کرتے هیں اور رسوبھاؤ بھڑکمکر هیرو کا پارٹ خوب ادا کرتے هیں —

اوپر لکھے هوے للت کالادرشک کمپنی میں اس سال سے پہلے کیشوراو بھونسلے جو مشہور زنانہ ایکٹر تھے هیروائن کا پارٹ کرتے تھے، ان کا شاردا کا ایکٹ قابل دید تھا - ان کے انتقال کے بعد ان کا کام گرؤ کرنے لگے - مسٹر گرؤ کا کام بھی اچھا ہے - کیشوراو بھونسلے جس وقت شاردا کا پارٹ کرتے تھے اس وقت مسٹر گورے، کودنڈ (یعنے شاردا ناٹک کے هیرو) کا پارٹ کرتے تھے —

اس وقت کی مشہور تر گندھرو ناٹک کمپنی میں راج هنس، هیروائن کا کام بہت عمدہ طور پر کرتے هیں ان کا ایکچ پیالہ میں سندھو (هیروائن) کا پارٹ قابل دید ہے - اس کمپنی میں تلی رام کا کام مسٹر دیودھر بے نظیر کرتے تھے، تلی رام جو ایکچ پیالہ میں اپنے آقا کو شراب پلانا سکھاتا ہے اب ان کا کام مسٹر بھانڈارکر کرتے هیں - اس کمپنی میں هیرو کا پارٹ مسٹر ونایک راو پٹوردھن کرتے هیں - بھانڈارکر سے دوسرے درجہ پر مسٹر والاولکر هیں - اسی کمپنی میں مسٹر بورس کا کام بھی خوب ہے - مہاراشٹر ناٹک کمپنی میں

مسٹر کارکھانیس هیرو کا پارٹ بہت اچھا ادا کرتے هیں۔ حال میں هی ایک مشہور ایکٹر روکھب کا انتقال هو گیا هے یہ قوم کا یہودی هے —

حسن مشتہر

از

(جناب مولوی سید هاشمی صاحب رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن)

وہ دن بھی اے گل نوخاستہ ہیں یاد تجھے
چمن میں جب کہ ترا کوئی بے قرار نہ تھا

گیاہ و برگ پیاسے تری مہک کے نہ تھے
طیور کو ترے جلوے سے اضطــــــرار نہ تھا

چھپی ہوئی تھی شگوفے میں رنگ و بو تیری
ترے جمال کا عـــــالم میں اشتـــــہار نہ تھا

کہا یہ پھول نے شرما کے "نکتہ چیں، خاموش
کہ ہم کو اپنے نہ کھلنے کا اختیار نہ تھا"

مطبع منشی نولکشور

(انتخاب از سیر المصنفین جلد دوم غیر مطبوعہ)

از

(جناب محمد یحییٰ صاحب تنہا بی - اے - ال ال بی - غازی آباد)

سلطنت مغلیہ کی بربادی کے بعد اور حکومت موجودہ کے دور اول میں کتب السنۂ مشرقیہ کا احیا اور ارزاں ہونا منشی نولکشور کی ذات سے وابستہ تھا - مسلمانوں کا تنزل اور عربی فارسی کی کم رواجی دونوں مترادف الفاظ تھے چنانچہ بحران انقلاب سنہ ۱۸۵۷ع کے بعد روز بروز عربی کا کیا ذکر، فارسی کا رواج بھی کم ہونے لگا تھا - کتابیں مشکل سے دستیاب ہوتی تھیں اور گراں قیمت پر ملتی تھیں اور ہر کس و ناکس کی دسترس سے باہر تھیں - خدا جانے منشی نولکشور آنجہانی کے دل میں تجارت کے خیال نے گدگدی کی یا اُن کو ذاتی طور پر بھی فارسی عربی علوم سے وابستگی تھی کہ آخرکار اس دلی محبت و شیفتگی نے یہ رنگ پکڑا کہ عربی خصوصاً فارسی کی نایاب اور کمیاب کتابیں تلاش اور جستجو سے بہم پہنچا کر محشی چھپوانی شروع کیں - ملک نے اُن پرانی کتابوں کو جو نئے لباس میں جلوہ گر ہوئیں، ہاتوں ہاتھہ لیا اور قبولیت کا تاج اُن کے سر پر رکھا - اس میں شک نہیں کہ اُس زمانہ میں جب کہ انگریزی کا روز بروز زیادہ رواج ہوتا جا رہا تھا اور نئی تہذیب پرانی تہذیب کو دھکے دیکر ملک سے نکال رہی تھی اور علوم قدیمہ کی سرگزشت ایک داستان پارینہ سے

زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی، منشی صاحب نے کمر ہمت چست کی اور فارسی زبان کے اخراج ملک میں روڑے اٹکاے اور پچیس تیس برس تک فارسی کا کوس لمن الملک الیوم بجاتے رہے - لیکن آخر کہاں تک؟ علوم جدیدہ کی تیز روشنی نے پرانے جواہرات ماند کو دئیے اور مغرب کے خود ساختہ لعل و گوہر بازی لے گئے - جب فارسی پر یہ مصیبت پڑی تو اُردو غریب کس شمار میں تھی - یہ مفلس زبان کے دن کی تھی، بالکل بچہ تھی اور ابھی اس کو بولنا ھی کیا آتا تھا؟ البتہ خیریت یہ ہوئی کہ اُردو چونکہ آریای زبان ھے اور انگریزی بھی آریای اس لئے دونوں بہنوں میں اگرچہ مشرق و مغرب کا بعد اور مغائرت تھی مگر ایک نے دوسرے کو خیر مقدم کہا اور صاحبان ذیشان نے اُردو کا ھاتھہ پکڑ کر آگے بڑھانا شروع کیا - منشی نولکشور بھی رفتار زمانہ سے بے خبر نہ تھے، سمجھہ گئے کہ اب اُردو کا دور دورہ ہوگا، زمانہ کی مخالفت بیکار ھے، اس لئے اُنھوں نے قصص و حکایات کی متعدد ضخیم جلدیں فارسی سے اُردو میں ترجمہ کرائیں - یہ ضرور ھے کہ قصص و حکایات کی کتابیں جو ترجمہ کرائی گئیں ایک افسردہ اور مردہ قوم کے لئے مضرت رساں اور غیر مفید تھیں لیکن اُردو کی ھردلعزیزی کو اِن کتابوں سے بھی جن کا ذکر ھم آئندہ کریں گے بہت کچھہ تعلق ھے - منشی نولکشور خود مصنف نہ تھے اور نہ اُس زمانہ میں اُن کے ذھن میں یہ بات آسکتی تھی کہ اُردو میں مفید کتابیں ترجمہ کرائی جائیں - علاوہ ازیں اب تک اردو میں زیادہ تر افسانے ھی تھے خواہ دوسری زبان سے آے ھوں یا خود اپنی زبان میں تصنیف کئے گئے ھوں، یا چند اخلاقی کتابیں تھیں جو فارسی سے اردو میں ترجمہ ھوئی تھیں اور اسی قسم کی کتابیں پبلک پسند کرتی تھی - لہذا ھم ذیل میں اُن کتابوں کا ذکر کرتے ھیں جو عام طور پر مشہور ھیں اور ضخیم ھیں —

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ھے کہ ھم نے عنوان پر منشی نولکشور کیوں نہ لکھا اور مطبع منشی نولکشور کیوں تحریر کیا؟ جیسا کہ سب کو معلوم

ھے منشی نولکشور محض مالک مطبع تھے اور وہ خود مصنف یا مؤلف نہ تھے اور اُن کے مطبع میں جو لوگ کام کرتے تھے وہ بجاے خود ایسے نہ تھے جن کو درجہ اول کے زمرۂ مصنفین میں شمار کیا جاتا - مجبوراً مطبع منشی نولکشور عنوان قایم کیا گیا اور اس کے تحت میں اُردو کی وہ سب کتابیں آگئیں جو لکھنو یا کانپور کے مطبع منشی نولکشور سے شایع ھوئیں —

"داستان امیر حمزۂ صاحبقراں" - شیخ تصدق حسین ایک داستان گو تھے اُنہوں نے منشی نولکشور کے ایما اور اپنے دوست شیخ حامد حسین کے اصرار سے داستان امیر حمزۂ صاحب قراں کے دفتر کا ترجمہ فارسی سے اردو میں کیا - اصل میں یہ داستان علامۂ ابوالفیض 'فیضی' کی تصنیف سے ھے جو دربار اکبری کے نورتن میں شامل تھے انہوں نے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی تفریح طبع کے لئے یہ داستان تصنیف کی تھی جو آٹھ دفتروں پر مشتمل ھے اور بعض دفتروں کی کئی کئی جلدیں ھیں - یہاں یہ کہنا بے موقع نہ ھوگا کہ دفتر پنجم یعنی طلسم ہوش ربا کی جلد اول لغایتہ جلد چہارم کا ترجمہ منشی میر محمد حسین جاہ نے اور جلد پنجم لغایتہ ھفتم کا ترجمہ منشی احمد حسین قمر نے کیا اور شایع کرایا - تفصیل حسب ذیل ھے —

تعداد دفتر	نام داستان	تعداد جلد
اول	نوشیرواں نامہ	۲ جلد
دوم	کوچک باختر	۱ جلد
سوم	بالا باختر	۱ جلد
چہارم	ایرج نامہ	۲ جلد
پنجم	طلسم ھوش ربا	۷ جلد
ششم	صندلی نامہ	۱ جلد
ھفتم	تورج نامہ	۲ جلد
ھشتم	لال نامہ	۱ جلد

ہم نے صرف دفتر پنجم یعنی طلسم ہوشربا کی کل جلدوں کے صفحات کا مجموعہ کیا تو آٹھ ہزار چار سو چون صفحات ہوے یعنی تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار صفحات۔اسی لحاظ سے اگر قیاس کیا جاے تو بقیہ دفتر کم از کم اسی قدر ضخامت کے ہوں گے۔بالفاظ دیگر یہ کل داستان بڑی تقطیع کے سترہ ہزار صفحات پر ختم ہوئی ہے۔واقعی علامہ فیضی نے اپنے دماغ خلاق قصص سے کام لے کر یہ داستان بے مثل و بے نظیر بڑی عرق ریزی اور جانکاہی سے تصنیف فرمائی ہے۔چونکہ ملک مرفہ الحال تھا اور بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب خوش و خرم اور آباد و شاد تھے گزر اوقات کے لئے محنت شاقہ کی ضرورت نہ تھی اور آج کل کی سی گرانی اور پریشانی بھی نہ تھی۔اس لئے سب امیر و غریب اور چھوٹے اور بڑے داستانوں اور قصوں کے شایق تھے اُن کو وقت گزارنا مشکل معلوم ہوتا تھا پس تفریح طبع کے لئے داستانوں کی بہت سخت ضرورت تھی لہذا یہ مشہور و معروف داستان ڈھائی تین سو سال زندہ رہی۔جب زمانے نے اپنا ورق اُلٹا اور فارغ البالی نہ رہی تو داستانوں کی بھی کساد بازاری ہونے لگی۔تیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا ہوگا کہ منشی نولکشور نے اس داستان کا ترجمہ فارسی سے اردو میں کرایا۔اگر داستان پڑھنے یا سننے کا شوق نہ ہوتا تو منشی صاحب موصوف کیوں زر خطیر صرف فرما کر کثیر منافع اُٹھاتے۔چنانچہ جو اعلان کارپردازان مطبع نے شائع کیا ہے اُس سے اِس داستان کی مقبولیت اور ضرورت اشاعت پر روشنی پڑتی ہے۔
وھو ھذا۔۔۔

"زمانۂ تصنیف سے آج تک اس داستان کو ایسی ترقی روز افزوں ہوتی گئی اور ایسی پسندیدۂ خلائق ہوئی کہ ہر شخص اس کے سننے کا بدل مشتاق رہا لیکن چوں کہ یہ داستان عظیم الشان بزبان فارسی تھی اور بوجہ عزیزالوجود ہونے کے سواے کتب خانۂ شاہی یا امراے والا مقام کے دستیاب ہونا اس کا

ممکن نہ تھا لہذا ہر شخص عموماً اس کے مطالعہ سے بہرہ یاب نہ ہوسکتا تھا۔ البتہ کچھ چیدہ چیدہ ارباب شوق نے اس داستان کو جابجا سے یاد کیا اور بطور پیشہ داستان گوئی کے اس کو بیان کرنا شروع کیا۔ اس صورت میں بھی علی العموم اس داستان کے تمام و کمال سننے سے حضرات کم مایہ فرحت اندوز نہ ہوسکتے تھے اور سوائے مجالس اُمرا و اصحاب ذی مقدور کے اس کا بیان عام طور سے غیر ممکن تھا کیوں کہ بار مصارف داستان گو کا متحمل ہونا ہر شخص کے اختیار میں نہ تھا۔ .... اب زمانہ کو ناز کرنا چاہئے کہ اس داستان عظیم الشان کے کل دفتروں کا بہم پہنچانا اور ان سب کا بہ صرف زرخطیر عمدہ عمدہ داستان گویوں اور نثاروں کی معرفت بزبان اُردو شستہ و رفتہ محاورۂ اہل مذاق میں ترجمہ کرانا اور پھر بعنوان پسندیدہ طبع کرا کے تمامی ملک میں اشاعت دینا اور کوڑیوں کے مول میں اس گلستان بے خزاں کی تمام شائقین و عیش پسند کو سیر کرانا (اسی مالک مطبع کا کام تھا) شکر ہے کہ اس امر بزرگ اور کارسترگ کا انصرام بھی ہوگیا''۔

ہمارے پیش نظر اس وقت دفتر اول نوشیرواں نامہ کی پہلی جلد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلد سنہ ۱۸۹۳ ع میں بار اول طبع ہوکر شایع ہوئی ہے اور دوسری بار سنہ ۱۸۹۸ ع میں چھپی ہے جس کا یہ نسخہ ہم آج مطالعہ کر رہے ہیں۔ یعنی پہلا اڈیشن صرف پانچ برس میں ہاتوں ہاتھ فروخت ہوگیا اور دوسری مرتبہ طبع کرانے کی نوبت آئی لیکن دوسرا اڈیشن بہ مشکل پچیس برس میں فروخت ہوا وجہ کیا ہے؟ بیسویں صدی کے آغاز میں لوگوں کے اخراجات میں بے حد اضافہ ہوگیا ہے اور آمدنی میں بھی گو بہ نسبت سابق زیادتی ہوئی مگر خرچ نسبتاً آمدنی سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے اب وہ بے فکری نہیں رہی اور وقت عزیز کو ضایع کرنے کی بجائے محنت و جفا کشی میں صرف کیا جاتا ہے تا کہ اپنی اور اہل و عیال کی پرورش ہو—

بہر حال علامہ فیضی اگر اپنی طبیعت خلاق قصص کو ایک انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و تدوین میں لگاتے اور اس کا ترجمہ منشی نولکشور صاحب چھپواتے تو ملک اور زبان کے لئے کار آمد اور مفید مسالا بہم پہنچتا۔ لیکن ہر زمانے کی ضرورت جدا ہوتی ہے اس وقت افسانوں کی ضرورت تھی اور اب علمی کار ناموں کی حاجت ہے—

مختصر نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے۔: ع:

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

مگر یہ مصرع صرف زبان کی نسبت صحیح ہے۔ خیالات کے لئے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ حسب ذیل انتخاب عمدہ سمجھ کر ایک مقام سے کیا گیا ہے۔ ورنہ کتاب فضول حکایتوں اور قصوں سے پر ہے—

نوشیروان شکار کھیلنے گیا تھا۔ بختک اور بزرچمہر دونوں وزیر اوسکے ساتھ تھے۔ اِن میں باہم چشمک اور عداوت تھی۔ نوشیروان بزرچمہر کا بہت ادب اور لحاظ کرتا تھا اور اوسکو عم نامدار سے مخاطب کرتا تھا۔ ابوالخیر نامی ایک قزاق تھا اُسنے اپنی جان نوشیروان کے ہاتھ سے اس طرح بچائی تھی کہ اسنے بادشاہ سے کہا کہ " میں جانوروں کی گفتگو سمجھتا ہوں اور دوسروں کو بتلا سکتا ہوں مجھے قتل نہ کرو " چنانچہ بزرچمہر کو جانوروں کی بولیاں ابوالخیر سے سیکھنے کا حکم دیا گیا۔ بزرچمہر سمجھ گیا کہ ابوالخیر نے اس حیلے سے جان بچائی ہے لیکن اب بزرچمہر کی دلی خواہش یہہ ہوئی کہ ابوالخیر کی جان سلامت رہے اور خطرہ میں نہ پڑے پس وہ نوشیروان کو یقین دلاتا رہتا تھا کہ وہ جانوروں کی گفتگو سمجھنا سیکھ رہا ہے۔ اتفاق سے ایک روز نوشیروان شکار کے پیچھے اپنے لشکر سے دور ہوگیا تھا اور یہ دونوں وزیر سایہ کی طرح اس کے ساتھ تھے۔ بادشاہ ایک گاؤں کے قریب آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا اسی سلسلہ میں نوشیروان

نامہ کی عبارت حسب ذیل ہے—

"ہرطرف صحرا کے جوخیال کیا دیکھا کہ یہہ مقام ویران ہے انسان ہے نہ حیوان ہے - ایک گاؤں قریب ہے سامنے دو درخت سوکھے ہوے کھڑے ہیں - اُن پر دو طائر بیٹھے ہوے آپس میں نغمہ سنجی کررہے ہیں - بختک تو اسی فکر میں رهتا تھا دل پر غم و الم سہتا تھا چپکے سے بادشاہ سے کہا - اے جہاں پناہ! آپ خواجہ بزرجمہر سے پوچھئے کہ یہہ دونوں جانور کیا باتیں کرتے هیں اور آپس میں کیا کہتے هیں - بادشاہ نوشیروان تو اس امر کا مشتاق رهتا تھا' فوراً خواجہ بزرجمہر کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ اے عم نامدار! فرمائیے کہ یہ دونوں جانور شاخ شجر خشک پر کیا باتیں کرتے هیں - خواجہ سوچے کہ اگر نہ بتلاؤنگا تو بادشاہ کے سامنے دروغ گو ٹھہروں کا اور اگر بتلاوں تو میں کیا جانوں کہ یہ یہ جانور آپس میں کیا باتیں کرتے هیں - سوچے کہ ایسی بات کہوں کہ ذرا بھی جھوٹ ثابت نہ هو ٹھیک درست اترے موزوں و مقتضاے وقت هو - گردن جھکا کے کلام کو اُن طائیروں کے سنا بڑی دیر کے بعد جواب دیا کہ اے بادشاہ عادل یہ جانور آپس میں شادی کی باتیں کرتے هیں - ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ تو جو اپنی بیٹی کی میرے بیٹے کے ساتھہ شادی کرے گا تو کیا جہیز دے گا - وہ جواب دیتا ہے کہ جب تک نوشیرواں زندہ ہے اور تخت سلطنت پر جلوہ آرا ہے تمام جہان تباہ ویران ہے' عدل و داد نہیں کوئی شاد نہیں - شہر قصبے گاوں پروے آباد نہیں - مجھہ سے جہیز ایسے منحوس زمانہ میں کیوں کر دیا جاے اور کہاں سے آے لیکن خیر میں ساتھہ خزانے جانتا هوں وہ جہیز میں دے دوں گا اور زیادہ مجھہ سے نہیں هوسکتا - اس زمانے میں یہ بھی بہت ہے - دیکھتے هو کیا پرآشوب زمانہ ہے کوئی کسی کا آشنا نہیں - جب نوشیروان نے یہ بات اوس حکیم صادق لایق و فایق سے سنی سر گریباں میں ندامت سے ڈالا اور کہا اے عم نامدار آپ بجا ارشاد فرماتے هیں حقیقت میں میں

ایساهی غافل هوں عیش وعشرت کی طرف مائل هوں - خلقت میری غفلت سے بتنگ هرایک مجھه سے اور میری غفلت شعاری سے تنگ — شعر

زهے بے تمیزی و بے عاقلی که از فکر دنیا ؤ دیں غافلی

اے خواجه بزر چمهر کسی نے کیا کہا هے — بیت

بآب زر لکھا هے برعلی نے که سونے سے مسافر کو خطر هے

یهه دنیا کھیتی عاقبت کی هے جو یہاں بوئے وه وهاں اُگے - بقولے الدنیامزرعة الاخرة- جو یہاں دے وه وهاں پائے نهیں تو آخر کو پشیمانی هاتهه آے - اب مجھے آپ کبھی غافل نه پائیے گا داد ودهش میں هرگز پہلو تہی نه کرونگا - یه فرما کر بادشاه عادل طرف دارالعمارت کے روانه هوا - محل میں قدم رنجه فرمایا اوسی وقت حکم دیا که ایک زنجیر طلا کار در عدالت پر لٹکائی جاے - مستغیث اُسے هلاے تاکه میں اطلاع پاؤں - اُسکو اپنے سامنے بلاؤں حال سنوں اسکا مطلب دلی برلاؤں- اس زنجیر کے سرے کو محل کے اندر خواب گاه تک پہنچایا اوس میں ایک گھنٹه طلائی لٹکایا که شاید میں سوتا هوں اور کوئی مستغیث زنجیر دهلاے مجکو فوراً خبر هوجاے- شایدکه میں بستر خواب پر خوابیدههوں توصداے زنجیر طلائیسےبیدار هوجاؤں-گھنٹے کی آواز سے هوشیار هوجاؤںاسی وقت عدالت کر کے داد دوں -

چنانچه یهی نوشیروان هے جسکی نسبت شیخ سعدی علیهالرحمةفرماتےهیں

زنده است نام فرخ نوشیرواںبعدل گرچه بسے گزشت که نوشیرواں نماند

باقی دفتر نے نمو نے بخیال طوالت قلم انداز کئے گئے - جو اصحاب شوق رکھتے هوں اصل کتابیں ملاحظه فرمائیں —

کتاب صادق الاحوال یعنی بوستان خیال-اس کتاب کی تقطیع بہت بڑی هے جوناموزوں هے-ذیل میں گذارش ضروری مترجم کا اقتباس درج کیا جاتا هے —

" بخدمت جمیع ناظرین با تمکین عرض هے که جناب خواجه امان صاحب

دھلوی مرحوم و مغفور نے اس کتاب یعنی مہدی نامہ و اسمعیل نامہ کا شاید کسی وجہ سے ترجمہ نہیں کیا اور بغیر اس کتاب کے اور کتابوں کا جنکا ترجمہ جناب خواجہ صاحب مغفور نے کیا ھے لطف نہ تھا کیونکہ اکثر مطالب بغیر مطالعہ اس کتاب کے معلوم نہیں ھوسکتے لہذا مسود اوراق ھرزہ سیاق اضعف‌العباد سراپا تقصیر بیہودہ زمان مرزا محمد عسکری المعروف بہ چھٹنے آغا عرض رسا ھے کہ با وجود کم استعدادی و ناقابلیت حسب الارشاد محب دلی و شفیق ازلی جناب ڈاکٹر سید ناصر علی صاحب کے اس کتاب نادرۂ زمانہ کا موافق اپنی زبان کے ترجمہ کیا۔ الحمدللہ کہ وہ انجام کو پہنچا۔ حضرات ناظرین انصاف آئین سے امید ھے کہ بندہ اپنی کم علمی پر خود مقر ھے لہذا بحالت معاینۂ خطاؤ نسیان مرکبۂ بشریت پر توجہ نہ فرمائیں اور بنظر خطا پوشی ملاحظہ فرمائیں۔اور میری اس جانکاھی اور مغز خراشی سے بالطبع محظوظ ھوں تو دعائے خیر سے احقر کو فراموش نہ فرمائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین و العاقبة للمتقین و الحمد لله رب العالمین —

ایک تقریظ سے جو کتاب کے آخر میں درج ھے چند سطریں نقل کی جاتی ھیں —

" خدا محمد تقی خاں خیال مرحوم کی تربت کو عنبرین کرے' بلا کا دماغ آفت کا دل گردہ رکھتا تھا۔ کتاب کیا کہی ھے گویا اُس زمانہ کے خیالات آئینہ کر دئے ھیں۔ بوالہوس اسے فسانہ سمجھتے ھیں۔ میں کہتا ھوں کہ حکمت اور عقل و نصیحت کا کار خانہ ھے۔ اُس کے کل خیالات اگر اول سے آخر تک دیکھے جائیں آدمی تو آدمی جانور تک معنی پرست ھو جائیں۔ مگر آج کل ایک تو کمیاب دوسرے فارسی جو موجودہ حالت کے لحاظ سے ھم لوگوں کی دماغی ترقی کے مانع۔ اس لئے جس طرح رندوں کو پیمانہ' بادہ نوشوں کو میخانہ' مہجوروں کو وصال جانانہ' تاج خسروی کو گہر' پیر کنعان کو جوان پسر کی تلاش و تمنا' اس کا اردو

ہونا بھی ضروری تھا۔ کئی برس ہوئے سخنور بیعدیل خواجہ بدرالدین خاں صاحب عرف خواجہ امان صاحب دہلوی مرحوم نے اُس کی چار پانچ جلدیں ترجمہ کی تھیں کہ بوستان علیین کی سیر پر راغب ہوئے۔ ہر چند وہ دہلی کی زبان کے اُستاد تھے اُن کا کیا کہنا، خیر مختصر ان کا ذکر اس جگہ کیا ضرور ہے۔ مطلب کی سنیئے۔ بوستان خیال کی پہلی جلد جسے مہدی نامہ کہتے ہیں اور جس کا ترجمہ سب سے پہلے ضروری تھا، ہمارے لکھنؤ کے نثاروں کی آبرو، ناظموں کی عزت، ذی علم صاحب کمال قدر دان علم و ہنر سخن شناس، سخن فہم سخن سنج رئیس با توقیر عالی جناب ہلال رکاب مرزا محمد عسکری خاں صاحب عرف چھوٹے آغا صاحب خلف ارشد مرزا حسن رضا صاحب عرف مرزا جعفر صاحب مرحوم رئیس اعظم لکھنؤ نے اس کا ترجمہ نہایت محنت اور عرق ریزی سے ہماری سلیس زبان یعنی اُردو میں فرمایا ...... اگر مبالغہ نہ سمجھیں تو میں صاف کہتا ہوں کہ یہ ترجمہ نہیں ہے بلکہ اپنی زبان میں ایسے دلربا مزاج خیالات سے از سر نو تصنیف کیا ہے۔ بلا کی آتش خیالی دکھائی ہے" —

خواجہ فخرالدین صاحب نے "ترجمۂ دلکش و مقبول عام" سنہ ۱۲۹۷ ہجری اور "گل بیخزاں بوستان خیال" سنہ ۱۸۸۰ عیسوی تاریخ کہی اور محمد حسن صاحب تپش انسپکٹر مدارس ضلع پرتاب گڈھ نے "نہال گل بوستان خیال" (سنہ ۱۲۹۷ ہجری) سے تاریخ نکالی —

خاتمۃ الطبع کے ضمن میں لکھا ہے کہ "لا ریب داستان و سرگذشت پاستان وہ شے ہے کہ جس کے معلوم ہونے سے گھر بیٹھے تجربہ نیرنگی زمانہ کا حاصل ہوتا ہے۔ گو بادی النظر میں داستان ایک افسانہ ہے کہ ظاہر پرستوں کی افکار پریشان خاطری مٹانے کا بہانہ ہے، غم غلط کرنے میں ان کا رفیق و یار، مونس و غمخوار ہے، مگر اہل نظر باطن آگاہ لوگوں سے پوچھئے کہ ان کی نظر حقیقت بین میں معدن جواہر بیش بہا ہے، کہ جس کے لمعات مفاہیم ذاتی سے کیسے کیسے قیمتی

نتایج انتظامی اعاظم اُمور ملکی کے حاصل ہوتے ہیں اور اکثر ناقص کارِ عزلت گزین بوسیلہ قصص اسلاف بغیر تجربہ کامل ہو جاتے ہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ داستان صرف جوانان عاشق مزاج کی آتش عشق بھڑکانے کا واسطہ ہے بلکہ مدبران عاقبت بیں کی دانش افزائی کا ذریعہ ہے ...... بوستان خیال جس کو مجموعۂ علم و کمال محمد تقی خاں خیال مرحوم نے جن کا بلا کا دماغ تھا بعبارت فارسی تصنیف فرمایا ہے اور سات جلدوں میں زمانہ بھر کے خیالات کو آئینہ کر دکھایا ہے، قبول از سواے جلد اول و دوم کے مقدم الرام تھی خواجہ بدرالدین عرف خواجہ امان دہلوی نے بانداز بول چال دہلی کے پانچ جلدوں کا اردو ترجمہ کیا تھا کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور کتاب ناتمام رہی۔ جو کہ اتمام کو پہنچانا اس کتاب نغز و نایاب کا کہ جس کا مثل و نظیر آج ہندوستان میں نہیں ہے ضروری نظر آیا رمز شناسان اسرار و اہل شوق کا دوبارہ ترجمہ دو جلد اول و دوم اس داستان نادرالبیان کے افزوں پایا لہذا لکھنؤ کے نثر نگاروں اور ناظموں کی آبرو و عزت مرزا محمد عسکری صاحب عرف چھوٹے آغا صاحب نے ترجمہ اُردو جلد اول و دوم بوستان خیال کا کہ جس کا نام مہدی نامہ ہے جس میں ذکر اجداد والا نژاد صاحبقران عالی جناب شاہزادہ معزالدین کامیاب کا ہے اور تذکرۂ جد امجد گیتی ستان جو پہلے تخت نشین سلطنت ہوے یعنی احوال سلطان ابوالقاسم محمد مہدی جو صاحبقران و صاحب خروج زمین اور حال ملکۂ عابدہ خاتون مادر صاحبقران عالی شان کا ہے، نہایت عرق ریزی سے عمدہ سلیس زبان میں فرمایا۔ جو بوستان خیال فارسی دیکھ چکا ہوگا وہ اس کی خوش بیانی کی داد دیگا۔ پرانے قصے نے نیا رنگ پایا ہے۔ ہر داستان شمع بزم جہاں ہے جس پر پروانہ ہر قصہ خواں ہے"۔

دوسری مرتبہ بہ نظر ثانی مصنف (یعنی مترجم) بماہ مارچ سنہ۱۸۸۶ء کے کرسی نشین نقش انطباع ہوا—

اس کتاب میں ۶۹۴ صفحات ھیں - ھم صفحہ ۸۵ سے مہدی نامہ کی حسب ذیل عبارت نقل کرتے ھیں تا کہ مترجم کا انداز تحریر معلوم ھو سکے —

" راوی کہتا ھے کہ جب فجار اُس طرف گیا زمرد نا بکارہ اس فکر میں ھوئی کہ جس طرح ھوسکے بار دگر سلطان سے لوح لوں تاکہ سحر اس پر کارگر ھو - راوی کہتا ھے کہ اُس کوہ کے حوالی میں ملکۂ غزالہ کا ایک باغ تھا - زمرد وھاں جا کے رھنے لگی اور بزور سحر اپنی صورت غزالہ کی بنائی اور اُس کے خیال میں یہ آیا کہ غزالۂ آھو چشم کی صورت ھو کے سلطان کو پھندہ عشق میں مبتلا کروں - حالانکہ سلطان کا عاشق ھونا غزالہ پر اِس کو معلوم نہ تھا - پس اس قحبہ نے بوضع ملکہ کے سواری آھو کی اختیار کی اور اسی دستور سے آ دور آھو گرد و پیش لیکے جس طرف کہ سلطان شکار کے واسطے آتے تھے وہ بھی اُسی طرف جاتی تھی - یہاں تک کہ سلطان نے ایک آھو کے عقب میں گھوڑا ڈالا - زمرد بھی بقصد شکار آئی تھی - لیکن سلطان نے ایک درخت کے نیچے پہنچ کے آھو کو شکار کیا - چونکہ بہ سبب لوح کے خاطر جمع تھی، اُس جگہ آھو کو ذبح کر کے کباب پکانے میں مشغول ھوے - ناگاہ عقب آھوان سے وھی عورت بصورت غزالۂ آھو چشم اُسی وضع سے سوار نمودار ھوئی - سلطان نے جب یہ دیکھا شادی مرگ ھو گیا اور اُٹھ کے بہ زبان نیازمندی دعا و ثنا اپنی محبوبہ کی بجا لایا اور یہ بیت ملا نظیری کی پڑھی:—

کجا بودی کہ ھر دم سوختی آزردہ جانے را
بقدر روز محشر طول دادی ھر زمانے را

اے جان جہاں و اے آرام دل مشتاقاں! جس روز سے کہ تم کو دیکھا ھے، ھوش و طاقت مجھ میں باقی نہیں رھی اور محض تیری محبت کے باعث دزدی میں متہم ھوا اور فروخت کیا گیا اور تم میرے حال سے واقف ھو - کہتے ھیں: —

دل را بدل رهیست درین گنبد سپهر
از روے کینہ، کینہ و از سوے مہر، مہر

میں نے اس کا اثر کچھہ نہ دیکھا - باوجود اس اشتیاق کے تم کو اپنے حال پر مہربان نہ پایا - زمرد نے جو یہ سخن سلطان عالی شان سے سنا خوش ہوئی اور دل میں کہا - اے زمرد زہے طالع مغرل شاہ کے کہ یہاں دیگ پختہ و تیار ہے کیوں نہ سلطان، غزالہ پر پیشتر سے عاشق ہے - القصہ ناز و کرشمہ شروع کیا اور اشارے سے باتیں کیں، لیکن کھڑی رہی اور ہنستی تھی - سلطان نے اُس سے کہا کہ آؤ قدرے کباب اِس شکار کے تناول کرو - اُس نے قبول نہ کیا - اس اثنا میں قراولان سلطان پہنچے - زمرد بمجرد اُس گروہ کے آنے کے مانند برق کے چلی گئی - سلطان بہت خفا ہوے اور فرمایا - کوئی مجھکو کھاے نہیں جاتا تھا کیوں کہ لوح میرے پاس ہے - تم کیوں ہجوم کر کے میرے پاس آے - میں کل سے سواے مہتر طرفنگ کے اپنے ہمراہ دوسرے کو نہ لاؤنگا - کچھہ احتیاج کسی کی نہیں ہے - لیکن جب وہ قحبہ گئی تھی سلطان نے رعدہ لے لیا تھا کہ کل بھی اِسی جگہ آ کے اپنے جمال سے مجھہ کو بہرہ مند کرنا - اُس مکارہ نے بھی سر رضا ہلایا تھا - الغرض سلطان دوسرے دن بھی اُس طرف گئے اور اُسی درخت کے نیچے کہ جہاں ملکہ سے ملاقات ہوئی تھی، آہو شکار کر کے تنہا کباب پکانے میں مشغول ہوے - مہتر طرفنگ اگر چہ ہمراہ تھا لیکن اُس کو دور کھڑا کیا تھا - وہ قحبہ بہ صورت غزالہ آئی اور سلطان نے بار دگر نیازمندی و اظہار تعشق شروع کیا - زمرد نے طرفنگ کی طرف اشارہ کیا - کہ یہ کون ہے، سلطان نے فرمایا کہ میرا عیار و ہم راز ہے - اُس روز اُس قحبہ نے اتنا کہا کہ 'دیوار هم گوش دارد' ڈرتی ہوں کہ باپ میرا سن لے اور میرے راسطے قباحت ہو - سلطان نے کہا ہرگز وسواس نہ کرو - تمہارے باپ تک کون خبر پہنچاے گا - امروز فردا میں تمہارا باپ بھی میری اطاعت کرے گا یا میرے ہاتھہ سے قتل ہو گا - کیوں کہ تم نے بھی سنا ہو گا کہ میں نے طلسم کو

توڑا ہے اور تمہارے باپ نے چند روز کی مجھ سے مہلت لی ہے تا کہ اُس کے پہلوان ورزش کر کے تیار ہوں اور جنگ زور بازو کریں کیوں کہ اُن کے سحر سے کچھ نہ ہوا - اُس مکارہ نے کہا - اے شہر یار کل کی شب میرا باپ کہتا تھا کہ میں نے بامید جنگ فلاں فلاں عمل کیا ہے - اگر وہ بھی مغلوب ہوے، اِس خدا پرست کی اطاعت کروں گا بشرطیکہ بادشاہ طلسم مجھکو کرے - سلطان نے فرمایا اے ملکہ جس صورت میں تمہارا باپ مسلمان ہوا، سلطنت دوسرے کو کب پہنچ سکتی ہے - اُس قحبہ نے پوچھا اگر مسلمان نہ ہوا تو کیا کرو گے - سلطان کہا اُس وقت واجب القتل ہے - زمرد نے رونا شروع کیا اور کہا ڈرتی ہوں کہ مرگ اُس کی تمہارے ہاتھ سے ہے - اگر چہ میں تم کو بھی دوست رکھتی ہوں لیکن محبت پدری کو کیا کروں - اے سلطان عالیشان و اے ہلاک کنندۂ جادوان! اگر وہ گرفتار ہو اور مسلمان نہ ہو چندے اُس کو قید رکھنا شاید راہ راست پر آے - سلطان نے قبول کیا "—

بوستان خیال جلد دوم جس کا نام دوحتہ الابصار یعنی ترجمۂ معزالدین نامہ ہے، پڑھئیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نواب مرزا محسن علی خاں صاحب عرف آغا حجو صاحب ہندی تخلص نے ترجمہ کیا ہے اور نہ صرف اس کو بلکہ جلد سوم موسوم بہ ضیاءالابصار و جلد چہارم موسوم بہ شمس النہار و جلد پنجم موسوم بہ مطلع الانوار و جلد ششم موسوم بہ خزینۃالاسرار و جلد ہفتم موسوم بہ نورالانوار بھی صاحب موصوف ہی نے ترجمہ کی ہیں - اگرچہ یہ جلدیں کہیں کہیں سے ناتمام تھیں لیکن مرزا محمد عسکری صاحب عرف چھوٹے آغا صاحب کی نگرانی میں جو مرزا محسن علی خاں صاحب کے بھائی تھے مکمل ہوئیں اور منشی نولکشور آنجہانی نے اِن سب کو طبع کرایا—

یہاں یہ کہنا بے موقع نہ ہو گا کہ پانچ جلدوں کا ترجمہ جیسا کہ پیشتر ذکر کیا جا چکا ہے خواجہ امان صاحب دہلوی نے بھی نہایت عمدہ طور پر کیا ہے اور

وہ دوسرے مطبعوں سے شائع ہوا ہے- مرزا غالب نے اپنے ایک خط میں بوستان خیال کے ترجمہ کا ذکر کیا ہے- معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ کس نے کیا * ہے- بہ ظاہر ایسا خیال ہوتا ہے کہ مرزا غالب کے کسی شاگرد یا عزیز نے کیا ہے ورنہ اُن کو اُس کے چھپوانے کی کیا ضرورت تھی- وہ لکھتے ہیں:- " بوستان خیال کا ترجمہ موسوم بہ حدائق الانظار معرض طبع میں ہے- اگر آپ یا آپ کا کوئی دوست خریدار ہو تو جتنے مجلد فرمائیے اُس قدر بھجوا دوں- ۶ روپیہ مع محصول ڈاک قیمت ہے- اُسی مطبع میں جس میں حدائق الانظار کا انطباع ہوا ہے ' اخبار بھی چھاپا جاتا ہے- اب کے ہفتہ کو دو ورقہ بھیج دوں کا بشرط پسند آپ توقیع خریداری لکھ بھیجئے گا-"- اگر یہ ترجمہ خواجہ امان دہلوی کا ترجمہ نہیں ہے تو بوستان خیال کے تین اردو ترجمے سمجھنے چاہئیں- بہر حال یہ بقیہ جلدیں بھی سنہ ۱۸۸۰ ع کے بعد ہی چھپی اور شائع ہوئی ہیں اور مہدی نامہ و اسمعیل نامہ کی طرح معزالدین نامہ میں بھی ۵۲۶ صفحات ہیں تقطیع اُسی قدر بڑی ہے کہ جس قدر مہدی نامہ کی ہے- مختصر یہ کہ اس بڑی تقطیع کے چار ہزار صفحات بوستان خیال کی جملہ ساتوں جلدوں کی نذر ہوئے ہیں اور جو تقطیع عام طور پر اردو کتابوں کی رکھی جاتی ہے یعنی ۲۶ × ۲۲ اُس کے لحاظ سے آٹھ ہزار صفحات کی یہ تمام جلدیں سمجھنی چاہئیں- ہماری قصہ پسندی کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ آٹھ ہزار صفحات فارسی سے اردو میں ترجمہ کئے گئے ہیں- علمی کتابوں کا شوق اُس وقت پبلک کو نہ تھا ورنہ آٹھ ہزار صفحات کی علمی و ادبی کتابیں فارسی یا دوسری زبانوں سے ترجمہ کی جاتیں تو کیا اچھا ہوتا-: ع:

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

اب صاحب بوستان خیال کے مختصر حالات بھی سن لیجئے اور اس کتاب کا سبب تصنیف بھی ملاحظہ فرمائیے—

---

* یہ ترجمہ جس کا ذکر مرزا غالب نے کیا ہے ' خواجہ امان دہلوی ہی کا ہے (اڈیٹر)—

میر تقی گجرات کے رهنے والے تھے - ان کا تخلص خیال تھا اور بعض اشخاص کی زبان سے ان کو ملقب به ملا بھی سنا گیا ہے-نہایت ذی استعداد تھے اور طالب عامانه زندگی بسر کرتے تھے-گردش گردوں سے پریشان حال ہوکر محمد شاہ رنگیلے کے عہد سلطنت میں دھلی کی طرف رخ کیا-یہاں اُن کی منظور نظر ایک زن مطربه تھی-وہ ان سے اکثر شب کو قصص تازہ کی فرمائش کیا کرتی تھی-یہ اپنی محبوبه کی خاطر سے روز ایک تازہ قصه اپنی طبیعت سے ایجاد کرکے سنا دیتے تھے' ان کے مکان کے پچھواڑے کچھه لوگ جمع ہوتے تھے اور داستان امیر حمزہ پڑھواکر سنتے تھے-میر تقی بھی کبھی کبھی تفریحاً شریک جلسه ہوتے تھے-ایک روز بعد ختم داستان' اهالیان جلسه نے' داستان امیر حمزہ کی نہایت تعریف کی-لیکن داستان گو نے میر تقی کو سنا کے کہا که داستان کے مرتب کرنے کے واسطے خداوند عالم قابلیت پیدا کرے تو ممکن ہے ورنه علوم و فنون کی تحصیل سے اگر کوئی شخص داستان مرتب کرنا چاہے تو محال ہے-یه بات میر تقی کو نہایت ناگوار گزری اور کہا که کیا کہتے ہو' صاحبان علم و فضل کے سامنے ایسے خیالات کی کیا حقیقت ہے-لیکن ان کو علوم کی کتابوں کی تصنیف سے اس قدر فرصت نہیں که وہ ان مزخرفات میں اپنا وقت ضائع کریں-بعض لوگوں نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور بعض لوگوں نے اختلاف کیا-اس کے بعد جلسه برخاست ہوگیا-چونکه اپنی محبوبه کی فرمایش کی وجه سے ہر روز ان کو تازہ قصوں کی فکر رہتی تھی' اس لئے اس واقعه کے بعد اب خیال کو زیادہ وسعت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور تھوڑے ہی عرصه میں اس کتاب کے چند اجزا مرتب کرکے اسی جلسے میں گئے اور داستان امیر حمزہ ختم ہونے کے بعد اهالیان جلسه کی طرف مخاطب ہوکر کہا که ایک نئے قصے کے چند اجزا دستیاب ہوے ہیں اگر اجازت ہو تو ان کو سناؤں-سب نے متفق اللفظ ہوکر کہا بسم الله ضرور پڑھئے-جب پڑھا تو تمام حاضرین جلسه محو ہوگئے اور ہر طرف سے صدائے تحسین بلند ہوئی اور آپس میں کہنے لگے که

"واقعی اس طرح کا قصہ آج تک سننے میں نہیں آیا - یہ قصہ مصنوعی نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ اصلی واقعہ معلوم ہوتا ہے" - رفتہ رفتہ اس کی خبر بادشاہ وقت تک پہنچی - میر تقی خیال دربار میں طلب کئے گئے اور بادشاہ نے با عزاز و احترام خلعت فاخرہ سے ممتاز فرمایا اور اس عجیب قصہ کے جاری رکھنے کا حکم دیا اور ایک مدت مدید کے بعد یہ قصہ فارسی زبان میں تکمیل کو پہنچا —

بوستان خیال کی زبان نہایت عمدہ ہے اور ایک خاص بات یہ ہے کہ جو نام ہے بلا وجہ تسمیہ نہیں - اس قصہ کی تصنیف میں مصنف کو جس قدر انہماک تھا اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے —

"ایک مرتبہ کسی ضرورت سے دریا کے سفر کا اتفاق ہوا - جس کشتی پر میر تقی خیال سوار تھے، اُس کشتی پر ان کے ایک دوست بھی عازم سفر تھے - وہ اس قصے کی ترتیب کے لئے اس درجہ غریق بحر فکر تھے اور اس قدر قلم فرسائی میں مشغول تھے کہ جب ساحل مقصود پر اترنے کی نوبت آئی تو انہوں نے اپنے دوست کو پہچانا اور ان سے ملاقات کی اور اس وقت معلوم ہوا کہ ان کے دوست بھی اسی کشتی پر تھے" -

نمونہ کی ضرورت نہیں شائقین اصحاب اصل جلدیں ملاحظہ فرمائیں -

منشی نولکشور صاحب نے بعض مفید کتابوں کا بھی ترجمہ اردو میں کراکر چھپوایا ہے - سیر المتاخرین فارسی زبان میں ہندوستان کی تاریخ ہے - اس کی تینوں جلدوں کا ترجمہ آپ ہی کے ایماء سے منشی گوکل پرشاد المتخلص بہ رسا نے کیا ہے - آپ کے والد کا نام گوردیال ہے اور آپ قوم سے ماتھر ہیں - یہ ترجمہ سنہ ١٨٧١ ع میں ختم ہو کر طبع ہوا ہے - چنانچہ مترجم نے خود قطعۂ تاریخ لکھا ہے : —

آغاز ترجمہ میں دل کو ہوا خیال   تاریخ اسی لکھ کہ جسے اختصاص ہو

فوراً مسیح بولے کہ لکھ بیدھڑک رسا منشی نولکشور کے مطبوع خاص ہو۔

سنہ ۱۸۷۱ ع

کارپرداز ان مطبع کی طرف سے جو سبب ترجمہ درج کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "اگر چہ سیرالمتاخرین کی عبارت فرط سلاست سے ہر دل عزیز و پسند دیدہ خاطر ہر سراپا تمیز تھی مگر چونکہ اس زمانہ میں اکابر و اصاغر کو زبان اردو مطلوب اور اس زبان بلاغت ترجمان کی جامعیت بدل و جان مرغوب اس واسطے مالک مطبع عالی وقار کے ایما سے اس کا ترجمہ اس زبان فصاحت تواماں میں منشی گوکل پرشاد لکھنوی نے ترتیب دیا"۔اس کتاب کا نام مرآۃ السلاطین ہے اور تینوں جلدوں میں گیارہ سو آٹھ صفحات ہیں۔ مختصر نمونہ ہدیۂ ناظرین کرام ہے —

(از ترجمۂ سیرالمتاخرین معروف بہ مرآۃ السلاطین)

"میاں تان سین اور مولانا عرفی شیرازی اور شیخ ابوالفیض فیضی کی رحلت کا بیان"

"میاں تان سین نغمہ سرا خوش آہنگ اپنے فن میں یکتا بلکہ نادرات زمانہ سے تھا جس کے مقابل اس کے پہلے اور پیچھے آج تک کوئی نہ ہوا۔ ساتویں سال جلوس کو راجہ رام چند مرزبان باندھو نے تان سین کو تحفہ کے طور سے حضور میں بھیجا۔ چونکہ بادشاہ علم موسیقی میں مہارت تمام رکھتا اور تان سین بھی اس فن میں برگزیدۂ انام تھا، باہم صحبت موافق ہوئی۔ چونتیسویں سال جلوس کو اس دائرۂ پرشور سے میاں تان سین ناساز ہو کر مقام اصلی کو سدھارے۔ بادشاہ کو اس کج آہنگی چرخ سے، تاسف بے اندازہ ہوا۔ چھبیسویں سال جلوس کو مولانا عرفی شیرازی نے چند روز عطر آمیزی مشام اہل دانش کر کے نہاں خانۂ عدم کی راہ لی۔ بتیس برس اس سرپنجی سرائے کے قیام میں موجب یادگار ہو گیا۔ چالیسویں سال جلوس کو شیخ ابوالفیض فیضی نے بھی

سیر ارم کو نہضت کی۔اس شخص نے جلوس کے بارھویں سال کو دربار اکبری میں دخل پایا تھا۔ بروقت اول اول دربار میں پہنچنے کے نقرئی پنجرے کے باھر کھڑا کیا گیا تھا۔اس وقت یہ قطعہ بدیہہ زبان پر لایا۔قطعہ —

بادشاھا برون پنجرہ ام　　از سر لطف خود مرا جا دہ
زانکہ من طوطئی شکر خایم　　جائے طوطی درون پنجرہ بہ

بادشاہ کو پسند ھوا۔اسی روز قرب حاصل کیا۔اپنے اخلاق حمیدہ سے روز بروز ترقیاں پایا کیا۔ تینتیسویں برس ملک الشعرائی کا خطاب پایا۔ اڑتالیسویں برس قرآن کی تفسیر بے نقط اور نل دمن اور مرکزادوار 'مخزن اسرار کی بحر میں تصنیف کیا جو نظر شاھی میں مقبول ھوئیں۔ان کتابوں سے اس کی لیاقت ظاھر ھے۔اسی طرح سلیمان بلقیس بوزن شیریں خسرو اور ھفت کشور 'ھفت پیکر کے برابر اور اکبر نامہ ' سکندرنامہ کے مقابلہ میں بنایا چاھتا تھا۔ ھنوز یہ ارادہ تمام نہ ھوا تھا کہ خود آپ کا کام تمام ھو گیا۔از بسکہ حسن اخلاق اس کا دامنگیر تھا اور شاھزادے بھی اس سے استفادہ کرتے تھے ۔رحلت سے دو روز قبل شاہ اکبر مع شاھزادوں کے شیخ کے دیکھنے کو گیا اور اُس نے یہ رباعی اسی وقت پڑھی۔ رباعی —

دیدی کہ فلک بہ من چہ نیرنگی کرد　　مرغ دلم از قفس شب آھنگی کرد
آن سینہ کہ عالمے درو میگنجید　　تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد "۔

المختصر اس مطبع سے عمدہ کتب تواریخ بھی ترجمہ ھو کر شایع ھوئیں۔ علاوہ سیرالمتاخرین کے تاریخ فرشتہ اور تاریخ ٹاڈ راجستان کا ترجمہ اردو بھی اسی مطبع سے ھو کر شایع ھوا ۔ تواریخ راجگان اودہ ایک اور قابل قدر کتاب ھے جو اسی مطبع سے شایع ھوئی ھے۔ واقعی اردو زبان کی خدمت جس قدر اس مطبع سے ھوئی شاید کوئی اور مطبع آیندہ زمانہ میں بھی یہ فخر نہ حاصل کرسکے۔ تیسرے دور کے دو نامور اور مشہور مصنف بھی اسی مطبع سے سروکار رکھتے تھے اور عرصہ تک اودہ اخبار کی اڈیٹری اور اسسٹنٹ

اڈیٹری کا کام سرانجام دے چکے ھیں - رامایِن بالمیکی بھاشا بھی
بخط فارسی تحریر ھوکر اسی مطبع سے شائع ھوئی ھے - الغرض اِس
مطبع کے احسانات اُردو زبان پر بہت ھیں اور جب تک یہ زبان
زندہ رھیگی اس مطبع کا نام بھی ھمیشہ یادگار رھیگا —

مجھے پیت کا یاں کوئی پھل نہ ملا

از
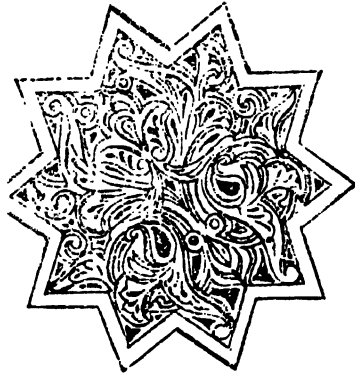
(جناب محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی اے مددگار ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن)

مجھے پیت کا یاں کوئی پھل نہ ملا
مرے جی کو یہ آگ لگا سی گئی
مجھے عیش یہاں کوئی پل نہ ملا
مرے تن کو یہ آگ جلا سی گئی

:o:

مرے تایا کے پوت تھے تم، سبھی ہم
رھے ایک جگہ پلے ایک ھی ساتھہ
مرے باپ نے عمر جو پائی تھی کم
انھیں چھین کے لے گیا موت کا ھاتھہ

:o:

میں ننھی ننھی سی جان غریب بڑی
کبھی بھول کے دکھہ نہ کسی کو دیا
نہ تو روٹھی کبھی نہ کسی سے لڑی
مری باتوں نے گھر کو ھی موہ لیا

تھے تو بالے ھی تم پہ تھا تم کو بڑا

مرا دھیان ، کسی کی مجال نہ تھی

مجھے ٹیڑھی نظر سے بھی دیکھے ذرا

مجھے کھیل میں بھی تو کیا نہ دکھی

:O:

مرے سر میں تمھارا ھی دھیان بسا

مری چاہ کے راج دلارے بنے

تمھیں دیوتا مان کے من میں رکھا

مری بھولی سی آنکھوں کے تارے بنے

:O:

" مرا چندو ابھی سے ھے اس پہ فدا

یہ مکھہ لی ھے موھنی میری بہو "

یہ چچی کا کہا مرے دل نے لکھا

وھیں دوڑ گیا مرے منہ پہ لہو

:O:

اسی بات کے گھر میں جو چرچے ھوے

سبھی کہتے تھے مجھکو تمھاری دلہن

مجھے تم نے بھی اپنے لگا کے گلے

کئی بار کہا " مری پیاری دلہن "

:O:

اسی طرح گزر گئے چند برس

بڑھی عمر ھماری حیا بھی بڑھی

تمھیں پڑھنے کی دھن لگی ایسی کہ بس
بڑے شوق سے ساری پڑھائی پڑھی

—:o:—

مجھے تم نے پڑھایا بھی پہلے پہل
مجھے پڑھنے کا خوب ھی شوق ھوا
لگی چلنے ترت نرے اپنے ھی بل
یونہیں آپ ھی علم کا ذوق ھوا

—:o:—

تمھیں پڑھنے کو دور جو بھیجا گیا
بڑے شوق سے خوب ھی کام کیا
کوئی تم نے دقیقہ اُٹھا نہ رکھا
بڑی محنتیں کیں بڑا نام کیا

—:o:—

ھوے پڑھ کے نچنت تو عہدہ ملا
ھوا گیان کا گن کا جو شہر میں نام
یہ مزے کا نیا ھی شگوفہ کھلا
لگے مینہ کی طرح سے برسنے پیام

—:o:—

مرے تایا بڑے تھے زمانہ شناس
بڑے اونچے گھرانے میں ٹھیرا پیام
گیا ٹوٹ سا جی ٹٹی ٹوٹ وہ آس
مری چاہ کا ھو گیا کام تمام

—:o:—

بڑی دھوم سے آئی تمہاری دلہن
میں بھی کام میں بیاہ کے ایسی جتی
(کوئی اور تھی گو "مری پیاری دلہن")
کہا سب نے بڑی ہے بہن کو خوشی

---: O :---

مرے دل کی کسی کو بھی تھی نہ خبر
مری چاہ کسی پہ نہ فاش ہوئی
بنی جان پہ اپنی کی اُف نہ مگر
مرے واسطے بر کی تلاش ہوئی

---: O :---

مرا ایک جگہ جو پیـــــام لگا
مرے دل سے تڑپ کے یہ نکلی دعا
نہیں چاہ ہی دل میں تو بیاہ ہی نہ
تو خدایا یونہیں مجھے جگ سے اُٹھا

---: O :---

مجھے چاہ نے کھا لیا گُھن کی طرح
مری جان کی کل سی بگڑ ہی گئی
مرا جسم بھی بھن گیا بن کی طرح
یونہیں بستر مرگ پہ پڑ ہی گئی

---: O :---

مرا آخری وقت ہے آن لگا
کوئی اور تمہاری ہے پیاری دلہن

مجھے اب بھی تمھارا ھی دھیان لگا
نہ بنی پہ رھی ھوں تمھاری دلھن
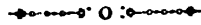
مجھے جیتے جی پیت کا پھل یہ ملا
مرے جی کو یہ آگ لگا ھی گئی
مجھے پیار کی ریت کا پھل یہ ملا
مرے تن کو یہ آگ جلا ھی گئی
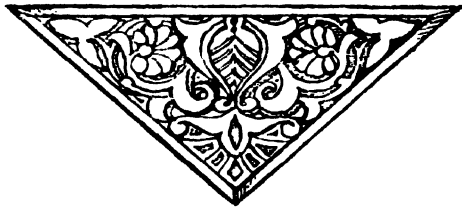
ذوق کی غزل گوئی پر تبصرہ

ذوق پانچویں دور کا شاعر ہے۔ سنہ ۱۲۰۴ ہجری میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۲۷۱ ہجری میں وفات پائی۔ اس دور میں لکھنؤ کے مشہور شاعر ناسخ اور آتش اور دہلی کے مشہور شاعر نصیر، مومن اور غالب تھے۔ ذوق مصنف "آب حیات" کا اُستاد تھا۔ انہوں نے اپنے اُستاد کو شاعری کے لحاظ سے آسمان پر چڑھا دیا ہے۔ ان کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان کے قدیم شعرا میں کوئی ذوق کا جواب نہ تھا اور متاخرین میں بھی کوئی شاعر اُس سے ہمسری نہیں کرسکتا۔ مصنف ممدوح کے نزدیک اردو شاعری کا ذوق پر خاتمہ ہوگیا ہے۔ مگر زمانۂ حال میں جو نکتہ چینی اور تنقید کا زمانہ ہے، کسی مصنف کی راے بغیر دلیل کے تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ذوق کی شاعری پر غور و امعان کی نظر ڈالی جاے اور دیکھا جاے کہ فی الحقیقت ذوق کی شاعری کس رتبہ کی ہے اور اُردو شعرا میں وہ کس درجے پر ہے—

ذوق کی شاعری غزل اور قصیدہ میں منحصر ہے۔ اگرچہ ایک آدہ مثنوی اور کچھہ رباعیاں اور قطعات بھی لکھے ہیں۔ مگر یہ سب کچھہ نظرانداز کرنے کے قابل ہے۔ اس بنا پر ہم اول ذوق کی غزل گوئی پر ایک نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔ پھر اگر موقع ملا، تو اُس کی قصیدہ گوئی پر بھی تبصرہ لکھیں گے—

غزل

غزل جس میں عام طور سے عاشقانہ مضامیں باندھے جاتے ھیں اپنی صورت اور مادہ کے لحاظ سے اهل ایران کی ایجاد ھے-عرب جو عاشقانہ جذبات نظم میں ادا کرتے تھے ' اُس کو وہ غزل نہیں بلکہ نسیب کہتے تھے-مگر اُس کی صورت وھی تھی جو قصیدہ کی ھے اور اُس میں جو خیالات بیان کیے جاتے تھے وہ غیر مربوط نہیں بلکہ مسلسل اور مربوط ھوتے تھے-غزل کی جو خاص شکل ایرانیوں نے اختیار کی جس میں اکثر ھر شعر ایک مستقل مضمون رکھتا ھے اور ایک شعر کو دوسرے شعر سے تعلق نہیں ھوتا' بجز ایران کے اور کسی ملک میں نہیں پائی جاتی-اُردو میں البتہ اس شکل کی تقلید کی گئی ھے---

ایران کی غزل گوئی | ایران میں رودکی سے پہلے جس کی وفات سنہ ۳۰۴ھجری میں ھوئی' غزل کا نشان نہیں ملتا-ایران کے غزل گو شاعروں نے وقتاً فوقتاً مختلف پیرایے ایجاد کئے ھیں اور خاص خاص مضامین پر غزل گوئی میں توجہ کی ھے-ذیل کی مختصر سی فہرست سے اس امر کا کچھ اندازہ ھو سکے گا—

رودکی:- فطری انداز تھا-سادگی اور صفائی مد نظر تھی—

اوحدی:- غزل کو جذبات سے بھر دیا—

خواجہ فریدالدین عطار، مولانا روم، عراقی، مغربی، شمس تبریز } ان کی غزلیں مضامین تصوف سے لبریز ھیں-روحانی جذبات لفظ لفظ سے اُبل رھے ھیں —

سعدی
خسرو
حسن
} زبان کی سلاست اور اداے خیالات کی روانی قابل داد ہے

سلمان
خواجو
} ان دونوں شاعروں نے بھی تصوف کے مضامین باندھے مگر یہ محض نقالی تھی —

حافظ:- غزل کو کہاں پر پہنچایا - اُس کے خصوصیات حسب ذیل ہیں —

(۱) حسن بیان کے ساتھہ بیان کا پیرایہ ایسا اختیار کیا کہ اس سے آگے اب کوئی نہیں بڑھ سکتا —

(۲) غزل کے مضامین عام طور سے یہ ہیں - قناعت، گوشہ نشینی، ترک دنیا، واعظوں کی پردہ دری، رندی و مستی وغیرہ

(۳) اخلاق اور فلسفہ کے خیالات رنگین اور لطیف انداز میں بیان کئے —

حافظ نے غزل گوئی کو اس بلندی پر پہنچایا کہ اُس کے بعد (۱۵۰) برس تک شاعری ساکن رہی اور اُس میں کوئی تغیر نہ ہو سکا - کوئی شاعر حافظ کی تقلید نہ کر سکا - مجبوراً شعرا نے دوسرا رستہ نکالا - بابا فغانی پیدا ہوے اور انہوں نے اُن تمام خیالات کو جن کو اُن سے پہلے دیگر شاعروں نے صفائی، سادگی اور خوشنمائی کے ساتھہ بیان کیا تھا ایچ پیچ کے ساتھہ بیان کرنا شروع کیا - نئی نئی تشبیہیں اور استعارے پیدا کئے - وسیع مضامین کو مختصر الفاظ میں ادا کیا - 'فغانی' کے سلسلہ میں 'عرفی' اور 'نظیری' اور 'فیضی' نے خاص شہرت حاصل کی - ان کی شاعری میں فلسفیت کی جھلک پائی جاتی ہے - مگر یکایک ایک اور شاعر منظر عام پر آیا، جس کو شرت جہاں، کہتے ہیں - اس نے معاملہ بندی پر غزل کی بنیاد رکھی، یہ انداز بہت مقبول ہوا —

میلی وئی دشت بیاضی وحشی یزدی	ان تینوں شاعروں نے شرف جہاں کی تقلید کی اور معاملہ بندی کو کمال پر پہنچایا - رندانہ اور عاشقانہ رنگ کی داد دی —

اس کے بعد فغانی کے سلسلہ میں خیال بندی شروع ہوئی —

جلال اسیر بیدل واقف نورالعین ناصرعلی سرھندی غنیمت	یہ سب خیال بند شاعر ھیں - بیدل نے اس طرز کو حد کمال تک پہنچایا —

غزل گوئی میں صایب کا انداز سب سے نرالا ھے - اُس نے اپنی غزل گوئی کی بنیاد تمثیل پر رکھی ھے - اُس کی مثالیہ شاعری نے اُس زمانہ میں بہت شہرت پائی - غنی کشمیری نے اس طرز میں خاص کمال دکھایا —

یہ تمام اسلوب بیان جو ایران کے غزل گو شاعروں نے نکالے اپنے اپنے زمانے میں سب مقبول رھے ھیں - مگر زندہ رھنے کی قابلیت صرف اُسی طرز میں تھی جس میں داخلی شاعری کا لحاظ رکھا گیا تھا - چنانچہ جن شاعروں نے تصوف کے خیالات بطور واردات قلبی کے بیان کئے ھیں' یا معاملہ بندی کی ھے یا اپنے رندانہ جذبات کی مصوری کی ھے' یا اپنے بلند خیالات فلسفیانہ رنگ میں ادا کئے ھیں اُن کا کلام آج تک زندہ ھے - وہ شاعر اور اُن کی شاعریاں مرگئیں جنھوں نے داخلی شاعری کا لحاظ نہیں رکھا - اس سے صاف نتیجہ نکلتا ھے کہ غزل قدرتی طور سے داخلی شاعری کے لئے موزوں ھے - اگر اُس میں خارجی مضامین بیان کئے جائیں تو وہ زندہ نہیں رہ سکتی - یہی وہ معیار ھے جس سے غزل گو شاعروں کی شاعری جانچنا اور پرکھنا چاھئے —

اُردو میں غزل گوئی | اردو زبان کے غزل گویوں نے ایران کے غزل گویوں کی قدم بقدم پیروی کی ھے - اُن میں غزل گوئی کے وہ سب انداز بیان پائے جاتے ھیں جو ایران میں شایع ہوچکے ھیں - مثلاً میر اپنے

واردات قلبی و جذبات اندرونی کی تصویر کھینچتا ہے اور اس رنگ میں اُس کا کوئی جواب نہیں۔اسی بنا پر اُسے سب نے اُستاد مانا ہے۔درد نے تصوف کے مضامین بطور اپنے واردات باطنی کے بیان کئے ہیں۔اس لئے وہ بھی مقبول ہوا اور اُس کی شاعری بھی آج تک زندہ ہے۔"سودا" نے غزل گوئی میں داخلی شاعری کے ساتھ خارجی شاعری کو بھی شامل کرلیا ہے'اس لئے "میر" کی غزل کے سامنے اُس کی غزل زیادہ مقبول نہ ہوسکی۔جرأت نے معاملہ بندی اختیار کی۔حال میں داغ نے اس رنگ کو ترقی دی۔اس بنا پر دونوں کی شاعری مقبول ہوئی۔

ناسخ نے اپنی غزل گوئی کی بنیاد خارجی مضامین پر رکھی اور صائب کی مثالیہ شاعری کی پیروی کی۔اس لئے وہ مقبول نہ ہوسکی۔آتش نے باطنی خیالات کی جھلک جس قدر دکھائی ہے اُسی قدر اس کے کلام کو قبول عام نصیب ہوا۔لکھنؤ کے شعرا میں رند نے سب سے زیادہ اس کا لحاظ رکھا اس لئے اس کی شاعری کی بہت شہرت ہوئی۔انشا نے مسخرے پن اور بیہودہ روی میں اپنی شاعری کو برباد کیا۔دھلی کے شعرا کا عام میلان غزل گوئی میں داخلی شاعری کی طرف رہا ہے۔چنانچہ پانچویں دور میں مومن اور غالب نے اس شاعری میں خاص کمال دکھایا۔مومن رقابت اور معاملہ بندی کی طرف راغب ہے اُس کی طرز میں محذوفات کے سبب اکثر گنجلک پیدا ہو جاتی ہے اور سننے والے اس کے کلام کا مطلب سمجھنے میں اُلجھنے لگتے ہیں۔مگر جہاں وہ صفائی کے انداز پر آتا ہے کمال کر دکھاتا ہے۔غالب کا قدیم انداز وہ ہے جو فارسی میں خیال بند شعرا کا رہا ہے۔مگر بعد کا انداز جو صاف ہے اُس میں گہرا فلسفیانہ رنگ ہے اور غالب نے اپنے ہی بلند خیالات کا چربہ اُتارا ہے۔یہ حصۂ کلام کبھی مر نہیں سکتا۔ذاق اور نصیر نے بر خلاف دھلی کے شعرا کے سنگلاخ زمینوں پر توجہ کی اور خارجی مضامین سے اپنی

غزلوں کو بھر دیا ھے اس لئے ان کی شاعری میں زندہ رھنے کی قابلیت نہیں ھے۔ ذوق کے ھاں داخلی شاعری کے مضامین بھی جستہ جستہ پے جاتے ھیں۔ مگر غالب رنگ خارجی شاعری کا ھے۔ ناسخ کا دیوان اُسی زمانے میں دھلی پہنچا تھا اور اُس کی شہرت تھی غالباً ذوق کو ناسخ کے تتبع کا خیال پیدا ھوا اور اسی سبب وہ دھلی کے شعرا کے عام طریقہ سے ھٹ گیا۔ اب ھم ذوق کی غزل گوئی پر خاص نظر ڈالتے ھیں اور اُس کے متعلق خاص باتیں بیان کرتے ھیں۔

ذوق کی غزل گوئی

(۱) عام قاعدہ ھے کہ جب غزل گو شعرا شعر کہتے ھیں تو پہلے شعر کا وہ مصرع اُن کے خیال میں آتا ھے جس میں قافیہ یا قافیہ کے ساتھ ردیف بھی ھو۔ ذوق کی غزل گوئی کا عام دستور یہ ھے کہ اگر قافیہ و ردیف میں کوئی فعلی جزو ھو تو اُس فعل کے ساتھ مختلف الفاظ ملانے سے جتنے محاورے پیدا ھوسکتے ھیں وہ حتی الامکان اُن تمام محاوروں کو باندہ جاتا ھے — مثلاً

ایک غزل کی زمین ھے:۔ قدم اُٹھ نہیں سکتا۔ قلم اُٹھ نہیں سکتا۔ اس میں ذوق نے حسب ذیل محاورات باندہ دیے ھیں۔ ستم اُٹھنا۔ حرف اُٹھنا۔ پردہ اُٹھنا۔ فایدہ اُٹھنا —

ایک غزل کی ردیف ھے۔ بجھا ھوا۔ اس میں بجھا ھوا پانی۔ دل بجھنا۔ زھر میں بجھا ھوا نیمچہ۔ بندوق کا بجھا ھوا توڑا وغیرہ محاورات باندھے ھیں —

ایک غزل ھے نادان چڑھا۔ ایمان چڑھا۔ اس میں یہ محاورے کھپائے ھیں۔ شیطان سر پر چڑھنا۔ ڈھب پر چڑھنا۔ قابو پر چڑھنا۔ گھوڑے کا زمین چڑھنا۔ باو کے یا ھوا کے گھوڑے پر چڑھنا۔ سونا چڑھنا۔ کسی کے منہ پر چڑھنا۔ چلہ چڑھانا۔ دھیان پر چڑھنا۔ نظر چڑھنا۔ قبر پر چڑھاوا چھڑھانا —

ایک غزل کی ردیف ھے۔ باندھا۔ اس میں حسب ذیل محاورے لائے گئے

ہیں طلسم باندھنا-عقدہ باندھنا-بہتان باندھنا-آشیاں باندھنا-تار باندھنا-گالیوں کا جہاز باندھنا-قبر پر چلہ باندھنا-چکر باندھنا-حصار باندھنا-سر سے کفن باندھنا —

ایک غزل کی زمین ہے-جوھر کو توڑ دوں-کفر کو توڑ دوں-اس میں غرہ توڑنا-کسی کو کسی سے توڑنا-ھمت توڑنا-لنگر توڑنا-وغیرہ محاورے باندھے گئے ہیں —

ایک غزل میں جس کی ردیف "چلے" ہے ناشتہ چلنا-گلے پر خنجر چلنا-نبض چلنا-تیر چلنا محاورے باندھے ہیں —

ایک غزل کی ردیف ہے "لگی ہوئی" اس میں یہ محاورے باندھے گئے ہیں-کان لگنا-بال برابر لاگ نہ رکھنا-منہ پر مہر لگنا-چوٹ لگنا-تپ لگنا-پھانس لگنا-ٹوری لگنا-آنکھ لگنا-دل سے کسی کی یاد لگنا-منہ لگنا —

دو غزلیں ہیں جن کی ردیف ہے "مارا" مگر قافیے دونوں کے مختلف ہیں-ان غزلوں میں ذیل کے محاورے لائے گئے ہیں-آپ کو مارنا-پارہ کو مارنا-نفس کو مارنا-ھاتھ پر ھاتھ مارنا-قہقہہ مرنا-پانی میں غوطہ مارنا-سجدہ میں سر مارنا-بغل میں مارنا-اپنے ھی بل میں مارا جانا-زہر مارنا-غرض کہ ایسی غزلوں میں جن کی زمین میں کوئی فعل ہو یا کسی فعل کا کوئی مشتق ہو-ذوق کی کوشش ھمیشہ یہ رہتی ہے کہ اُس فعل کے ساتھ مختلف الفاظ کے ملانے سے جو محاورے پیدا ہوے ہیں اُن سب کو یا اُن میں سے اکثر کو باندھ دیا جاے-اگر ظفر کے چاروں دیوان کھول کر دیکھے جائیں تو اُن میں بھی یہی انداز برابر پایا جاتا ہے-اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ذوق اور ظفر دونوں کا میلان خاطر اس طرف تھا کہ زبان کے عام محاورات شاعری میں روشناس کئے جائیں-خیالات کی جدت یا بلندی کے طرف کوئی توجہ نہ تھی —

اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ عام زبان کے اکثر محاورے شاعری میں

سما گئے - مگر نفس شاعری کو کوئی ترقی نہیں ہوئی - برخلاف اس کے غالب یا مومن خیالات کی طرف متوجہ ہیں - وہ اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ خیالات عام بول چال میں ادا کئے جائیں - یا اُن کے لئے نئی ترکیبیں ایجاد کرنی پڑیں - بلکہ غالب تو عام طور پر زبان کے عام محاوروں سے اپنا دامن بچاتے ہیں - یہی سبب ہے کہ شاعری کی دنیا میں غالب کے تخیل نے بہت وسعت پیدا کردی ہے - برخلاف اس کے ذوق نے شاعرانہ تخیل کی جولان گاہ کو وسیع کرنے میں کوئی مدد نہیں دی —

(۲) اُن غزلوں میں بھی جن کی ردیف و قافیہ میں کوئی فعلی جز نہیں ہے ذوق کا میلان اس بات کی طرف ہے کہ عام بول چال کو شاعری سے روشناس کیا جاے - مثلاً ذیل کے مصرعوں کو ملاحظہ کیجئے —

جس طرح پانی کوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا

دیجے اک جام تو ہے یار ابھی یاروں کا

اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا

پہن کر جامہ بھی وہ آے اگر قرآں کا

کرتی ہے قصد تتّی کے اوجھل شکار کا

ارے احسان مانوں سر سے میں تنکا اُتارے کا

کبھی جو مجھ سے کرے تو پیے لہو میرا

یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

کس وقت مرا مونھہ کو کلیجا نہیں آتا

وہ کافر ہے ساری خدائی کا جھوٹا

کیا ڈیڑہ چلو پانی میں ایمان بہ گیا

چلتی گاڑی میں دیا عشق نے روڑا اٹکا

وہ ساری شیخی اُن کی جھڑی دو گھڑی کے بعد

تم چھری پھیر بھی دو نام خدا کا لیکر
میں کہوں میں تو کہے میں کی چھری گردن پر
جیتے ہی جی کہتے ہیں صورت تری دُرگور دور
ابھی چھاتی مری تیروں سے چھلنی خوب نہیں
کہ چپکا بیٹھہ رہوں بھر کے گھنگنیاں منہ میں
آج کس شخص کا منہ دیکھہ کے ہم اٹھے ہیں
اے جنوں تونے تو کانٹوں میں گھسیٹا ہم کو
ایک مدت سے اسی ٹپکے کا ڈر تھا ہم کو
دے گا تمام عقل کے بخیے اُدھیڑ تو
جب سے تو پاس نہیں دوڑے ہے گھر کاٹنے کو
اور نہیں گر مانتے تو جاؤ کالا منہ کرو
تیری نگہ نے صاف کیا گھر کے گھر پہ ہاتھہ
سلوک سینے سے بھی کچھہ تو کرلے چلتے ہاتھہ
ایمان کی کہینگے ایمان ہے تو سب کچھہ
تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے
جنوں یہ پیشتر کیسے کہیں ڈوبے کہیں نکلے
تم پاتے ہو ہم کو تو چھری کو نہیں پاتے
پہلے ہی ان کو میری طرف سے پڑھا چکے
ہم قلندر ہیں نہیں کوڑی کفن کے واسطے
چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے
تو پھر بلا کو غرض ہے کوئی بلا میں پڑے
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی
طفل مکتب رہتے ہیں گنبد میں بسم اللہ کے

دوزخ بھی ھو تو ان کی چلموں پہ آگ رکھے
جو برق دیکھے توفی النار والسقر ھو جاے
ابھی تو مال جو کھوں ھے پھر آگے جان جوکھوں ھے

بیان کے اس انداز کا مطلب یہ ھے کہ بول چال کی زبان شاعری کی دنیامیں روشناس ھو-پہلی قسم اور دوسری قسم کے اشعار محاورہ اور بول چال کی سند میں لغت نویسوں کے کام خوب آسکتے ھیں-اس انداز کا اختیار کرنے والا بھی جب اس کا مقصد عام بول چال استعمال کرنا ھو خیالات کی جدت دور تخیل کی بلندی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا-اس انداز سے بھی شاعری کے میدان میں کوئی وسعت پیدا نہیں ھو سکتی—

(۳) عام زبان میں جو کہاوتیں مستعمل ھیں ان کا بے تکلیف باندھ دینا بھی ایک مقصد ذوق کی شاعری کا ھے-مثلاً ذیل کے مصرعے ملاحظہ ھوں—

دل نہ کر جلدی کہ جلدی کام ھے شیطان کا
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ھی رھا
سچ کہا ھے باڑھہ کاٹے نام ھو تلوار کا
بد گماں وھم کی دارو نہیں لقمان کے پاس
چپ کہ منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں
یہ سچ کہتے ھیں سر چڑہ بولے جادو اِس کو کہتے ھیں
برات عاشقاں بر شاخ آھو اس کو کہتے ھیں
صدا طوطی کی سنتا کون ھے نقار خانے میں
ھنسئے دو چارہ کرو ھنستے ھی گھر بستے ھیں
تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو
زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو
کہ اِس میں آیا تو روزی ھے اور نہیں روزہ

مرا عشق کم خرچ بالا نشیں هے
خدا کی گر نهیں چوری تو پهر بندے کی کیا چوری
هے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے
وهی مثل هے پهول نهیں پنکهڑی سهی
مردہ بدست زندہ جو چاهیے سو کیجے
دهان و گیسو کا تیرے مارا نه منه سے بولے نه سر سے کهیلے
گڑ دیے سے جو مرے تو دے نہ اُس کو زهر دیکهه
تری آواز مکے اور مدینے
وہ مثل هے ناؤ یہ کس نے ڈبوئی خضر نے

ظاهر هے که مثلیں کلام میں لانے سے بهی زبان دانی کے شائقین کو تو فایدہ پهنچ سکتا هے۔ مگر جو لوگ شاعری کے جویا هیں اُن کی پیاس ایسے کلام سے نهیں بجهتی —

(۴) عام لوگوں کے اوهام و مزعومات، عقاید و رسوم سے واقف هونا بهی زباندانی کے لئے مفید هے - گو که شاعری کو اُس سے چندان فائدہ نهیں پهنچتا جب تک که شاعر اپنے اعلیٰ تخیل کو اس سانچے میں نه ڈهالے - ذوق نے اپنی شاعری میں ایسے خیالات کو بهی باندهنے کی کوشش کی هے۔ مثال کے لئے ذیل کے اشعار پر غور کرو —

موت اُس کو یاد کرتی هے خدا جانے که گور
یوں ترا بیمار غم جو هچکیاں لینے لگا
مجهکو صدقے کر اگر هے بد مزہ تیرا مزاج
یہ اِدهر صدقہ دیا تونے اُدهر اچها هوا
ڈهلکتا هے مثال دانۂ تسبیح کیوں منکا
که جب ٹهیرا سفر دنیا سے کیا کام استعاوے کا

عشق کے مکتب میں ہو فرہاد سب سے تیز ذہن
تین دن چاٹے اگر تعویذ میری گور کا

یہ بہتاں کس نے افشائے محبت کا یہاں باندھا
جو بعد از مرگ میرے مونہہ کو تو نے بد گماں باندھا

وہ ہوں نا کام سمجھا نا مرادی جو مراد آئی
مرے مرقد پہ چلہ اُس نے آکر دوستاں باندھا

کہاں دل بھاگ کر جائے کہ تیرے نخل قامت سے
عجب اک گرد نامہ خط نے اے سرو رواں باندھا

تپ سوز محبت کے لئے چارہ نہیں قمری
یہ گنڈا نیلگوں گردن پہ کیوں اے تفتہ جاں باندھا

یاں تک عدو زمانہ ہے مرد دلیر کا
جھلسے ہیں مونہہ شکار کیے پر بھی شیر کا

جس کے سبب لڑائی ہو وہ آدمی نہیں
کانٹا ہے گھر میں ساھی کا یا گل کنیر کا

جاں ہوا یوں ہوئی اُس خال کا بوسا لیکر
جیسے اُڑجائے دھن میں کوئی گنکا لیکر

برنگ بیضۂ نو روز توڑے دل اس نے
ہزاروں۔ایک ہمارا ہے کس قطار میں دل

دیوانہ ہوں تیرا مجھے کیا کام کہ لوں گل
زیبایش سر کو ہے مرے داغ جنوں گل

اُس گل میں نہ پایا اثر بوے محبت
سو بار سنگھائے اُسے پڑہ پڑہ کے فسوں گل

تشنۂ دشت محبت کے لئے اُس لب سے

کوئی دنیا میں عقیق یمنی خوب نہیں
چشمۂ آئینہ میں کب تر ہوا پاے نگاہ

اس طرح جاتے ہیں دیکھا پاکدامن آب میں
وعدہ ہے آنے کا اس کے ابر کھل جاے تو آئے

ڈالتا ہوں دمبدم اُٹھہ اُٹھہ کے روغن آب میں
وہ جنازے پر مرے کس وقت آئے دیکھنا

جبکہ اذن عام میرے اقربا لینے کو ہیں
جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدۂ نم اُٹھے ہیں

آج کس شخص کا موُنھہ دیکھکے ہم اُٹھے ہیں
ہم گئے جس کی طرف جوں گل بازی اُس نے

پاس آنے نہ دیا دور سے پھینکا ہم کو
سنگ دل تین دن اب گور میں بھی بھاری ہیں

ہے سوم میں ترے آنے کا جو دھڑکا ہم کو
جتنا ہے نمک تم مرے زخموں میں کھپاؤ

پلکوں سے اُٹھاؤ گے نہ ہاتھوں سے گراؤ
زلف کی قمچی سے دل ڈرتا نہیں

بھوت بھاگے ہے وگرنہ مار سے
کھاؤں میں بیڑا جو اُس بن کیوں کہ دل ٹکڑے نہ ہو

جو رگ پان ہے وہ مجھکو شیر کا سابان ہے
دل کو رکھدوں اُس دم شمشیر پر گر ڈھب بنے

تا یہ قربانی صراط عشق پر مرکب بنے
موذیوں کو حق نہ دے آنکھیں کہ تا لاویں بلا

عین حکمت تھی کہ معدوم البصر عقرب بنے

واہ وا شور محبت خوب ھی چھڑکا نمک
استخواں میرے ھما کس کس مزے سے کھاے ھے
دنبالہ سے جو سرمہ کے دانہ ھے خال کا
گویا کہ دست چشم فسونگر میں ماش ھے
بلا سے گرد انیاں کا سا نہیں ھے پاس اپنے فال نامہ
ھم اپنے نقطوں سے داغ دل ھی کے فال دولت نہ دیکھہ لینگے
عدوے نیش زن کے گھر سے میرا مہ جبیں نکلے
الہی برج عقرب سے قمر جلدی کہیں نکلے
چھلا نہیں تو چھلے کا گل اے نگار دے
کچھہ تو نشانی اپنی مجھے یادگار دے
ذوق کہتا تھا کروں گا جمعہ کو حب کا عمل
کوئی اُس کو یاد دلوائے ھوا وہ دن گرے
گردرد ھے کھونا دل مضطر سے کسی کے
پانی دو پلا وار کے سر پر سے کسی کے
ذکر کچھہ چاک جگر سینے کا سن سن اپنے
کر کے میں ضبط ھنسی دیکھوں ھوں ناخن اپنے
تسا ھو کالے نے جس کو کافر تو وہ فسوں کے اثر سے کھیلے
دھاں وگیسو کا تیرے مارا نہ مونھہ سے بولے نہ سر سے کھیلے

(۵) سنگلاخ زمینوں میں غزل لکھنے کی بنیاد اگرچہ ولی کے زمانہ سے پڑچکی ھے اور سودا نے ایسی زمینوں میں غزلیں لکھی ھیں۔ مگر لکھنؤ میں مصحفی اور انشا نے اور دلی میں نصیر اور ذوق نے اس روش کو خاص طور سے اختیار کیا تھا۔ سنگلاخ زمین میں ردیف ایسی رکھی جاتی ھے کہ قافیہ سے اس کا جوڑ ملانا مشکل ھو جائے۔ اگر شاعری میں خیالات کا

روانی سے ادا کرنا مقصود ہو - جیسا کہ فی الحقیقت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ کوئی خیال ایسی زمین میں بے تکلفی اور روانی سے ادا نہیں ہو سکتا - یورپ میں لمبی لمبی نظموں کے لئے قافیہ کی قید اُٹھا دی گئی ہے تا کہ خیالات برجستگی اور آسانی سے ادا ہو سکیں - ہمارے ہاں قافیہ کی قید لازمی ہے - اس پر طرہ یہ کہ اگر قافیہ کے ساتھہ ردیف بھی ہو تو ایسی زمینیں بہت پسند کی جاتی ہیں - سنگلاخ زمینیں اختیار کرنے والوں نے اس پر اور ستم ڈھایا کہ ردیفیں ایسی پسند کیں جن کے ساتھہ قافیے مشکل سے جڑ سکیں - ظاہر ہے کہ اس لزوم مالا یلزم میں شاعری کی طبیعت کس قدر رک جاتی ہے اور ... ان خیالات و جذبات کو ادا کرنا چاہے اُن کے ادا کرنے میں اُس کو کتنی دشواری پیش آتی ہے - عام طور پر ایسی زمینیں اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ شاعری تک بندی کا نام ہو گیا ہے اور غزل گوئی اپنے مقصد سے کوسوں دور ہٹ گئی ہے - نصیر کے دیکھا دیکھی ذوق نے بھی سنگلاخ زمینوں میں اکثر طبع آزمائی کی ہے - دیوان ذوق میں جو سنگلاخ زمینیں ہیں اُن کی مختصر سی فہرست اس موقع پر دی جاتی ہے —

گدائی کا جھوٹا - رسائی کا جھوٹا	منزل میں لوٹتا - منزل میں لوٹتا
پتھر زیر پا - اختر زیر پا	جرس جام شراب - عسس جام شراب
بے قرار پشت - داغ دار پشت	دھن کی شاخ - کفن کی شاخ
جھڑی دو گھڑی کے بعد - لڑی دو گھڑی کے بعد	صف چاند - پورا چاند
شکن کا کاغذ - کفن کا کاغذ	نظر چڑھکر - فتنہ گر چڑھکر

باغ سے دور اور شکستہ پر - چراغ سے دور اور شکستہ پر

تیروں کے پر - پیروں کے پر

قام میں خاص - عام میں خاص	گواہی مقراض - سیاہی مقراض

بلائیں سر سے پاؤں تک - ادائیں سر سے پاؤں تک

نور کی قندیل - طور کی قندیل

چھلی خوب نہیں - کلی خوب نہیں	گلشن آب میں - گردن آب میں
ساغر کو توڑ دوں - نشتر کو توڑ دوں	فغاں مونھہ میں - زباں مونھہ میں
کفن کی فکر میں - چمن کی فکر میں	سر کاٹنے کو - گھر کاٹنے کو
ستم اور زیادہ - قلم اور زیادہ	سحر پہ ہاتھہ - نظر پہ ہاتھہ
چلتے ہاتھہ - ملتے ہاتھہ	صورت پرست ہے - جنت پرست ہے
اکثر لشکر ہے - لشکر لشکر ہے	خار دامن سے - گلزار دامن سے
قفس کے بوجھہ سے - نفس کے بوجھہ سے	دلبر میں گھر کرے - عنبر میں گھر کرے
جلاد غضب ہے - ایجاد غضب ہے	ستاروں سے توکھیئے - شراروں سے توکھیئے
مینا بھر کے - سفینا بھر کے	محمل آگے - منزل آگے
خوار لیئے پھرتی ہے - بازار لیئے پھرتی ہے	گلشن کو لگے - گردن کو لگے

دل سے کھینچے جائینگے - بسمل سے کھینچے جائینگے

ازل میں مارا - بغل میں مارا

(۲) وہ زمینیں جن میں کوئی فعلی جز ہو اُن میں ذوق کی نسبت ہم بیان کرچکے ہیں کہ اُس کا دماغ اُن محاوروں کی طرف جاتا ہے جو فعل کے ساتھہ خاص الفاظ کے ملانے سے پیدا ہوتے ہیں - سنگلاخ زمینوں میں بڑا کمال وہ اس بات میں سمجھتا ہے کہ ردیف کے ساتھہ قافیہ کو جوڑ دے اور دونوں میں ربط پیدا کردے - اب رہیں وہ زمینیں جو نہ تو سنگلاخ ہیں اور نہ اُن میں کوئی فعلی جز ہے اُن میں ذوق کا دماغ کس طرح مضمون پیدا کرتا ہے - یہ بات ابھی بحث طلب ہے —

اس امر کا اندازہ کرنے کے لئے ذوق اور غالب دونوں کے دیوان سامنے رکھیے - ایک ہی زمین کی غزلیں دونوں دیوانوں میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں - جن

غزلوں میں (کا) یا (میں) یا (کو) یا (سے) جیسی چھوٹی ردیفیں ہیں ان میں شاعر کو قافیہ ہی پر طبع آزمائی کرنی پڑتی ہے چونکہ ردیف لمبی نہیں ہے اور ردیف سے کوئی مدد شاعر کو خیال دوڑانے میں نہیں مل سکتی اس لئے رفتار خیال میں ہر شاعر کا دماغ آزاد ہے - پھر جس کا جو میلان طبع ہے وہ ایسی زمینوں میں صاف نمایاں ہو جاتا ہے —

مثلاً غالب کی ایک غزل میں جس کی ردیف (کا) ہے دربان - زندان وغیرہ قافیے اختیار کئے گئے ہیں اس زمین میں غالب کو نسیان کا قافیہ باندھنا منظور تھا - نسیان سے طاق نسیان کی طرف خیال گیا - اگر اس کے بعد ردیف (پر) ہوتی تو غالب آسانی سے کسی چیز کو طاق نسیان پر رکھکر بھول جاتے - مگر یہاں ردیف (کا) ہے - طاق نے گلدستہ کا لفظ فوراً سجھایا اور ایک نیا خیال ہاتھ آیا - مگر وہ کیا چیز ہے جو طاق نسیان میں گلدستہ بنا کر رکھی جائے غالب اپنی بلند خیالی سے جنت کا وجود ضروری نہیں سمجھتے - بلکہ اُس کو خدا کی خالص اور بے ریا عبادت میں خلل انداز جانتے ہیں جب گلدستہ سے جنت کی طرف خیال گیا تو غالب کو موقع مل گیا کہ وہ جنت کی نسبت اپنے بلند خیال کو ظاہر کریں - مگر جنت کا لفظ اس مصرع میں کھپ نہیں سکتا - گلدستہ اور طاق نسیاں کے الفاظ نے بہت جگہ گھیر لی ہے - مجبوراً اس لفظ کو پہلے مصرع کے لیئے رکھہ چھوڑا - اس طرح دوسرا مصرع جو تیار ہوا وہ یہ تھا "وہ ایک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاق نسیاں کا -" بیخودوں" کے لفظ نے اس مصرع کے مضمون کو اور جھلکا دیا - اب پہلے مصرع کی تلاش ہوئی جنت کے لیئے باغ رضواں کا لفظ فوراً خیال میں آگیا - گویا مطلع کا سامان ہو گیا - جنت کے موقع پر زاہد کا خیال آنا بھی ضروری ہے - زاہد کا نصب العین خدا نہیں ہے بلکہ خود جنت ہے اس لئے وہ جنت کا مداح رہتا ہے - اب پہلے مصرع کے تیار ہونے میں کیا دیر تھی - " ستائشگیر ہے زاہد اسقدر جس باغ رضواں کا" یعنی غزل کا مطلع تیار ہو گیا، جس میں

فلسفۂ عبادت کے متعلق ایک گہرا خیال نہایت دلکش الفاظ میں ادا کیا گیا ہے —

اب ذوق کے لیجیئے۔ اُس کی ایک غزل کی زمین ہے ایمان کا۔ سامان کا۔ اول شیطان کا قافیہ خیال میں آیا۔ اس قافیے سے فوراً اس کا ذہن عام لوگوں کے اس مقولے کی طرف گیا کہ "جلدی کرنا شیطان کا کام ہے"۔ دوسرا مصرع نہایت آسانی سے بن گیا کہ "دل نہ کر جلدی کر جلدی کام ہے شیطان کا" شیطان دشمن ایمان ہے اس لئے پہلے مصرع کے لیسے دشمن ایمان کا مناسب لفظ مل گیا۔ مگر دشمن ایمان اور کافر کے الفاظ سے شاعر محبوب کی ذات مراد لیتے ہیں اس لئے پہلا مصرع بھی آسانی سے تیار ہو گیا کہ "ہر نا عاشق سوچ کر اُس دشمن ایمان کا" مطلع کا مطلع بن گیا اور ایک عام خیال بھی بے تکلف ادا ہو گیا —

غالب کو اپنی غزل میں ایک قافیہ نیستان کا سوجھا۔ نے کے ساتھ ریشہ کا تعلق ہے اس لئے ریشہ نیستان کا یعنی مصرع کا ایک جز تیار ہو گیا۔ ریشہ سے خس کی طرف شاعر کا خیال دوڑا اور اس کے ساتھ ہی فارسی کے محاورہ خس بدنداں گرفتن (دانتوں میں تنکا لینا) تک ذہن کی رسائی ہوئی۔ اس طرح دوسرا مصرع یہ تیار ہوا۔ "لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستان کا" دانتوں میں تنکا لینا عاجزی اور مغلوبیت کی علامت ہے اور یہ نتیجہ حریف کے دبدبہ کا ہے۔ حریف مقابل معشوق کو قرار دیا۔ اب کسر اتنی باقی رہی کہ یہ حریف اپنے غلبہ سے کیا فایدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور مغلوب کو کس بات کا حکم دیتا ہے۔ نے کا تعلق نالہ و فریاد سے۔ اس سے غالب کا دماغ اس نتیجے پر پہنچا کہ معشوق عاشق کو فریاد سے روکنا چاہتا تھا۔ مگر عاشق بھی معمولی فطرت کا نہیں ہے۔ وہ کسی دباؤ کو قبول نہیں کرتا۔ اس لئے وہ فریاد سے نہیں رکا۔ بلکہ ہزاروں فریادوں کا سامان خود بخود پیدا ہو گیا۔ گویا دانتوں میں جو تنکا اظہار مغلوبیت کے لئے لیا گیا تھا وہ نیستان کا ریشہ بن گیا جس میں ہزاروں نے پیدا کرنے کی قابلیت ہے اورھرنے میں فریاد کی

صلاحیت ہے۔ اس طرح پہلا مصرع یہ تیار ہوا۔ "نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو" گویا اس شعر میں بھی غالب نے اپنے علو خیال اور خود داری کا ثبوت دیا —

ذوق کو اپنی غزل کی زمین میں ایک قافیہ "قرآن" سوجھا۔ ردیف (کا) تھی اس لئے اس کا ذہن فوراً قرآن کا جامہ پہن کر آنے کی طرف گیا جو ایک مشہور محاورہ ہے۔ دوسرا مصرع آسانی سے بن گیا "پہن کر جامہ بھی وہ آئے اگر قرآن کا" قرآن کا جامہ پہننے سے اظہار دینداری مراد ہے جو مکاری سے کیا جائے اور جو شخص ایسا ہو اُس کے رہزن ایمان ہونے میں کیا شک ہے۔ پہلے مصرع کے لئے یہ قافیہ جب خیال میں آیا تو گویا دوسرے مطلع کا سامان ہو گیا اور آسانی سے یہ پہلا مصرع بن گیا "جھوٹ ہی جانوں کلام اُس رہزن ایمان کا" یہاں بھی ذوق نے اپنا اُصول یعنی زبان کو خیال پر مقدم رکھنے کا ترک نہیں کیا —

غالب کو اپنی غزل میں ایک قافیہ سرو چراغاں سوجھا۔ چراغ اور داغ کی مشابہت شعرا میں مسلم ہے (کا) کی ردیف نے سرو کے لئے تخم کا لفظ سجھایا۔ دوسرا مصرع حسب ذیل تیار ہوا "مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا" داغ چراغ کے مشابہ سمجھا جاتا ہے۔ سرو چراغاں میں بہت سے چراغ ہوتے ہیں۔ تخم کے لفظ سے یہ خیال پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اس ایک چراغ میں ہزاروں چراغ بن جانے کی قابلیت ہے۔ یہاں غالب کو پھر موقع مل گیا کہ وہ اپنی اعلیٰ فطری قابلیت کی طرف اشارہ کرے۔ اب پہلے مصرع میں پورے جوش کے ساتھ اس دعوے کے اظہار میں کیا دیر تھی کہ "دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے" —

ذوق کے ذہن میں اپنی غزل کے لئے ایک قافیہ سامان کا آیا۔ اس سے فوراً اُس کو یاد آیا کہ فرعون بے سامان ایک مشہور محاورہ ہے۔ سامان کے تکرار سے

ایک نئے لطف کا اضافہ کر کے یہ مصرع تیار کر لیا کہ "دیکھ پھر سامان اس فرعون بے سامان کا" ظاہر ہے کہ یہ فرعون بے سامان انسان کے نفس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جو اس کے پاس ہی ہر وقت لگا رہتا ہے - مگر چوں کہ دوسرے مصرع میں اُس کو فرعون بے سامان کہنا ہے اس لئے پہلے مصرع میں خالی نفس کا لفظ لانا موزوں نہیں - کیوں کہ بے سامان ہونے کا ثبوت کیا ہے - اس بنا پر بے مقدور کی صفت اضافہ کی گئی اور مشکل آسان ہو گئی —

غالب کو اپنی غزل میں ایک قافیہ دہقان کا سوجھا - محنت کرنا اس کا روزانہ مشغلہ ہے - محنت کرنے سے خون گرم ہوتا ہے اس لئے خون گرم دہقاں کا ایک جز دوسرے مصرع کا تیار ہوگیا - خون کی سرخی اور چمک ذہن میں آتے ہی آنکھوں کے سامنے بجلی کوندنے لگی ساتھ ہی خیال آیا کہ بجلی اکثر خرمن پر گرا کرتی ہے - تخیل نے بلند پروازی کرکے یہ مصرع تیار کردیا - " ہیولا برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا -" اب غور سے دیکھا تو اس مصرع کا یہ مطلب نظر آیا کہ دہقان کو جس چیز سے کھیت کی سرسبزی اور آبادی مطلوب ہے وہی اس کے خرمن کو برباد کرنے کی قابلیت رکھتی ہے - اس موقع پر غالب کے دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا دنیا میں کوئی واقعہ ایسا ہے جہاں یہ تمثیل صادق آسکے - ذرا غور کرنے کے بعد غالب کے ذہن نے جواب دیا کہ دور کیوں جاؤ یہ واقعہ تو خود انسان کے اندر ہمیشہ ظاہر ہوتا رہتا ہے - حرارت غریزی جس پر مدار حیات ہے وہی آخر کار انسان کے فنا کا ذریعہ بن جاتی ہے بس کیا تھا ایک گہرا فلسفیانہ خیال اس پہلے مصرع نے پورا کردیا - "مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی" —

ذوق کو اپنی غزل کی زمین میں پان کا قافیہ سوجھا - کا) کے تعلق سے پان کا لاکھا ذہن میں آیا - لاکھے - کے ساتھ جمانے کا فعل محاورہ میں داخل ہے - بس پھر کیا تھا - دوسرا مصرع بنا بنایا مل گیا - " پھر جمایا اُس نے لعل لب پہ

لاکھا پان کا "-اس کا اثر ھوا-یہ بات پہلے مصرع میں بیان کرنی ھے-لعل لب اور پان کےلاکھے کے ساتھہ سرخی کااور سرخی سے خون کا خیال آنا ضروری تھا-لاکھے نے لاکھوں کا لفظ بھی فوراً ذھن کے سامنے پیش کردیا اس طرح پہلا مصرع بھی بے تکلف تیار ھوگیا -" دیکھنا اے ذوق ھوں گے آج پھر لاکھوں کے خون "—

ان چند مثالوں سے واضح ھوگیا کہ قافیہ سوجھنے کے ساتھہ ذوق کا خیال یاتو کسی محاورہ کی طرف جاتا ھے - یا تناسب الفاظ اور مشہور تشبیہوں کی طرف منتقل ھوتاھے اور اس طرح وہ کسی عام اور معمولی خیال کو بے تکلف اور آسانی سے ادا کر جاتا ھے - وہ دور جانا اور بلند اُڑنا پسند نہیں کرتا- نہ قلب کی گہرائی میں غوطہ لگا کر کسی نفسی واقعہ کا سراغ لگاتا ھے - حالانکہ غزل ایسے ھی مضامین کے لیے موزوں ھے - بر خلاف اس کے غالب کے خیال میں جب کوئی قافیہ آتا ھے تو وہ زبان اور محاورہ کے پہلوکو نظر انداز کردیتا ھے- وہ اپنے ھمعصر شاعروں کی فضائے خیال سے بہت اونچا اُڑنا چاھتا ھے اور کسی ایسی نفسی کیفیت کو شکار کرتا ھے جس پر عام لوگوں کی نظر کم پڑتی ھے- غرض کہ دونوں شاعروں کی دماغی رفتاروں کامقابلہ کرنے سے ھرایک کی شاعری کی حقیقت کھل جاتی ھے اور صاف نظر آتا ھے کہ ذوق شاعرانہ تخیل میں شاعر کی غالب کی گرد کو بھی نہیں پاسکتا—

(۷) نمبر (۶) میں غالب اور ذوق کا جومقابلہ کیا گیاھے اُس سے یہ بات بھی واضح ھوگئی ھے کہ عام طور سے غالب کس قسم کے مضامین اپنی شاعری میں باندھتا ھے اور ذوق کس قسم کے- تاھم یہاں نمونے کے طور پر ذوق کی ایک غزل کے مضامین نثر میں لکھے جاتے ھیں اس غزل کی زمین ھے :— لال ھے - حال ھے —

لوگ میرے زخم دل کے لیے مرھم کی کیوں تلاش کرتے ھیں اگر مشک مہنگا ھے تو کیا دنیا میں نمک کا بھی قحط ھے -

تیرا عاشق قبر میں بیقرار رھتا ھے - اس لیے اُس کے قبر کے

پتھر پر سورۂ زلزال لکھاھوا ھے-(یہ ایک قرآن کی ایک سورت ھے جس میں قیامت کے زلزلہ کا ذکر ھے)

ھم نے جانا تھا کہ تمھارے پاؤں کے تلوے میں تل ھے مگر اب معلوم ھوا کہ وہ کسی عاشق کے دل کا سویدا ھے جس کو تم نے پامال کر ڈالا ھے-(سویدا ایک سیاہ نقطہ ھے جو شاعروں کے نزدیک ھر انسان کے دل میں ھے)—

اگرچہ میری قبر پر بادل برسوں برس چکا ھے-تاھم میرے دل کی آگ نہیں بجھی- اب بھی میری قبر کی خاک رال کی طرح اُڑتی رھتی ھے—

میری آھوں کے دھوئیں سے زمانہ تاریک ھوگیا ھے یہاں تک کہ آسمان سورج ایسا نظر آتا ھے جیسے کسی زندگی کے سیاہ چہرہ پر سیاہ تل—

میں وہ دیوانہ ھوں کہ میری تصویر کے کاغذ کو لڑکے عیدی کا کاغذ سمجھکر خوش ھوتے ھیں—

جب سے کسی معشوق کی نکیلی پلکوں کا خیال میرے دل میں ھے میرے بدن پر جو بال ھے وہ بھڑ کا ڈنک بن کر چبھہ رھا ھے—

میں اس شدت سے رو رھا ھوں کہ آنسو پونچھنے کے لئے جو رومال مونھہ پر رکھتا ھوں وہ آب رواں کی چادر بن جاتا ھے—

اے فرھاد اگر دل پر عشق کے جلتے داغ ھوں تو اُن کے سامنے خسرو پرویز کے گنج سوختہ کی کیا حقیقت ھے داغ کو اشرفی سے تشبیہہ دیتے ھیں اور گنج سوختہ خسرو پرویز کے سات خزانوں میں سے ایک خزانے کا نام ھے -(خسرو اور فرھاد کی رقابت بھی مشھور ھے)—

اگر میں معشوق کی جدائی میں پان کا بیڑا کھاؤں تو پان کی رگ میرے حق میں شیر کا بال بن جاتی ھے (شیر کی مونچھہ کا بال کتر کر دشمن کو پان میں دیتے ھیں اور کہتے ھیں کہ اس سے جگر کٹ جاتا ھے)—

جو لوگ تمھاری زلف کے کشتہ ھیں اُن کی قبروں پر یا تو بید مجنوں کا

لاکھا پان کا "-اس کا اثر ہوا-یہ بات پہلے مصرع میں بیان کرنی ہے-لعل لب اور پان کےلاکھے کے ساتھہ سرخی کااور سرخی سے خون کا خیال آنا ضروری تھا- لاکھے نے لاکھوں کا لفظ بھی فوراً ذھن کے سامنے پیش کردیا اس طرح پہلا مصرع بھی بے تکلف تیار ہوگیا -" دیکھنا اے ذوق ہوں گے آج پھر لاکھوں کے خون "—

ان چند مثالوں سے واضح ہوگیا کہ قافیہ سوجھنے کے ساتھہ ذوق کا خیال یاتو کسی محاورہ کی طرف جاتا ہے - یا تناسب الفاظ اور مشہور تشبیہوں کی طرف منتقل ہوتاہے اور اس طرح وہ کسی عام اور معمولی خیال کو بے تکلف اور آسانی سے ادا کر جاتا ہے - وہ دور جانا اور بلند اُڑنا پسند نہیں کرتا۔ نہ قلب کی گہرائی میں غوطہ لگا کر کسی نفسی واقعہ کا سراغ لگاتا ہے - حالانکہ غزل ایسے ہی مضامین کے لیے موزوں ہے - بر خلاف اس کے غالب کے خیال میں جب کوئی قافیہ آتا ہے تو وہ زبان اور محاورہ کے پہلوکو نظر انداز کردیتا ہے- وہ اپنے ہمعصر شاعروں کی فضائے خیال سے بہت اونچا اُڑنا چاہتا ہے اور کسی ایسی نفسی کیفیت کو شکار کرتا ہے جس پر عام لوگوں کی نظر کم پڑتی ہے- غرض کہ دونوں شاعروں کی دماغی رفتاروں کامقابلہ کرنے سے ہرایک کی شاعری کی حقیقت کھل جاتی ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ ذوق شاعرانہ تخیل میں شاعر کی غالب کی گرد کو بھی نہیں پاسکتا—

(۷) نمبر (۶) میں غالب اور ذوق کا جومقابلہ کیا گیاہے اُس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ عام طور سے غالب کس قسم کے مضامین اپنی شاعری میں باندھتا ہے اور ذوق کس قسم کے- تاہم یہاں نمونے کے طور پر ذوق کی ایک غزل کے مضامین نثر میں لکھے جاتے ہیں اس غزل کی زمین ہے :— لال ہے - حال ہے —

لوگ میرے زخم دل کے لیے مرہم کی کیوں تلاش کرتے ہیں اگر مشک مہنگا ہے تو کیا دنیا میں نمک کا بھی قحط ہے -

تیرا عاشق قبر میں بیقرار رہتا ہے - اس لیے اُس کے قبرکے

پتھر پر سورۂ زلزال لکھاہوا ہے-(یہ ایک قرآن کی ایک سورت ہے جس میں قیامت کے زلزلہ کا ذکر ہے)

ہم نے جانا تھا کہ تمہارے پاؤں کے تلوے میں تل ہے مگر اب معلوم ہوا کہ وہ کسی عاشق کے دل کا سویدا ہے جس کو تم نے پامال کر ڈالا ہے-(سویدا ایک سیاہ نقطہ ہے جو شاعروں کے نزدیک ہر انسان کے دل میں ہے)—

اگرچہ میری قبر پر بادل برسوں برس چکا ہے-تاہم میرے دل کی آگ نہیں بجھی- اب بھی میری قبر کی خاک راکھ کی طرح اُڑتی رہتی ہے—

میری آہوں کے دھوئیں سے زمانہ تاریک ہوگیا ہے یہاں تک کہ آسمان سورج ایسا نظر آتا ہے جیسے کسی زندگی کے سیاہ چہرہ پر سیاہ تل—

میں وہ دیوانہ ہوں کہ میری تصویر کے کاغذ کو لڑکے عیدی کا کاغذ سمجھکر خوش ہوتے ہیں—

جب سے کسی معشوق کی نکیلی پلکوں کا خیال میرے دل میں ہے میرے بدن پر جو بال ہے وہ بھڑ کا ڈنک بن کر چبھہ رہا ہے—

میں اس شدت سے رو رہا ہوں کہ آنسو پونچھنے کے لئے جو رومال مونھہ پر رکھتا ہوں وہ آب رواں کی چادر بن جاتا ہے—

اے فرہاد اگر دل پر عشق کے جلتے داغ ہوں تو اُن کے سامنے خسرو پرویز کے گنج سوختہ کی کیا حقیقت ہے داغ کو اشرفی سے تشبیہہ دیتے ہیں اور گنج سوختہ خسرو پرویز کے سات خزانوں میں سے ایک خزانے کا نام ہے -(خسرو اور فرہاد کی رقابت بھی مشہور ہے)—

اگر میں معشوق کی جدائی میں پان کا بیڑا کھاؤں تو پان کی رگ میرے حق میں شیر کا بال بن جاتی ہے (شیر کی مونچھہ کا بال کتر کر دشمن کو پان میں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے جگر کٹ جاتا ہے)—

جو لوگ تمہاری زلف کے کشتہ ہیں اُن کی قبروں پر یا تو بید مجنوں کا

درخت دکھائی دیتا ہے یا جال کا—

میرے قاتل معشوق کو پان کھا کر ہونٹوں کے لال کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس نے عیسیٰ کے معجزہ کا خون کر دیا ہے اور اُس خون کی سرخی اس کے لبوں پر موجود ہے۔

اے ساقی شراب کے پیالہ کی گردش ہمارے نزدیک پورے سال کی گردش ہے۔ اس لئے جب شراب کا آفتاب پوری گردش کے بعد نمایاں ہوتا ہے تو ہم نو روز مناتے ہیں—

ہمارے نامہ بر کا حال اسقدر شکستہ ہے کہ اُس کو دیکھکر ہمارے دل کی شکستگی کا حال کھل جاتا ہے—

جو لوگ محبت کے قیدی ہیں اُن کے سینے میں بلا کی آگ ہے جس کے اثر سے وہ طوق جو اُن کے گلے میں ہے شعلۂ جوالہ کی طرح لال ہوگیا ہے—

میں تیرا دیوانہ ہوں۔ میرے اعضا گل سڑ کر بدن سے جدا ہو گئے ہیں اسلئے میری تصویر کھینچنی مشکل ہے—

اے ذوق اگر تمہارا نامۂ اعمال اسقدر لمبا ہے تو پھر اُس کے دیکھنے کے لئے تو قیامت جیسے کئی دن درکار ہیں—

۱۷ اشعار کی غزل میں جس کے مضامین لکھے گئے ہیں ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ دو شعروں میں موت کے بعد کا ذکر ہے۔ یعنی دوسرے اور گیارھویں شعر میں۔ یہ مضمون نہایت آسانی سے اور طرح طرح سے جامہ بدل کر ذوق کے ذہن میں آتا ہے۔ یہاں مثال کے طور پر اس مضمون کے متعلق ذوق کے کچھہ اشعار کا مطلب نثر میں لکھا جاتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ ذوق کی رفتار طبیعت کیا ہے اور کیونکر یہ مضمون آسانی سے اُس کے ذہن میں آتا اور رنگ بدل بدل کر آتا ہے۔ یہ اشعار سرسری نظر میں ذوق کی مختلف غزلوں سے لئے گئے ہیں—

اگر فرہاد میری قبر کا تعویذ تین دن تک چاٹے تو عشق کے مکتب میں

وہ تمام شاگردوں سے بازی لے جائے اور اس کا ذہن بہت تیز ہو جائے —

جہاں کہیں تیری سرد مہری کا کشتہ مدفن کیا گیا ہے وہاں عام طور سے کافور کا درخت پیدا ہوتا ہے —

اے محبت اگر تو مرنے کے بعد میری دستگیری کرے تو تیرے خنجر کا دستہ میری ہڈی سے بنایا جائے —

میں معشوق کے ہنستے ہوے ہونٹوں کو دیکھکر شہید ہوا ہوں اس لئے میری قبر کا چراغ ہنستا رہتا ہے —

میرے دل کی آگ قبر میں بھی جاکر نہیں بجھیگی اس لئے میری قبر پر اگر کوئی درخت پیدا ہوگا تو وہ چنار کے سوا اور کوئی درخت نہ ہوگا - (کہتے ہیں کہ ہوا کے چلنے سے جب چنار کے پتے اور شاخیں آپس میں ملکر رگڑ کھاتی ہیں تو خود بخود آگ لگ جاتی ہے)

معشوق نے اپنے کف پا سے عاشق کی قبر پر تعویذ رکھا تھا اس لئے ضروری تھا کہ اُس کی قبر کا نشان عشق کے رستے میں ہمیشہ پامال ہوتا رہے —

میں زندگی بھر تلخ کام رہا - اس کا اثر مرنے کے بعد بھی رہا - اسی لئے ہما نے میری ایک ہڈی بھی باقی نہ رکھی —

میری آنکھیں بعد مرگ بھی دیدار طلب تھیں - قبر کے سرہانے جو نرگس کے پھولوں کا گلدستہ رکھا ہے اسے گلدستہ نہ سمجھو یہ میری آنکھیں دیدار کے شوق میں قبر سے باہر نکل آئی ہیں —

معشوق کے مصحف رخسار کا خیال مرنے کے بعد بھی نہ گیا - یہی وجہ ہے کہ میری قبر کے سرہانے قرآن رکھا ہے —

اے مجنوں تیری طرح ہم بھی دیوانے ہیں - اگر جنگل میں بگولا نہ ہوتا تو ہم دیوانوں کی قبر کو گنبد کہاں ملتا —

مرنے کے بعد معشوق کی فتنہ گر آنکھوں کا خیال باقی رہا اس لئے میری قبر

سبزہ کو ہرن آکر چرتے ہیں —

میں اُن معشوقوں پر زندگی بھر جان دیتا رہا جن کے بال پیچیدہ اور گھنگریالے تھے - اس لئے میری قبر پر عشق پیچاں کی بیل اُگتی اور پھیلتی ہے —

میں دنیا سے نا مراد گیا ہوں - جو شخص نا مرادی کو اپنی مراد سمجھتا ہے وہی میری قبر پر آکر چلہ باندھتا ہے —

جو لوگ محبت کی دنیا میں دلیر تھے مرنے کے بعد اُن کی قبر چاہ رستم بن گئی ہے کیوں کہ اُن میں سے ہر شخص کو اپنے معشوق کی پلکوں کا خیال ستاتا ہے اور یہ پلکیں خنجر و شمشیر کا کام کرتی ہیں -(چاہ رستم وہ کنواں ہے جس میں رستم کے بھائی شغار نے رستم کو دھوکے سے گرا دیا تھا اور اُس کنویں میں پہلے سے خنجر اور تلواریں بچھا رکھی تھیں) —

جو شخص تیرے آتشیں رخسار کا عاشق ہے اُس کی قبر کا چراغ تا قیامت گُل نہیں ہو سکتا —

جو عاشق زندگی میں دل گرفتہ رہے ہیں اگر اُن کی خاک باغ میں ہوتی تو جہاں تم کوئی غنچہ دیکھتے ہو وہاں ایک دل پیدا ہوتا —

اگر مزار کے اندر میرا دل اسی طرح تڑپنے میں مشغول رہا تو مزار کا پتھر ٹکڑے ہو ہو کر چنگاریوں کی طرح اُڑ جائے گا —

مرنے کے بعد ہمارے دل کی آگ کے سبب جو خودرو پھول ہماری قبر سے نکلتا ہے وہ شعلہ کی طرح گرم ہوتا ہے —

ہمارے مزار کے پتھر کی آگ میں نبض کی سی لپک ہے -کیوں کہ مرنے کے بعد بھی تپ عشق کی حرارت کم نہیں ہوئی —

میں وہ مست ہوں کہ رند لوگ شراب خانے کی بنیاد میری قبر کی اینٹ سے رکھتے ہیں —

میں ایسا کیفی ہوں کہ اگر میری خاک کا پیمانہ بنایا جائے اور اُس

میں پانی ڈالا جاے تو پانی اپنی ماھیت بدل کر شراب بن جاتا ھے—

میں ایسا دل جلا ھوں کہ میری قبر کی خاک کا اگر ایک ذرہ بھی پانی میں شامل ھو تو وہ پورے دریا کو خشک کردے—

اگرچہ ھم خاک ھوگئے۔مگر آسمان کے ظلم کے سبب شیشہ ساعت کی ریت کی طرح ھماری خاک کو بھی ایک دم قرار نہیں (دو شیشوں کے منہ ملا کر شیشہ ساعت بناتے ھیں۔اوپر کے شیشے میں ریت ھوتی ھے۔وہ نیچے کے شیشہ میں آھستہ آھستہ گرتی رھتی ھے۔ایک گھنٹہ گزرنے پر اوپر کا شیشہ ریت خالی ھو جاتا ھے۔جب ایسا ھو تو شیشے کو اُلٹا کر دیتے ھیں یعنی اب جس شیشے میں ریت ھے وہ اوپر ھوجاتا ھے اور پھر اُس میں سے خالی شیشے میں ریت گرنی شروع ھوتی ھے)—

اگر مرنے کے بعد اپنے مرنے پر ھمیں رونا آگیا تو تابوت طوفان میں آئی ھوئی کشتی بن جاے گا—

ایک پھول یعنی معشوق کی دو رنگی نے ھم کو ھلاک کیا ھے اس لئے ھماری خاک سے گل رعنا اُگتا ھے (گل رعنا ایک پھول ھے جو باھر سے زرد اور اندر سے لال ھوتا ھے)

چونکہ مرنے کے وقت تک ھمیں وصل کی تمنا رھی اس لئے ھماری تاریخ وفات خط توأم میں لکھنی چاھئے (خط توأم یہ ھے کہ دو کاغذوں پر کوئی عبارت اِس طرح لکھتے ھیں کہ حروف کے کچھہ حصے ایک کاغذ پر اور دوسرے حصے دوسرے کاغذ پر ھوتے ھیں جب دونوں کاغذوں کو ملا کر روشنی کے سامنے لاتے ھیں تو پورے حروف نظر آتے ھیں اورعبارت پڑھی جاتی ھے)—

سوم کی فاتحہ میں تیرے آنے کا خوف لگا ھوا ھے اس لئے تین دن قبر میں بھاری ھیں—

ھم وہ مست ھیں کہ جب تک مینائے شراب سے قم قم کی آواز نہ سنیں شور

قیامت سے ہرگز نہ اُٹھینگے—

جو شخص تیری زلفوں کے جال میں گرفتار ہوکر مرجائیگا اس کی قبر پر جال کا درخت اُگے گا—

معشوق کی مانگ پر جو لوگ کشتہ ہو چکے ہیں اُن کا نشان مرنے کے بعد اس طرح ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص اُن کی قبر پر سنگ موسیٰ کا تعویذ رکھدے تو وہ پتھر فوراً درمیان سے شق ہو جاتا ہے—

جو شخص دنیا کا کتا ہے وہ مرنے کے بعد بھی دنیا سے لگاؤ نہیں چھوڑتا اُس کی قبر پر ہمیشہ کتا گھاس پیدا ہوتی ہے۔ (یہ وہ گھاس ہے جو کپڑوں سے ستت جاتی ہے)—

مرنے کے بعد جس شخص کو معشوق کا تنگ دہن یاد رہے اُس کو عدم کا گوشہ بھی خوب تنگ کرتا ہے—

جو شخص اُس معشوق کی زلف کا مارا ہوا ہے اگر اُس کی خاک کو افعی چاٹے تو اُس میں زہر بڑھ جاتا ہے—

تیرا عاشق کس قدر ناتواں ہے کہ اُس کی لاش کفن کی خوشبو کے ساتھ اُڑی اُڑی پھرتی ہے—

مرنے کے بعد بھی ہماری وحشت نہ گئی۔ چنانچہ ہماری قبر سے جو گرد اُٹھتی ہے وہ آسمان سے باتیں کرتی ہے—

اے ہوا اُس معشوق کی زلف کا اسیر خاک ہو گیا ہے اُس کی خاک کو تو بگولا بنادے۔ تاکہ مرنے کے بعد کچھہ تو پیچ و تاب معلوم ہو—

مجھے عشق نے پارے کی طرح کشتہ کر ڈالا۔ میرے لیے سامان تجہیز و تکفین کی ضرورت نہیں—

اُس نے اپنے روئے روشن کی جھلک دکھا کر مجھے مار ڈالا۔ اس لئے میرے کفن کے لیے چادر مہتاب کی ضرورت ہے—

میں کس محبوب کی چشم مست کا کشتہ ہوں کہ میری قبر کے درخت سے مستی ٹپکتی ہے —

اس خاکسار کی میت کو غسل نہ دینا - کیونکہ اس پر معشوق کے کوچے کی خاک لگی ہوئی ہے —

میرے مزار کے سرھانے شمع کے سوا کوئی مجاور نہیں اور پروانوں کے سوا کوئی زیارت کرنے والا نہیں —

میرے مزار پر نور کیوں نہ برسے - جب کہ میں نے تیرے عرق آلود چہرہ پر جان دی ہے —

مستوں کی قبر پر تعویذ نہ ہو تو مضایقہ نہیں - شراب کے مٹکے کے نیچے جو اینٹ رکھی جاتی ہے اگر وہی اُن کی قبر پر رکھہ دی جاے تو نشان بتانے کے لئے کافی ہے —

تیرے شہیدوں کو غسل کی ضرورت نہیں - کیوں کہ وہ تیرے ہاتھہ سے اچھی طرح خون میں نہا چکے ہیں —

موسم بہار کی صبح اپنا پیراہن چاک کر رہی ہے - اس نے کس شہید ناز کو کفناتے ہوے دیکھا ہے —

جو شخص معشوق کی آنکھہ کا وحشی یعنی دیوانہ ہے اُس کی قبر پر اگر گھاس جل جاے تو کچھہ تعجب نہیں مگر ہرن کھری بے سبز ہوے نہیں رہتی - (ہرن کُھری ایک گھاس ہے جس کی پتی سم آہو سے مشابہ ہوتی ہے)

میں وہ گنہگار ہوں جو ندامت کے سوز سے جل اُٹھا اور جس کی قبر کے پتھر کی چنگاریوں سے دوزخ بھی پناہ مانگتی ہے —

اِس نمبر کے شروع میں جو غزل بطور نمونۂ مضامین کے پیش کی گئی ہے اُس کو ایک نظر دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس کے مضامین غزلیت سے کس قدر دور ہیں - نہ اُن میں معمولی عاشقانہ جذبات ہی باندھے گئے ہیں جیسا

که عام شعرا کا دستور ھے - نه اُن سے روحانی واردات کا اظہار ھوتا ھے جیسا که صوفی شعرا کا طریقه ھے - نه اُن میں حکیمانه خیالات کا چربه اُتارا گیا ھے جیسا که فلسفی شعرا کا آئین ھے - نه فطرت انسانی کی کوئی گہری کیفیت بیان کی گئی ھے جیسا که بلند خیال فطرت نگاروں کا وتیرہ ھے - پھر وہ کیا چیز ھے جس کی بنا پر ھم ذوق کی غزل گوئی کو شاعری کی دنیا میں وقعت اور عزت کی نظر سے دیکھیں - خارجی مضامین ضرور اُن میں ھیں جو غزل کے موضوع سے خارج ھیں - وہ زبان کے لفظوں اور محاوروں کے ساتھه کھیلتا ھے اور اُن سے جذبات و خیالات اندرونی کے بیان میں کام لینا نہیں جانتا - یه لفظوں کا کھیل اور اس کے ساتھه صنعتوں اور رعایتوں کا استعمال لکھنؤ کی شاعری کی خبر دیتا ھے - دھلی کے غزل گو شعرا نے واردات قلبی کی جس فضا میں پرورش پائی ھے ذوق اُس سے کوسوں دور ھتا ھوا ھے اور شاعری کی عام شاہ راہ میں اُس نے اپنے رفیقوں کا ساتھه چھوڑ دیا ھے - اس کا سبب بجز اس کے اور کچھه نہیں معلوم ھوتا که وہ درباری شاعر ھے - اُس کو پادشاہ کی فرمایشوں اور اُس کی غزلوں کی اصلاح سے کب فرصت ملتی ھے که وہ خلوت میں بیٹھکر فطرت انسانی کی گہرائیوں پر نظر ڈالے اور اُن لہروں کی دلفریب رفتار کا غور سے مطالعه کرے جو دل کے سمندر میں اُٹھتی رھتی ھیں اور جن کا نقشه کھینچنا غزل گو شاعر کا فرض ھے - یه میر ھی کا کام تھا جس کو با وجود دربار لکھنؤ سے وابسته ھو نے کے دربار داری سے نفرت تھی - جو اپنے مکان کے بالا خانے کا دریچه کھول کر پائیں باغ پر بھی نظر نہیں ڈالتا تھا - کیوں که اُس کے دل کے دریچے کھلے ھوے تھے اور ایک باغ نہیں انسانی فطرت کے ھزاروں باغ اُس کی نظر کے سامنے تھے اور وہ رات دن چشم بصیرت سے اُن کے نظارہ میں محو رھتا تھا - عرفی نے ایسے ھی موقع کے لئے کہا ھے که "اگر میں سرو و سمن کی صحبت سے دل بہلانا چاھتا ھوں تو چمن کا ھاتھه پکڑ کر اُسے اپنے گھر لے آتا ھوں" بیدل بھی اسی عالم کو دیکھکر وجد میں

آتا ہے اور کہتا ہے کہ "یہ تو غضب کی بات ہے کہ سرو و سمن کا تماشا دیکھنے کی آرزو تیرے دل میں پیدا ہو - اے انسان تیری فطرت تو بہت بلند ہے - کیا تو غنچہ سے بھی کم پیدا ہوا ہے کہ یہ آرزو تیرے دل میں پیدا ہو - دل کا دروازہ کھول اور چمن میں داخل ہو جا —

خارجی شاعری کرنے والوں کو بے شک گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہے - تاکہ وہ سوسائٹی کے رسم و رواج، لوگوں کی طرز زندگی، دنیا کے واقعات و حالات اور فطرت کی بیرونی دلربائیوں سے گہری واقفیت پیدا کریں اور اُن کی بولتی تصویریں اپنے کلام میں کھینچ کر دکھا سکیں - داخلی شاعری کرنے والے ایک گوشہ میں بند رہ کر بھی اپنے نفس کا مطالعہ بے روک ٹوک کر سکتے ہیں اور اس کے جذبات و کیفیات کا خاکا کھینچ سکتے ہیں - مگر سچ یہ ہے کہ جو شخص درباری شاعر ہو اُس کو نہ تو سوسائٹی اور عام قدرتی مناظر کا مطالعہ کرنے کی فرصت ملتی ہے اور نہ وہ تنہا اور فارغ البال ہو کر اپنے ہی نفس کے صحیفہ کی ورق گردانی کر سکتا ہے —

(۸) اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذوق میں غزل گوئی کی قابلیت تھی یا نہیں؟ اس کا جواب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اُس میں قابلیت ضرور تھی اور دلی کے عام شعرا کی اُفتاد طبیعت اُس قابلیت کو امداد پہنچا سکتی تھی - مگر خاص اسباب تھے جن کے سبب وہ قابلیت مضمحل ہو گئی اور رفتہ رفتہ فنا ہوگئی - وہ اسباب حسب ذیل تھے —

(الف) نصیر کی شاگردی جس کے سبب اُس کا میلان سنگلاخ زمینوں میں غزل لکھنے کے طرف ہو گیا —

(ب) جب اُستاد سے ناچاقی ہوگئی تو مشاعروں میں اُستاد کے مقابل سر سبز ہونے کے خیال نے اس اثر کو اور بڑھا دیا —

(ج) جب ناسخ کا دیوان دھلی میں پہنچا اور اُس کی اُستادی کے چرچا

ہونے لگے تو شاعروں کو اس کی غزلوں پر غزلیں لکھنے کا شوق پیدا ہوا ذوق پر اس کا اثر خاص کر ہوا-اُس نے اپنی اُستادی منوانے کے لئے اسی منتر کو کارگر سمجھا کہ وہ ناسخ کی روش پر اپنی غزل گوئی کی بنیاد رکھے —

(د) بہ نسبت اصلی اور حقیقی غزل گوئی کے ناسخ کی روش جو خارجی شاعری سے لبریز ہے بہت آسان معلوم ہوئی کیوں کہ لفظوں کے ساتھہ کھیلنے اور صنعتیں اور لفظی رعایتی استعمال کرنے کی مشق نہایت آسانی اور ادنی توجہ سے ہوجاتی ہے —

(ہ) تنہا گوشہ میں بیٹھہ کر فطرت انسانی کی گہرائیوں کا مطالعہ کرنے کی فرصت نہ تھی - بادشاہ کی فرمایشیں اُسے سر اُٹھانے نہیں دیتی تھیں-غور و توجہ کے اِس کٹھن مشغلہ کی نسبت یہ بات آسان معلوم ہوئی کہ وہ ادنی فکر و توجہ سے لفظوں کے طوطے مینا بنا دیا کرے اور لوگوں سے خراج تحسین حاصل کر لیا کرے —

مگر ہمیں ابھی ثابت کرنا ہے کہ ذوق میں غزل گوئی کی قابلیت تھی جو ان اسباب سے مضمحل ہوکر رہ گئی اس کے لئے ہم ذوق کے وہ اشعار پیش کرتے ہیں جو غزل گوئی کے سانچے میں پورے اُترتے ہیں اور جو آج بھی لوگوں کی زبانوں پر ہیں - اس قسم کے اشعار اُس کے دیوان میں خال خال ہیں - یہاں ہم مثال کے طور پر ایسے چند اشعار درج کرتے ہیں —

آنا تو خفا آنا جانا تو رلا جانا
آنا ہے تو کیا آنا جانا ہے تو کیا جانا

ایک دم بھی ہم کو جینا ہجر میں تھا نا گوار
پر امید وصل میں برسوں گوارا ہوگیا

احسان نا خدا کے اُٹھائے مری بلا

کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

یاں لب پہ لاکھہ لاکھہ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے
اور اِس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اُس بت سے خدا سمجھے

کنج تنہائی میں دیتا ہوں دلا سے کیا کیا
دل بیتاب کو میں اور دل بیتاب مجھے

کھلتا نہیں دل بند ہی رہتا ہے ہمیشہ
کیا جانے کہ آجاے ہے تو اِس میں کدھر سے

گلہاے رنگ برنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

رہے جوں شیشۂ ساعت وہ مکدر دونوں
کبھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے

حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدر وسعت
تنگ ہی رہتے ہیں دنیا میں فراغت والے

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمناے رنگ و بو کرتے

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے
عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لئے

بیان درد محبت جو ہو تو کیوں کر ہو
زباں دل کے لئے ہے نہ دل زباں کے لئے

اے شمع تیری عمر طبیعی ھے ایک رات
ھنسکر گزاریا اسے روکر گزار دے
جاکے اک بار نہ پھرنا تھا جہاں واں مجھکو
بیقراری ھے کہ سو بار ائے پھرتی ھے
لائی حیات - آئے - قضا لے چلی - چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
عمر خضر بھی تو ھو معلوم وقت مرگ
ھم کیا رھے یہاں ابھی آئے ابھی چلے
ھوتا نہ اگر دل تو محبت بھی نہ ھوتی
ھوتی نہ محبت تو کچھہ آفت بھی نہ ھوتی
کھلکے گل کچھہ تو بہار اپنی صبا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ھے جو بن کھلے مرجھا گئے
الفت کا مزا جب کوئی مر جاے تو جاے
یہ درد سر ایسا ھے کہ سر جاے تو جاے
اب تو گھبرا کے یہ کہتے ھیں کہ مرجائیں گے
مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
وہ دل کہ جس میں سوز محبت نہ ھووے ذوق
بہتر ھے اُس سے سنگ کہ اُس میں شرر تو ھے

(۹) جب شاعر آپ بیتی نہ بیان کرے اور اس کی شاعری کا مدار محض جھوٹ اور نقالی پر ھو تو اس کے کلام سے اس کی زندگی و شخصیت اور اس کے زمانے کا حال معلوم کرنا نا ممکن ھے - یورپ میں جن شاعروں کے کلام پر تنقید کی جاتی ھے ان کی زندگی اور ان کے زمانے کا سراغ ان کے کلام سے لگایا جاتا ھے اردو شاعروں نے غزل اور قصیدہ میں ایران کے شعرا کی تقلید حرت بحرت کی

ھے۔ عاشقانہ جذبات اور مدح وقدح کے جو مضامین شعرائے ایران نے باندھے ھیں وھی عام طور سے اردو کے شعرا کا سرمایۂ کلام ھیں ۔ تاھم ھمیں ذوق کے کلام کو ٹٹولنا چاھئیے کہ اُس میں اُس کی زندگی اور اُس کے زمانہ کے آثار وعلامات کم و بیش پائے جاتے ھیں یا نہیں ۔ اس کے لیے دیوان ذوق کے مندرجۂ ذیل اشعار پر غور کرنا چاھئیے —

نہو بے وقر ترک سجدۂ ابلیس سے آدم
عدو کی سرکشی سے ذوق کب رتبہ ھو کم میرا

اس شعر سے معلوم ھوتا ھے کہ ذوق کے زمانے میں اُس کے کلام پر نکتہ چینی کرنے والے کچھہ لوگ موجود تھے اور ان کو ذوق کی اُستادی میں کلام تھا۔ اس حالت میں ذوق اپنے دل کو تسلی دیتا ھے اور اپنے معترضوں اور مخالفوں کو ابلیس سے اور اپنے تئیں آدم سے تشبیہ دیکر خاموش ھو جاتا ھے اور سودا اور انشا کی طرح اپنے مخالفوں کا سر گرمی سے پیچھا نہیں کرتا ۔ نہ ان کی مستقل ھجو لکھتا ھے —

ملے اکسیر گر اس کُشت وخوں سے میں نہ لوں ھرگز
مرے مذھب میں خوں کرنا ھے کُشتہ کرنا پارے کا

ذوق اس شعر میں اپنی خاص فطرت کا نقشہ کھینچتا ھے وہ ایسی زندگی بسر کرنا چاھتا ھے جس میں کسی دوسرے کا نقصان نہ ھو ۔ وہ ایسی کامیابی سے نفرت وبیزاری کا اظہار کرتا ھے جس کے سبب اوروں کو تکلیف پہنچے ۔ یہ مرنجان و مرنج زندگی فی الحقیقت ذوق کی زندگی کی اصلی تصویر ھے ۔

اے ذوق تکلف میں ھے تکلیف سراسر
آرام سے وہ ھے جو تکلف نہیں کرتا

یہ اس سادہ زندگی کا اظہار ھے جو خود ذوق نے اختیار کر رکھی تھی اور جسکا نقشہ مصنف "آب حیات" نے کھینچکر دکھایا ھے —

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب

ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

"یاروں نے" کے دو معنے ہیں "میں نے" یا "دوستوں نے" یہاں دوسرے معنے مراد ہیں - پہلے معنے نہیں - کیونکہ ذوق طرز شاعری میں سودا کی پیروی کرتا ہے - میر کی تقلید کرنے کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آیا - یہ مشاعرہ کی غزل کا شعر ہے - اس میں دیگر شعرا ے دہلی پر طنز ہے - یعنی انھوں نے بہت کوشش کی کہ میر کی طرز شاعری کی پیروی کریں - مگر وہ سب ناکام رہے - میر نے آپ بیتی کو اس بلندی پر پہنچایا ہے کہ کوئی شاعر اسکا ہمسر نہیں ہو سکتا - کسی کی قدرت نہیں کہ وہ اپنے دلی جذبات کو ایسی سادہ اور موثر زبان میں ادا کر سکے - درد اس بات میں میر سے دوسرے درجہ پرہے - مگر میر کا جواب در حقیقت کوئی نہیں - تاہم اگر کوئی شاعر تقلید کے قابل ہے تو وہ میر ہے - غزل گوئی کا نمونہ اس سے بہتر نہیں ہے جس کی پیروی غزل گو شاعر کر سکیں - اعلی نمونے کی پیروی کرنےمیں فائدہ یہ ہےکہ اگر پیروی کرنے والا شاعر اس کے درجے تک نہ پہنچ سکے تو غزل گوئی کی اصلی حد سے کبھی باہر نہیں ہوگا - بر خلاف اس کے ذوق نے جو سودا یا ناسخ کی پیروی کی جو غزل گوئی کا اعلی نمونہ اپنے پاس نہیں رکھتے وہ غزل گوئی کی اصلی منزل سے بہت دور جا پڑا - یہ دوسری بات ہے کہ وہ دوسرے شعرا پر طنز کر کے اپنے دل کو فریب آمیز دلاسا دے -

قسمت ہی سے ناچار ہوں اے ذوق وگرنہ

سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

یہ وہی مضمون ہےجس کو ذوق نے تفصیل کے ساتھ اپنے قصیدہ تائیہ میں بیان کیا ہے اس قصیدے میں تمام علوم کے نام آئے ہیں اور ان کے

جاننے کا دعویٰ کیا ہے آخر میں کہا ہے کہ کوئی شخص علوم و فنون میں کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو اگر اس کی قسمت اچھی نہیں ہے تو اس کی تمام لیاقت بیکار ہے-شاید خوش قسمتی سے ذوق کی مراد دولتمند ہونا ہے مگر وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ جس طرح دولت سے استغنا پیدا ہوتا ہے اسی طرح علم سے علم بجائے خود ایک دولت ہے جو نتیجہ قصیدۂ مذکور میں ذوق نے نکالا ہے اس سے علم کی توہین ہوتی ہے اور لوگوں کو اس کے سبب علم سے نفرت پیدا ہوتی ہے- کہنا یہ لازم تھا کہ میرے پاس علم کی دولت وافر ہے- میں دولت دنیا کی پروا نہیں کرتا- اگر وہ مجھے نہیں پوچھتی تو مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں ہے- اگر اہل دولت میری قدر نہیں کرتے تو کیا پروا ہے- علم کی دولت دنیا کی دولت پر فوقیت رکھتی ہے اگر مجھے دولتمند حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو میں بھی بے تکلف ان کی دولت کو ٹھکراتا ہوں- یہ نتیجہ سننے والوں کے لئے سبق آموز ہوتا اور ان کو علم کی ترغیب ہوتی مگر ایک بدگمان آدمی کہسکتا ہے کہ ذوق سے یہ بات ممکن نہ تھی ' وہ درباری شاعر تھا پانچ روپیہ ماہوار سے نوکری شروع ہوئی اور سو روپیہ ماہوار تک پہنچی پھر بھی شاید دولت کی طمع فرو نہ ہوئی اور حرص کی پیاس نہ بجھی - وہ عمر بھر قسمت کا شاکی رہا اور سمجھتا رہا کہ جتنا میرا کام تھا اتنی دولت ہاتھ نہ لگی-حالانکہ سادہ زندگی کے ساتھ یہ تنخواہ کافی سے زیادہ تھی-اس زمانے کے روپیہ کی قیمت کو آجکل کے روپیہ کی قیمت سے کیا نسبت ہے اس زمانے میں پانچ روپیہ ماہوار آمدنی کا آدمی آجکل کے پچاس روپیہ ماہوار آمدنی رکھنے والے سے بہتر زندگی بسر کر سکتا تھا مگر ممکن ہے کہ خوش قسمتی سے ذوق کی مراد عزت کی زندگی ہو —

ذوق ہے ترک وطن میں صاف نقص آبرو
بکتا پھرتا ہے گُہر ہو کر سمندر سے جدا

حیدرآباد میں راجہ چندو لال کی وزارت کا زمانہ ایسا تھا گویا سخاوت و فیاضی کا دریا بہ رہا تھا-شاعروں اور عالموں کی بہت قدر ہوتی تھی-نصیر دھلی سے اسی زمانے میں حیدر آباد پہونچا اور وھیں وفات پائی-ذوق کی بھی طلبی ہوئی-مگر جو مصرع طرح حیدرآباد سے آیا تھا اُس پر غزل لکھکر بھیجدی خود جانا گوارا نہ کیا-اس غزل کے آخر میں کہا ہے—

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

پہلے شعر میں ترک وطن سے عزت میں نقص آنے کا خوف ہے شاید یہ مراد ہو کہ وطن میں جتنے قدر دان ہیں اتنے دوسری جگہ نہ مل سکیں-دوسرے شعر میں دلی کی گلیوں کی دلچسپیاں ترک وطن سے مانع ہیں-دولت یا عزت جو کچھہ بھی ہو ترک وطن ھی سے ملتی ہے اور کون شخص ہے جسے دولت یا عزت کی تلاش نہ ہو مگر بعض انسانوں کی فطرت ھی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ باوجود عمدہ توقعات کے وطن چھوڑنا پسند نہیں کرتے-اس کا نام نقص آبرو کا اندیشہ اور وطن کی دلچسپیاں چھوٹ جانے کا خیال رکھو یا کچھہ اور مگر ایسی فطرت کے لوگ اب بھی ہر جگہ موجود ہیں-ذوق کی فطرت بھی یہی ہے-ایک شعر میں عام لوگوں کے خیال کے مطابق ذوق نے اس فطرت کو قناعت کا جامہ پہنایا ہے-حیدرآباد کے مشاعرہ میں جو غزل بھیجی گئی تھی اُسی میں یہ شعر ہے-

گر خدا دیوے قناعت ماہ دو ھفتہ کی طرح
دوڑے ساری کو کبھی آدھی نہ انساں چھوڑ کر

اسی غزل میں ایک اور شعر بھی ملاحظہ طلب ہے—

اھل جوھر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک
لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر

چونکہ بہت سے اھل کمال دھلی سے اودھ اور دکن کی طرف رخ کرچکے تھے

ان کی طرف ذوق نے اشارہ کیا ہے کہ وہ لعل کی طرح سراپا خون ہوکر وطن سے باہر نکلے۔" اس رنگ سے " کے الفاظ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ مگر ذوق گوارا نہیں کرتا کہ وہ " اس رنگ سے " باہر نکلے اور " اس رنگ سے " اُسے وطن چھوڑنا پڑے—

اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھئے
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

" ملے اکسیر " الخ والے شعر میں جو گزر چکا ہے جس خیال کا اظہار ذوق نے کیا ہے اُسی کی شاخ یہ خیال بھی ہے۔اگرچہ وہ جانتا ہے کہ " ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا " لیکن اگر اُس کے مقابلے میں کوئی مدعی کھڑا ہوجائے تو اس سے لڑنا اور جھگڑنا بھی نہیں چاہتا۔ نہ اُس کے مقابلے میں تحقیر و تذلیل کا اظہار پسند کرتا ہے اور یہ کہکر خاموش ہوجاتا ہے کہ " سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں "۔یہ بھی ذوق کی زندگی کی سچی تصویر ہے—

هفتاد و دو طریق حسد کے عدد سے ہوں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

لفظ "حسد" کے عدد (۷۲) ہیں مسلمانوں کے فرقے تہتر (۷۳) ہیں جن میں سے ہر فرقہ اپنے کو ناجی اور باقی (۷۲) فرقوں کو غیر ناجی یا گمراہ جانتا ہے۔ذوق کہتا ہے کہ (۷۲) فرقے حسد کے سبب پیدا ہوئے ہیں۔ہم جس فرقے میں ہیں وہ ان سے جدا یعنی تہترواں ہے' یعنی ہم حسد کرنا نہیں جانتے۔حسد نہ کرنا قانع آدمی کا کام ہے گویا اس شعر کی تہ میں بھی قناعت کا جذبہ مخفی ہے جو ذوق کی طبیعت میں ہے—

رہتا ز بسکہ جیفۂ دنیا سے تنگ ہوں
ہو پارس بھی تو جانتا مردار سنگ ہوں

اس شعر میں بھی ذوق نے دنیا سے بیزاری اور قناعت کا اظہار کیا ہے۔ قناعت کے متعلق دو شعر اور سنئے—

جو کلنج قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر
ہے ذوق برابر اُنہیں کم اور زیادہ

نہیں ہے قانع کو خواہش زر وہ مفلسی میں بھی ہے تونگر
جہاں میں مانند کیمیا گر ہمیشہ محتاج دل غنی ہے

ایک غزل میں ذوق نے ذیل کا شعر لکھا ہے جو اس کے حسب حال ہے —

زباں کھولینگے مجھہ پر بد زباں کیا بد شعاری سے
کہ میں نے اُن کے منھہ میں خاک بھر دی خاکساری سے

یعنی ذوق مخالفوں کے طعن و تشنیع کا مقابلہ خاموشی سے کرنا چاہتا ہے۔ اُن سے لڑنا اور دو بدو جواب دینا پسند نہیں کرتا —

اس کے علاوہ ذوق نے دخانی جہاز۔ دوربین زمین کی گردش۔ پنسل اور میموں کے بگھی میں سوار ہونے کا ذکر بھی اپنے اشعار میں کیا ہے۔ کیونکہ اس کے زمانے میں یہ باتیں عام ہوگئی تھیں۔ وہ اشعار یہ ہیں —

گزرتی عمر ہے یوں دور آسمانی میں
کہ جیسے جائے کوئی کشتئی دخانی میں
خدا دے دور بینی اور اس چشم تصور کو
کہ لاکھوں کام اس سے دور کے بے دوربیں نکلے
خواہ پھرتا ہے فلک اور خواہ پھرتی ہے زمیں
پر ہمارے واسطے یاں منزل راحت نہیں
اس نے خط جو قلم سرمہ سے لکھا ہم کو
لکھا ایمائے خموشی ہے یہ گویا ہم کو
نہیں بگھی میں وہ فرنگی زاد
ماہ ہے منزل ہوائی میں

(نقاد)

ادب

تاریخ

گزشتہ پانچ سال پر ایک نظر

یہ امر بہت ہی قابل مسرت ہے کہ اب عام طور پر دیسی زبانوں کی طرف توجہ ہونے لگی ہے۔یوں تو جب سے انگریزی حکومت کا اس ملک میں قیام ہوا اور انگریزی تعلیم شروع ہوئی، دیسی زبانوں کا ذکر سرکاری احکام میں ہوا کیا، لیکن ان کی ترقی کی کوئی عملی کوشش سچے دل سے کبھی نہیں کی گئی اور جو کبھی ہوئی بھی تو اوپرے دل سے اور ناقص طور پر۔نہ تو سرمایہ کافی اور نہ کوئی صحیح اصول پیش نظر تھا۔اس میں شک نہیں کہ کلکتہ، دھلی اور لاہور میں اردو زبان کی ترقی اور اصلاح میں قابل قدر کام ہوا، لیکن انگریزی تعلیم کے بڑھتے ہوے شوق کے سامنے دیسی زبان کا چراغ نہ جل سکا۔نہ تو سرکار نے کبھی اس کے استحکام کا خیال کیا اور نہ اہل ملک نے اس کی طرف کچھہ توجہ کی۔اس زمانے میں ہماری زبان کی لاج کسی نے رکھی تو یہ وہ لوگ تھے جو انگریزی زبان سے تو ناواقف تھے مگر زمانے کے رخ کو خوب پہچانتے تھے۔یہ انہیں بزرگوں کا طفیل ہے کہ ہم اپنی زبان کی صلاحیت اور استعداد سے واقف ہوے اور ہم میں ہر قسم کے خیالات کے ادا کرنے کی قدرت پیدا ہوئی —

لیکن اب خود انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب میں اپنی زبان کا خیال پیدا ہونا شروع ہوا ہے اور یہ بہت اچھے آثار ہیں اور ملک میں بھی عام بیداری نظر آتی ہے اور لوگ اچھی چیزوں کے خواهش مند معلوم ہوتے ہیں۔ذوق بھی پہلے سے صحیح ہوتا جاتا ہے۔اور سب سے امید افزا بات یہ ہے کہ ملک کی یونیورسٹیوں پر بھی عام خیالات کا اثر پڑا ہے۔یہ اثر کچھہ تو کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کی وجہ سے ہوا، لیکن سب سے بڑا انقلاب اس خیال میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن نے پیدا کیا۔اب تک یہ خیال محال نظر آتا تھا کہ کوئی دیسی زبان بھی اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہوسکتی ہے، لیکن اب یہ مخالفت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے اور لوگ یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ ہماری زبانیں دنیا سے نرالی نہیں ہیں۔اصل یہ ہے کہ زبانیں کم و بیش سب ایک سی ہیں، زبان کا ترقی دینا زبان والوں کا کام ہے۔جیسے لوگ ہوں گے

ویسی ہی اُن کی زبان ہوگی۔ زبان کی حالت لوگوں کی حالت کا پیمانہ ہے چنانچہ اِن خیالات کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہر یونیورسٹی میں دیسی زبان پر پہلے سے زیادہ توجہ ہونے لگی ہے اور بعض امتحانات کے بعض مضامین میں دیسی زبان ذریعۂ تعلیم اور ذریعۂ امتحان قرار دی گئی ہے اور جہاں ایسا نہیں ہے وہاں اس کی کوشش جاری ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر تیج بہادر سپرو صاحب نے لکھنؤ یونیورسٹی کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر اپنے فاضلانہ خطبے میں یونیورسٹی کو اردو زبان کی ترقی و فروغ اور فارسی عربی کے ترویج کا مشورہ دیا۔ فاضل ڈاکٹر صاحب کا یہ مشورہ بہت ہی بر محل اور لکھنؤ کے حالات اور علمی شہرت کے نہایت مناسب تھا۔ ہمیں امید ہے کہ نہ صرف لکھنؤ یونیورسٹی بلکہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ' ہندو یونیورسٹی بنارس اور دہلی یونیورسٹی ڈاکٹر صاحب کے اس مفید اور بے لاگ مشورے کو بہ نظر غور دیکھیں گی اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گی —

پہلے زبان کی قسمت عربی فارسی دانوں کے ہاتھہ میں تھی۔ اس لئے عربی فارسی الفاظ اور ترکیبیں اس میں داخل ہوئیں۔ اِس زمانے میں انگریزی دانوں کا تسلط ہوا تو انگریزی الفاظ اور انگریزی ترکیبیں داخل ہونی شروع ہوئیں۔ کچھہ دنوں پہلے انگریزی الفاظ کی اس قدر بھر مار ہوی کہ زبان کھچڑی ہوگئی اور ڈرتھا کہ کہیں اردو ایک چھاؤنی سے نکل کر دوسری چھاؤنی میں نہ جا بسے مگر لوگ اب اِس سے احتراز کرنے لگے ہیں اور اسے بد مذاقی خیال کرتے ہیں اور اگرچہ انگریزی الفاظ کم استعمال ہونے لگے ہیں لیکن بعض اوقات اردو خود انگریزی ہوجاتی ہے۔ انگریزی الفاظ اور محاورات کے لفظی ترجمے اور انگریزی ساخت کی ترکیبیں ایسی بھونڈی ہوتی ہیں کہ اکثر اوقات اصل مفہوم کا سمجھنا دشوار ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھہ جملوں کی طوالت اور پیچیدگی عبارت کو اچھا خاصا ملغوبا بنادیتی ہے۔ ترجمہ بہت اچھی چیز ہے۔ اس سے زبان کو بہت مدد ملتی ہے۔ یہ فصل کو گھٹاتا اور وصل کو بڑھاتا ہے — یہ گویا دو ملکوں یا دو زبانوں میں ثالث بالخیر ہے۔ ایک کا درد دل دوسرے سے کہتا اور اِس کا حال اُسیر آشکارا کرتا ہے۔ اِس کی خوبیاں اُسے دکھاتا اور اِس کے کمال اُسے سمجھاتا ہے۔ لیکن مترجم پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اس کا کام بہت کٹھن ہے۔ اُسے اپنا کام بہت احتیاط، دلی شوق اور نہایت سچائی سے۔ کرنا چاہئیے۔ جو لوگ اس طرح کام کرتے ہیں اور اصل کے زور اور کمال کو قائم رکھہ کر اپنی زبان کے محاورے اور فصاحت کو ہاتھہ سے جانے نہیں دیتے، وہ زبان کے بڑے محسن ہیں۔ اُن کی کتابیں مقبول ہوتی ہیں اور زبان کے حق میں نعمت سمجھی جاتی ہیں۔ لیکہ جو مترجم مکھی پر مکھی مارتے ہیں

اور بے سوچے سمجھے لفظی ترجمے سے ورق کے ورق سیاہ کرتے ھیں، اُن کے ترجمے بہت جلد مردود ھوجاتے ھیں اور اُن کی کتابیں زبان کے ادب پر بار ھوتی ھیں، لیکن یہ خصوصیت اب ترجموں ھی کے ساتھہ نہیں رھی ھے تالیف وتصنیف میں بھی یہی رنگ نظر آتا ھے وجہ یہ ھے کہ نئے نئے خیالات جو مولف یا مصنف کو انگریزی یا کسی دوسری یورپی زبان کی بدولت حاصل ھوے ھیں یا نئی ترکیبیں جو اس نے ان زبانوں میں پڑھی ھیں، جب وہ انھیں اپنی زبان میں ادا کرنا چاھتا ھے تو وھی اصل لفظ یا جملے اس کی نظر میں ھوتے ھیں۔ اپنی زبان میں لکھتے وقت بلا تامل اور بلا ارادہ اُن کا لفظی ترجمہ لکھہ جاتا ھے اور سمجھتا ھے کہ مطلب ادا ھو گیا حالانکہ مطلب اُس کے دل میں ھے، لفظوں میں نہیں ھے۔ اور اس وجہ سے یہ مغالطہ ھوتا ھے کہ جو پڑھے گا سمجھہ جائیگا۔ اور حقیقت یہ ھے کہ پڑھنے والا خاک نہیں سمجھتا۔ اسی قسم کے جملے اور الفاظ اکثر ھماری نظر سے گزرتے ھیں اور یہاں اس کے نمونے بھی پیش کر سکتے تھے، لیکن کچھہ تو طوالت کے خوف سے اور کچھہ لکھنے والوں کے خیال سے ھم نے مثالیں پیش نہیں کیں۔ لیکن جو صاحب آج کل کے اخبار اور رسالے اور جدید کتابیں ملاحظہ فرماتے ھیں، وہ اس قسم کی عبارتوں سے نا آشنا نہیں۔ لیکن یہ ابتداے زمانہ ھے اور نو مشقی کی بات ھے۔ لوگ اب ان چیزوں سے بھی گھٹنے لگے ھیں اور امید ھے کہ رفتہ رفتہ اس میں بھی اصلاح ھو جائیگی —

خیر یہ تو انگریزی دانوں کا حال تھا اور وہ ایک طرح سے مجبور اور معذور ھیں لیکن جو انگریزی نہیں جانتے اور اس قسم کی عبارتیں لکھتے ھیں ان پر سخت تعجب ھوتا ھے۔ نہیں معلوم وہ کیا سمجھہ کر لکھتے ھیں۔ طرز تحریر بھی انسان کی طبیعت کا آئینہ ھوتا ھے۔ ممکن ھے کہ ان کی طبیعت ھی ایسی پیچیدہ واقع ھوئی ھو کہ وہ اسی قسم کے طرزتحریر کو پسند کرتے ھوں۔ یا ان کو اس نئے طرز تحریر میں کوئی خاص دلربائی نظر آتی ھو جو وہ اس کی نقل کرنے لگتے ھیں۔ اس قسم کی عبارت کا ایک نمونہ آپ اسی رسالے میں ایک کتاب کے تبصرے کے ضمن میں ملاحظہ فرمائینگے

بعض صاحبوں نے ٹیگور کی نظموں کے نثرترجمے کو دیکھہ کر اُسی قسم کی نثرلکھنی شروع کی ھے۔اور یہ ٹیگوری طرزکہلانے لگی ھے حالانکہ ڈاکٹر ٹیگور کبھی اس قسم کی نثرنہیں لکھتے۔ ان کی بعض نظموں کا ترجمہ انگریزی میں ھوا اور انگریزی سے اردو میں۔ نظم کا اچھا ترجمہ نثر میں کسی ڈھب سے کیوں نہ کیا جاے، اس میں نظم کی تھوڑی بہت شان ضرور رھتی ھے، ورنہ نظم کا لطف ھی جاتا رھے۔ یہ حضرات یہ سمجھے کہ

ٹیگور کی نثر ہی ایسی ہے - خیر اس میں کچھ مضائقہ نہیں ' یہ بھی ایک لطیف پیرایہ ہے لیکن یہ لطیف پیرایہ اُسی وقت تک ہے جب کہ خیالات بھی لطیف ہوں لیکن خالی خولی لفظ اور بے معنے جملے کہاں تک کام دے سکتے ہیں- یہ محض نقالی ہی نہیں بلکہ رکیک حرکت ہے —

اب ہم ایک سرسری نظر گزشتہ پانچ سال کے کارناموں پر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اردو زبان میں اس عرصے میں کیا کیا ہوا —

ادب اگر ہم ادب کو محدود معنوں میں نہ لیں (جیسا کہ بعض صاحبوں کا خیال ہے) تو ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ ذوق ادب ترقی پر ہے - لوگوں کی طبیعت میں جدت بھی پیدا ہو رہی ہے اور وسعت بھی' اور اس حلقے کو وسیع کرنا چاہتے ہیں جو اب تک ہماری شاعری اور نثر نے ادب کے گرد کھینچ رکھا تھا - بہر حال یہ ہلچل اس بات کا پتہ ضرور دیتی ہے کہ ہم حالت جمود میں نہیں ہیں - اس پانچ سال کے عرصے میں بہت سی ایسی نئی پرانی کتابیں شایع ہوئی ہیں' کئی ایسے شاعر پیدا ہوے ہیں جن کی وجہ سے ہمارے ادب میں کافی اضافہ ہوا ہے - مثلاً انجمن ترقی اردو نے نکات الشعرا جو میر تقی میر کی تالیف ہے اور اردو شعرا کا تذکرہ ہے اور تذکرہ شعرائے اردو تالیف میر حسن دہلوی شایع کیے ہیں - یہ دونوں تذکرے دو بڑے مسلم الثبوت شعرا کے لکھے ہوے ہیں اور اب تک نایاب تھے - اُن کے علاوہ دو جدید تالیفیں بھی قابل ذکر ہیں جو اسی نہج کی ہیں - ایک گُل رعنا مولفہ مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم ناظم ندوۃالعلماء اور دوسری شعرالہند مولفۂ مولوی عبدالسلام صاحب ندوی جو حال ہی میں لکھی گئی ہے - تذکرہ اعجاز سخن کا ذکر رسالہ اردو میں ہوچکا ہے - سیرالمصنفین بھی اسی ذیل میں آتی ہے جو مولوی محمدیحییٰ صاحب تنہا کی تالیف ہے اور جس پر اس رسالے میں تبصرہ ہوچکا ہے ---

ادب کی عام کتابوں میں ایک افادات مہدی ہے - جو مہدی حسن صاحب مرحوم کے مختلف مضامین ہیں جو ان کی اہلیہ نے جمع کرکے شایع کئے - سرگزشت الفاظ مولوی احمدالدین صاحب (لاہور) کی مرتبہ ہے - الفہرست' اردو کتابوں کی فہرست ہے جو مرزا سجاد بیگ صاحب نے مرتب کی ہے —

صاحبزادہ محمد عمر صاحب اور نور الٰہی صاحب خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اردو زبان میں ڈرامے کے رواج دینے کی بہت بڑی کوشش کی ہے - علاوہ روح سیاست' جان ظرافت' بگڑے دل' قزاق' ظفر کی موت کے جو یورپ کے اعلیٰ ڈراما نویسوں کے ناٹکوں کے ترجمے ہیں' انھوں نے ناٹک ساگر کے نام سے ڈراما کی ایک مبسوط اور مکمل تاریخ لکھی ہے - یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے

سید تفضل حسین صاحب نے تسخیر فرانس اور جولیس سیزر شکسپیر کے ڈراموں کے اچھے ترجمے کئے ہیں - سید سجاد حیدر صاحب نے ترکی سے ایک ڈرامے کا ترجمہ کیا ہے جو خوارزم شاہ کے نام سے شایع ہوا ہے —

کچھہ دنوں سے اردو رسالوں میں چھوٹے چھوٹے فسانے لکھے جا رہے ہیں - اگر لکھنے کا سلیقہ ہو تو چھوٹے فسانے بڑے کام کی چیز ہیں - فن لطیف کی یہ شاخ بہت قابل قدر ہے - ہم خوش ہیں کہ ہمارے ملک میں بعض انشا پردازوں نے اس طرف توجہ کی ہے - اِن میں سدرشن صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں - اُن کے چھوٹے فسانوں کے کئی مجموعے شایع ہوچکے ہیں --

جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، مرزا غالب کے کلام کی قدر بڑھتی جاتی ہے - ان کے کلام کے مختلف نسخے بہت پاکیزہ اور خوش خط شایع ہوے ہیں - مطبع نظامی (بدایوں) خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے کئی نسخے چھاپے ہیں - ایک نسخہ برلن سے شایع ہوا ہے - جو بہت خوبصورت اور پاکیزہ ہے - اس زمانے میں کئی نئی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں اور بہت سے عمدہ عمدہ مضامین ان کے کلام پر مختلف رسالوں میں شایع ہو چکے ہیں - اس کے علاوہ دیوان درد، انتخاب میر، کلام شاد، دیوان حسرت اور فانی بھی شایع ہوے ہیں - پروفیسر محمد الیاس برنی کے انتخابات شعرا بھی بہت مقبول ہوے ہیں - نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن نے ایک انتخاب " انتخاب زرین " کے نام سے شایع کیا اور نظیر کے کلام کا انتخاب " روح نظیر" کے نام سے سید محمد محمود رضوی (علیگ) نے شایع کیا - جواہرات حالی، کلیات حالی (حصۂ اول) - بانگ درا (اقبال کا اردو کلام) بھی اسی زمانے میں شایع ہوے - اقبال کے کلام کا ایک دوسرا مجموعہ حیدرآباد دکن سے بھی شایع ہوا ہے —

اس عرصے میں مکاتیب کا بھی بہت اچھا سلسلہ نکلا ہے - چنانچہ مکاتیب نواب محسن الملک و نواب وقارالملک، مکاتیب اکبر، خطوط سرسید، مکاتیب امیر مینائی، مکتوبات حالی چھپ کر شایع ہوچکے ہیں - خانگی خطوط سے انسان کی خصائل و عادات کے ایسے نازک پہلو اور چھپی ہوئی باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ اُس کے عام کاموں اور تحریروں سے نہیں معلوم ہوسکتیں - اس سے سیرت کے صحیح اندازے میں بہت بڑی مدد ملتی ہے —

اردو زبان کی لغت میں ایک کتاب نوراللغات لکھی گئی ہے - یہ پہلی جلد ہے اور اس میں صرف الف اور بے کے حروف ہیں - قاموس المشاہیر مطبع نظامی بدایوں سے شایع ہوئی ہے اس میں حروف تہجی کی ترتیب سے بڑے بڑے لوگوں کا مختصر تذکرہ ہے —

اصول وضع اصطلاحات ایک بے نظیر اور اعلیٰ درجے کی کتاب ہے جو انجمن ترقی اردو نے شایع کی - اس میں بحث یہ ہے کہ ہمیں اردو زبان میں کن اصول پر اصطلاحات بنانی چاہئیں-اس کے مصنف مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن ہیں - حال ہی میں انجمن کی طرف سے اصطلاحات علمیہ کی لغت شایع ہوئی ہے - اس میں مختلف علوم و فنون کی اصطلاحیں ہیں - انگریزی اصطلاح کے مقابل اردو مترادف الفاظ لکھدئے گئے ہیں - اس کتاب کی بیحد ضرورت تھی اور امید ہے کہ اہل فن کے لئے بہت کار آمد ہوگی - جو صاحب اردو زبان میں علمی کام کرنا چاہتے ہیں، انھیں یہ دو کتابیں اپنے پاس ضرور رکھنی چاہئیں -

اردو شاعری نے بھی اس عرصے میں بہت کچھ رنگ بدلا ہے - غزل گو شعرا اگرچہ تعداد میں اب بھی بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں اچھے کہنے والے بہت ہی کم ہیں - کچھ عرصہ پہلے مولانا حالی کی تقلید میں اکثر شعرا نے قومی شاعری کی طرف توجہ کی تھی اور اب وہ حکیمانہ شاعری کی طرف متوجہ ہوے ہیں - کامیاب اور حقیقی شاعر اب بھی بہت کم ہیں، لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اردو شاعری برابر ترقی کررہی ہے - اس زمانے میں محمد عظمت اللہ خاں صاحب نے اردو شاعری میں ایک نئی راہ نکالی ہے - ایک تو انھوں نے ہندی بحریں اختیار کی ہیں، دوسرے ہندی الفاظ کا بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے - تیسرے ہماری معاشرت کی خوب تصویر کھینچی ہے اگرچہ بعض لوگ ان کی شاعری سے ناراض ہیں، لیکن اُن کے بہت سے قدر دان بھی پیدا ہو جاتے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ ذوق شعر بھی کسبی شے ہے - نئے شاعروں میں ہم داؤد شہرانی صاحب کا بھی ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کی ایک بہت اچھی نظم "جوگن" اردو کے کسی رسالے میں شایع ہوچکی ہے - اِن کے علاوہ اور بہت سے نئے نئے شاعر پیدا ہوے ہیں جن میں سے بعض بہت ہونہار معلوم ہوتے ہیں -

تاریخ ناول اور فسانے کے بعد ہمارے ملک میں اگر کسی چیز کا شوق ہے تو وہ تاریخ ہے - تاریخ میں کتابوں کی تعداد خاصی ہے - ان میں مولانا شبلی مرحوم کی کتاب سیرۃالنبی خاص طور پر قابل ذکر ہے - اس کے علاوہ تاریخ الامۃ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں مرتب ہو رہی ہے جس کی چھہ جلدیں شایع ہو چکی ہیں - اسپین کی تاریخ پر کئی کتابیں عربی اور انگریزی سے ترجمہ ہوئیں - تزک بابری کا بھی اردو میں ترجمہ ہوگیا ہے - سررشتۂ تالیف و ترجمہ (جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) میں تاریخ کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں - جن کے نام یہ ہیں - تاریخ ہند حصہ اول، دوم، سوم و چہارم، تاریخ انگلستان (بکلے)، تاریخ انگلستان

(پانچ حصے) تاریخ روما - یونان شہنشاہی ' تاریخ یونان ' تاریخ یورپ (دو حصے) دستور انگلستان ' قسطنطنیہ ' ہندی مملکت برطانیہ ' قدیم تاریخ ہند ' ویدک انڈیا ' تاریخ ہند عہد برطانیہ ' رنجیت سنگھ ' ڈلہوزی ' ویزلی ' مادھوجی سندھیا ' بدھ متی ہند ' تاریخ اسلام —

ان کتابوں میں سوائے تاریخ ہند اور تاریخ اسلام کے باقی سب کتابیں انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہیں - تاریخ اسلام مولانا شرر کی اور تاریخ ہند مولوی سید ہاشمی کی تالیف ہے - تاریخ ہند تحقیق کے ساتھ خاص طرز پر لکھی گئی ہے —

نفح الطیب (خلافت اندلس کی تاریخ) انجمن ترقی اردو نے شایع کی - یہ عربی کتاب کا ترجمہ ہے - اور ہسپانیہ کی اسلامی تاریخ کا بہت بڑا ذخیرہ ہے —

اگرچہ تاریخ کا شوق ہمارے ملک میں بڑھتا جاتا ہے اور مسلمانوں کو اس سے خاص لگاؤ ہے ' لیکن اس زمانے میں کوئی کتاب اس پایہ کی نہیں لکھی گئی جو تحقیق و تفتیش کی رو سے خاص طور پر قابل قدر ہو —

معاشیات | اس علم کا چرچا بھی ہمارے رسالوں اور اخباروں میں آنے لگا ہے - اور جب سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی نے اپنی کتاب معاشیات پر لکھی ہے اور جب سے اس علم کی تعلیم جامعہ عثمانیہ میں ہونے لگی ہے ' اردو خواں اصحاب اس کا شوق سے مطالعہ کرنے لگے ہیں - " مبادی معاشیات " ذاکر حسین خاں صاحب کی تالیف جامعہ ملیہ اسلامیہ کی طرف سے شایع ہوئی اور معاشیات ہند اور اصول معاشیات دونوں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے شایع کیں - یہ دونوں انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہیں —

سیاسیات | اگرچہ ملک میں سیاسیات کا ایک ہنگامہ مچا ہوا ہے اور اس کی گرمی اب صرف خواص تک محدود نہیں رہی بلکہ عوام تک پہنچ گئی ہے ' لیکن ہماری زبان میں اس علم کا بہت کم سرمایہ ہے اور اس کمی کی ذمہ دار وہ جماعتیں ہیں جنہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے - اہل ملک میں علم سیاسیات کے صحیح اصول اور اس کی تاریخ کی اشاعت نہایت ضروری ہے - جو لوگ ملک میں سیاسی خیالات اور سیاسی جوش پیدا کر رہے ہیں ' اُن کا ایک بڑا فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زبان میں اس علم کا کافی سرمایہ جمع کر دیں تا کہ لوگوں کو مطالعہ اور غور کرنے کا موقع ملے اور دلوں میں صحیح خیالات راسخ ہو جائیں - اس زمانے میں محمد اجمل خاں صاحب بی اے (علیگ) نے ایک ابتدائی کتاب " سیاسیات " لکھی جو اوسط درجے کی معمولی کتاب ہے - جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ نے دو کتابیں شایع کیں - ایک تاریخ سیاسیات جو مسٹر پولک کی کتاب کا ترجمہ ہے - یہ ابھی

ابتدائی کتاب ہے مگر اچھی کتاب ہے۔ دوسری " علم السماسمت " ہے یہ بھی ترجمہ ہے —

سائنس | سائنس میں دو قسم کی کتابیں ہیں۔ ایک تو وہ جو عام اردو خوانوں کے لئے لکھی گئی ہیں اور جن کا طرز بیان سلیس اور دلچسپ ہے۔ ایسی دو کتابیں انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع ہوئیں۔ ایک بجلی کے کرشمے ' دوسری سرگزشت حیات۔ ایک اسی قسم کی کتاب " بادل کے بچے " پروفیسر فیروزالدین مراد نے لکھی اور " نیرنگ ارض " سید راحت حسین صاحب کی تالیف ہے۔ مگر زیادہ تر کتابیں سائنس پر جامعۂ عثمانیہ کے سررشتہ تالیف و ترجمہ میں لکھی گئیں جن کی تفصیل یہ ہے —

حرارت ' ہندسی مخروطات ' طبیعیات ' حرکت ' طبیعیات عملی ' آواز و روشنی ' ہندسی مجسمات ' نور، مقناطیس ' برق ' کیمیا ' عملی کیمیا ' ترسیمات و مساوات ' سکون و سیالات ' علم مثلث تحلیلی۔ یہ سب انگریزی کتابوں کا ترجمہ ہیں اور نصاب تعلیم کے لئے تیار کی گئی ہیں —

نفسیات | مبادی علم النفس اور علم الاخلاق یہ دونوں سررشتہ تالیف و ترجمہ نے شایع کی ہیں —

قانون | اصول شرع محمدی اور اصول دھرم شاستر دونوں سررشتۂ مذکورۂ بالا نے ترجمہ کرائیں —

طب | طب میں مولوی کبیرالدین احمد صاحب اڈیٹر المسیح جن کا تعلق طبیہ کالج دہلی سے ہے ' بہت اچھا کام کر رہے ہیں - ان کی منافع ، علم الجراحت اور لغت اصطلاحات وغیرہ بہت اچھی کتابیں ہیں — لاہور کے شمس الاطبا غلام جیلانی صاحب نے بھی ایک دو کتابیں بہت اچھی لکھی ہیں —

دارالترجمہ (جامعہ عثمانیہ) میں بھی مغربی طب کی کتابیں ترجمہ ہونی شروع ہوی ہیں - ابھی تک کوی کتاب شایع نہیں ہوی —

جامعہ عثمانیہ کے سررشتۂ تالیف و ترجمہ میں ' جو زیادہ تر دارالترجمہ کے نام سے مشہور ہے ' ابھی تک صرف ترجمہ کا کام ہوا ہے اور سوائے تاریخ ہند کے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کسی فن یا علم میں کوئی کتاب تالیف یا تصنیف نہیں ہوئی - غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک اسے نصاب کی کتابوں سے فراغت نہیں ہوئی - نصاب کے لئے ترجمہ کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ کتابیں ام و بیشتر وہی رکھی گئی ہیں جو دوسری یونیورسٹیوں میں ہیں اور جو مستند لوگوں یا ماہرین فن کی لکھی ہوئی ہیں - فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں انگریزی میں ہیں اور یہاں اردو میں - ممکن ہے کہ جب کبھی ہمارے ملک میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو ماہرین فن ہوں اور ہمارے ہی ملک

میں نہیں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی علم وفضل کی وجہ سے عزت و امتیاز کی نظر سے دیکھی جائیں ' تو اس وقت نصاب تعلیم کے لئے اُن سے کتابیں تالیف کرائی جائیں ' لیکن یہ دن ابھی دور ہے لیکن بعض علوم اور بعض علمی کام ایسے بھی ہیں کہ جن میں ہمارے اہل ملک تصنیف و تالیف کر سکتے ہیں اور اگر تحقیق اور محنت سے کام کیا جائے تو غالباً اُن کی کتابیں دوسرے ممالک میں بھی مستند سمجھی جائیں-ہمیں امید ہے کہ یہ سررشتہ جس میں بہت سے اہل علم کام کر رہے ہیں اس طرف ضرور توجہ کرے گا-اب رہا ترجمہ ' اس کی نسبت ہم یہاں کچھہ لکھنا نہیں چاہتے-اس سررشتہ کے کام اور ترجمہ کے متعلق ہم کسی وقت ایک مفصل تبصرہ لکھیں گے--

اب تک ہم نے کتابوں کا ذکر کیا تھا ' مگر آخر میں ہم ایک ایسے بزرگ کا ذکر کرتے ہیں جس کی قلم سے کتابیں بارش کی طرح برستی ہیں-یہ خواجہ حسن نظامی صاحب ہیں-جو اپنی دعوت کو قلم کے ذریعہ سے شایع کر رہے ہیں-اور خود اُن کی قلم سے اور اُن کی نگرانی میں مختلف حیثیت اور مختلف قسم کی کتابیں لکھی جاتی ہیں-ادب ' تاریخ ' معاشرت ' مذہب ' تصوف وغیرہ میں اُن کی تالیفات موجود ہیں-اور اسی کے ساتھہ متعدد رسالے اُن کی سرپرستی میں ہیں-اگرچہ کثرت تحریر سے اُن کی فصاحت اور حسن میں فرق آگیا ہے مگر اُن کی مستعدی اور ہمت قابل داد ہے-کچھہ بھی ہو لوگ اُن کی تحریروں سے ضرور مستفید ہوتے ہیں اور اکثر پسند کرتے ہیں-وہ نہ کسی کی نکتہ چینی کی پروا کرتے ہیں اور نہ کسی کے مشورے کی اور بے کھٹکے اپنا کام کئے چلے جاتے ہیں--

اردو رسالے

اس پانچ سال کے عرصے میں اردو رسالوں کی تعداد میں غیر معمولی اور حیرت انگیز ترقی ہوئی اور شاید کوئی سہ ماہی ایسی جاتی ہوگی کہ ایک دو نئے رسالے نہ شایع ہوتے ہوں-اگرچہ اکثر ایسے ہیں کہ کچھہ دنوں کے بعد مالی حالت کی خرابی یا علمی بے مائیگی کی وجہ سے بند ہوجاتے ہیں لیکن جدید رسالوں کا نکلنا برابر جاری ہے-ان میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی-اگرچہ اُن کے خریداروں کی تعداد اتنی نہیں کہ اس سے اردو کے بہی خواہوں کو خوشی ہو تاہم وہ برابر کوشش کئے جارہے ہیں اور ہمت نہیں ہارتے اس میں بلا شبہ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبان کے سچے عاشق اور گرویدہ ہیں اور اُس کی ترقی اور اشاعت کے لئے ہر قسم کا ایثار کرنے کو تیار ہیں اور بے شبہ ایسے بھی ہیں جو ایڈیٹری کے خوش آیند منصب کے لئے سب کچھہ تج دینے کے لئے آمادہ ہیں-اڈیٹری کا نشہ دولت اور حکومت کے نشے سے کچھہ کم نہیں-بعض بدمست نقصان اٹھا چکے ہیں اور اٹھارہے ہیں مگر وہ اس پر ایسے مٹے ہوے ہیں کہ اُن

کی وارفتگی کا کوئی نتیجہ ہویا نہو وہ اس کے چھوڑ نے کے لئے کسی طرح رضامند نہیں
ہم اُن کی اس ہمت کی داد دیتے ہیں —

اس مدت میں جو نئے رسالے جاری ہوے ہیں اُن کا شمار کرنا ممکن نہیں تاہم نگار، ہمایوں، جامعہ، شمع، نیرنگ خیال، پیمانہ وغیرہ اچھے خاصے چل رہے ہیں - لیکن کافی خریدار نہونے کی شکایت ان سب کو ہے - گو حالت کیسی ہی ہو اس میں شک نہیں کہ اِن رسالوں نے ادبی ذوق ضرور پیدا کردیا ہے - لیکن ان پر بڑی ذمہ داری ہے ذوق سلیم پیدا کرنے کے لئے بڑی کاوش اور محنت کی ضرورت ہے کیا اچھا ہو اگر ایک ہی رسالہ ادبی، تاریخی، اخلاقی، طبی وغیرہ ہونے کے بجائے خاص خاص شعبوں کے رسالے الگ الگ ہوں - کوئی تاریخی ہو کوئی تعلیمی ہو، کوئی فلسفیانہ ہو، کوئی ادبی ہو، کوئی معاشی ہو، تاکہ ہر مذاق کا سامان ہو اور لکھنے والے محنت اور غور سے لکھیں - خاص خاص فن کے بھی بعض رسالے ہیں - مثلاً طبی، تعلیمی، بچوں کے رسالے، عورتوں کے رسالے - لیکن کامیابی کے ساتھ بہت کم چلتے ہیں - رسالے کی کامیابی زیادہ اڈیٹر کی لیاقت اور محنت پر ہے - اگر خاص خاص شعبوں کے صرف چند رسالے ہوں اور بجائے جدا جدا نکالنے کے انہیں کو کامیاب اور اور بہتر بنانے کی کوشش کی جائے تو زبان اور ملک کے حق میں بہت بہتر ہوگا - لیکن موجودہ حالت میں یہ مشکل نظر آتا ہے کیونکہ کوئی اڈیٹر بھی [جو اکثر مالک بھی ہوتا ہے) اس ایثار پر رضا مند نہوگا کہ اپنی شخصیت کو دوسرے میں ضم کردے - جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی اچھی طرح نہیں چلتا —

کتابوں کی بکری | رسالوں ہی کی بکری کی شکایت نہیں، کتابوں کی بکری کا بھی یہی حال ہے - جس قدر جس کا علمی پایہ بلند ہوتا ہے اُسی قدر کم بکتی ہے - اندازہ یہ ہے کہ اوسط درجے کی اچھی کتاب سال میں ایک ہزار بھی نہیں بکتی - ہمارے ملک میں کوئی شخص (الاماشاءاللہ) صرف تصنیف و تالیف پر زندگی نہیں بسر کرسکتا - یہ کساد بازاری کچھہ تو عام جہالت کی بدولت ہے اور کچھہ بدذوقی کی وجہ سے - حالت یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی کتاب کے ایک ہزار نسخے بکنے کے لئے کئی سال درکار ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ملک میں ایسے دارالاشاعت ناپید ہیں جو اچھے مصنفوں اور مترجموں کی دستگیری کرسکیں - بعض لوگ درحقیقت اچھا علمی ذوق رکھتے ہیں، لکھنے کا بھی سلیقہ اچھا ہے، لیکن وہ اپنی محنت اور دماغ سوزی کو کہاں لے جائیں کہ انہیں بھی اپنی محنت اور مشقت کا صلہ ملے اور ملک بھی اس سے مستفید ہو —

یورپ، روس ایک ایسا ملک تھا جو جہالت میں ضرب المثل تھا اور جہاں خواندہ اشخاص کی تعداد ہندوستان سے بھی کم تھی - لیکن جب سے سوویت حکومت

کا دور دورہ ہوا، سارے ملک کی کایا پلٹ ہوگئی - یوں بالشوکوں کی برائی ساری دنیا کرتی ہے اور کوئی عیب اور خرابی ایسی نہیں جو اُن میں نہ بتائی جاتی ہو، لیکن جب ہم اُن کی تعلیمی اور علمی ترقی کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی حکومت ایسی نہیں جو اس کی همسری کا دعویٰ کرسکے - صرف ایک شہر ماسکو میں کتابوں کے ۳۸۸ اشاعت خانے ہیں - لینن گریڈ میں ۵۹۵ ہیں اور کل ملک میں ایک هزار - بعض اُن میں بہت بڑے بڑے ہیں - وہاں کی اسٹیٹ پبلشنگ کمپنی یعنی سرکاری کمپنی دنیا کا سب سے بڑا اشاعت خانہ ہے - اس نے سنہ ۱۹۲۴ ع میں دو کروڑ ستر لاکھ کتابیں شایع کیں - اس کمپنی کی بعض کتابیں اس کثرت سے بکتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے - مثلاً گزشتہ دو سال میں لینن کی تصانیف کے (جو یکجا طبع کی گئی تھیں) نوے لاکھ نسخے فروخت ہوے - بخارن جو مارکس کے فلسفے کے گہرے مسائل سے بحث کرتا ہے اس کی تصانیف کے نسخے سنہ ۱۹۲۴ ع میں ایک لاکھ پینتالیس ہزار بکے اور سنہ ۲۵ ع کی پہلی ششماہی میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار - ان مصنفین کی نسبت تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ملک کے رہنما ہیں اور قوم اِن کی پرستش کرتی ہے - لیکن عام طور پر بھی اہل روس میں آج کل مطالعہ کا شوق بیحد بڑھ گیا ہے - چنانچہ اس کمپنی کے رجسٹروں کے معائنہ سے یہ معلوم ہوا کہ سنہ ۱۹۲۴ ع میں آسان اور عام دلچسپی کی کتابوں میں سے بحساب اوسط فی کتاب کی بکری آٹھ ہزار تین سو تھی، سیاسی معاشیات کی کتاب کی انیس ہزار اور سوویٹ حکومت کے مسائل کی اور سیاسی کتاب اکیس ہزار - اس سے اُن کے شوق اور مذاق کا بھی پتہ لگتا ہے - حالانکہ وہاں سنسر کی اس قدر سختی ہے کہ معمولی اشتہار اور کوئی پرزہ تک بغیر سنسر کی منظوری کے نہیں چھپ سکتا، اس پر یہ حال ہے - یہ زیادہ تر شہروں کی حالت ہے - اس معاملے میں دیہات کی حالت وہاں بھی خراب ہے - لیکن اب کوشش کی جارہی ہے کہ دیہات سے بھی جہالت کی تاریکی دور کی جاے اور اس کوشش میں کامیابی کے آثار ابھی سے نظر آرہے ہیں —

یہ حال اُس ملک کا ہے جہاں چند سال پہلے توهمات و تعصبات اور جہالت کا ابر چھایا ہوا تھا اور جہاں عمداً عام لوگوں کو جاہل رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی - چند ہی سال میں حالت کیا سے کیا ہوگئی ہے - یہ سچے جوش اور سچی حب وطن کی کرامات ہے - ہم پچاس سال میں بھی اتنا نہ کرسکے جو روس والوں نے چند سال میں کر دکھایا ہے - یہ مسئلہ غور کے قابل ہے اور خاص کر اُن لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ میں علم کی اشاعت کا کام ہے —

جلال الدین خوارزم شاہ

(ضخامت ۳۷۹ صفحے کتابت و طباعت عمدہ۔ کاغذ رسمی قیمت سرورق پر ایک روپیہ ۱۲ آنہ درج ہے۔ مگر دوسرے صفحہ کے اشتہار میں ۱ روپیہ ۸ آنہ لکھی ہے۔ ملنے کا پتہ دارالاشاعت پنجاب ۱۹۵ ریلوے روڈ لاہور) ــــ

اِس کتاب کے لئے جہان اردو سید سجاد حیدر صاحب کا مرہون احسان ہے کیونکہ برسوں چلے کھینچے تب کہیں یہ ترکی پری اردو کے شیشہ میں اُتری۔ اور اب زیور طبع سے آراستہ ہو کر سلسلۂ کہکشان کے توسط سے بزم اردو میں آتی ہے۔

سید سجاد حیدر

سید سجاد حیدر اردو کے مشہور انشا پرداز ہیں۔ اور ان کی ذات تقریب کی رسم سے مستغنی ہے۔ اُن کے نام کے ساتھ۔ بی۔ اے۔ لکھنا ان کی فضیلت اور کمال کا اظہار نہیں۔ بلکہ یہ اس ڈگری کے لئے موجب افتخار ہے۔ یہ کہنا کہ وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے رجسٹرار ہیں۔ ان کی شہرت میں کوئی اضافہ نہیں کرتا البتہ یونیورسٹی کا حسن انتخاب ضرور قابل داد ہے ــــ

نامق کمال بک

اس کتاب کا مصنف نامق کمال بک ترکوں میں اعلے درجہ کا ادیب اور نامور شاعر اور ڈرامانویس تسلیم کیا جاتا ہے۔ سنہ ۱۲۵۶ ہجری میں تکفور طاغی میں پیدا ہوا جہاں اس کا نانا ایک معزز عہدے پر ممتاز تھا۔ اس کی پیدائش پر عارف افندی نے جو اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا اس کی ولادت کی تاریخ کہی جس کا ایک مصرع یہ ہے ــــ

" ایروی شرف بود ھرہ محمد کمال ایلہ " یعنی اس زمانے نے محمد کمال کے پیدا ہونے سے عزت و شرف حاصل کیا " یہ پیشین گوئی آیندہ چل کر پوری ہوئی ــــ

نامق کمال بے بلحاظ حسب و نسب بھی ترکوں میں امتیاز اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کا دادا کپتان راتب پاشا ترکی زبان کے نامور شعرا میں گذرا ہے۔ کپتان احمد راتب پاشا کا باپ طوبال عثمان پاشا بھی سلطنت عثمانیہ کے مشہور وزرا میں شمار کیا جاتا ہے۔

نامق کمال بے کی ابتدائی تعلیم مدرسۂ بایزید میں ہوئی جہاں وہ چند سال تک تعلیم پاتا رہا۔ اس کے بعد وہ کسی اتفاق سے ایک دوسرے مدرسہ میں داخل ہوا جو مدرسہ والدہ کے نام سے مشہور ہے لیکن یہاں اس نے چند ہی مہینے تعلیم پائی اور سنہ ۱۲۶۸ ہجری میں جب کہ اس کی عمر بارہ سال کی تھی وہ اس مدرسہ کے چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اس کے باپ مصطفیٰ ناصم بے کو کسی ضرورت سے قارصہ کی طرف جانا پڑا۔ اور نامق کمال بے کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ مدرسہ کی

تعلیم بس یہیں ختم ہوتی ہے - اس کے بعد صاف نظر آتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی شوق سے مختلف علمی کتابوں کے مطالعہ پر جھک پڑا - اور جو مرتبہ اس نے بعد میں حاصل کیا وہ صاف ثبوت اس بات کا ہے کہ مدرسوں کی تعلیم سے ایسے بلند مرتبہ مصنف نہیں پیدا ہو سکتے جیسے اپنی محنت اور کوشش اور ذاتی مطالعہ سے ہو سکتے ہیں —

جوانی کے آغاز میں سب سے پہلے اس نے شاعری کی طرف توجہ کی اور نہایت عمدہ عمدہ قصیدے ترکی زبان میں لکھے - قسطنطنیہ کے باشندے اس کے اشعار کو بہت پسند کرتے تھے اور جا بجا مجلسوں اور قہوہ خانوں میں اس کے اشعار پڑھے جاتے تھے - اور لوگ اس کی جودت اور ذہانت کو دیکھکر دنگ ہو جاتے تھے - شاعری میں اس کی بلند پروازی کا یہاں تک چرچا ہوا کہ ترکوں نے اس کو نامق کے لقب سے ملقب کر دیا —

سنہ ۱۲۷۷ ہجری میں نامق کمال بے' باب عالی میں فرانسیسی سے ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کی خدمت انجام دیتا تھا - اس زمانے میں علامہ شناسی افندی نے جو ایک مشہور ترکی انشا پرداز اور ادیب تھا' ترکی زبان میں ایک اخبار جاری کیا تھا - اس اخبار کا نام "تصویر افکار" تھا - نامق کمال بے اس اخبار میں مضامین بھی لکھتا تھا اور اپنے عہدے کے علاوہ ترجمہ کی خدمت بھی انجام دیتا تھا —

سنہ ۱۲۸۱ ہجری میں علامہ شناسی افندی مالک اخبار "تصویر افکار" کو پیرس دارالخلافہ فرانس کی طرف جانے کی ضرورت پیش آئی - اور اس نے نامق کمال بے سے بہتر کسی شخص کو اس اخبار کی ایڈیٹری کا اہل نہ سمجھا - اس وقت نامق کمال بے پچیس سال کا نوجوان تھا اور اس کی لیاقت اور قابلیت بھی عین شباب پر تھی - اس نے اخبار کو ہاتھ میں لیکر اس میں ایسے ایسے عمدہ مضامین تحریر کیے کہ اُس زمانے کے ترکی انشا پرداز اُن کو دیکھکر دنگ رہ گئے - اس نے اخبار کی ایڈیٹری کے سبب سے مجبوراً شاعری کے مشغلے کو ترک کرنا پڑا —

تصویر افکار کا ایڈیٹر ہو کر نامق کمال بے سیاست اور اخلاق پر جھک پڑا - اور اس نے ترکی زبان بولنے والوں میں اپنے اخلاقی اور ملکی مضامین سے زندہ دلی کی ایک نئی روح پھونکنی شروع کی - اس نے اپنی لطیف اور فصیح انشا پردازی سے بہت جلد اُن کی آنکھیں کھولدیں - اُس نے ترکی زبان کو ایک نیا اور خوشنما لباس پہنایا - چنانچہ یہ زبان اب فرانسیسی زبان کی طرح بے حد لچکدار اور نازک و لطیف اور ہر قسم کے مطالب اور مضامین کو ادا کرنے پر قادر ہو گئی —

وہ کتابوں کا مطالعہ اس کثرت سے کرتا تھا کہ اس نے کوئی کتاب ترکی ہو یا فارسی' چھپی ہوئی ہو یا قلمی' ترکوں کی تصنیف سے ہو یا جرمنی' فرانسیسی

اور انگریزی زبانوں سے ترجمہ کی گئی ہو' مطالعہ کئے بغیر نہیں چھوڑی - وہ کتابوں کو نہایت غور سے پڑھتا تھا اور اُن کے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتا تھا - اس کا حافظہ اس بلا کا تھا کہ کوئی چیز جو اس نے دیکھی ہو یا کوئی بات جو اس نے سنی ہو' اس کو کبھی نہیں بھولتا تھا - اس کو فارسی' ترکی' عربی' اور فرانسیسی زبان کے ہزاروں اشعار ازبر تھے - وہ فقہ اور علم کلام میں کمال رکھتا تھا اور ان علموں کے باریک سے باریک اور نازک سے نازک مضامین کو خوب سمجھتا تھا - اُس نے علم قوانین کی تعلیم فرانس کے مشہور عالم پروفیسر امیل افولا سے پائی تھی اور تاریخ کا تو وہ بہت بڑا اور مستند عالم تھا اور اس زمانے کے ترکی مورخوں میں سے کوئی بھی اِس فن میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا

تصویر افکار' میں جو مضامین اس کے قلم سے نکلے ہیں اُن میں سے بہت سے اعلیٰ مضامین علیحدہ شائع کیے گئے ہیں - ان کے علاوہ اس کے بہت سے خطوط بھی جو اُس نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں اور جن میں فلسفہ اور ادب کی مفید معلومات ہیں' ایک مجموعہ کی شکل میں طبع کیے گئے ہیں - مضمون نویسی اور انشا پردازی کی اثنا میں اُس نے دولت عثمانیہ کی ایک بہت بڑی تاریخ بھی لکھنی شروع کی تھی - اس تاریخ میں اُس نے سلطنت عثمانیہ کی قوت اور عظمت اور قدیم زمانے سے آج تک کے واقعات اور انقلابات کو بیان کرنا چاہا تھا - اُس تاریخ کا ایک نہایت عمدہ مقدمہ بھی اُس نے لکھا تھا - جس کو ہم تاریخ اسلام کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں کیونکہ اُس میں عہد نبوت سے آغاز سلطنت عثمانیہ تک اُن تمام تاریخی واقعات کو جو مسلمانوں کے متعلق تھے' بیان کیا ہے اور ایشیا' افریقہ اور یورپ میں اُن زمانوں میں جو واقعات اور حالات گذرے' اس کا ذکر بھی ساتھہ ساتھہ کرتا گیا ہے - یہ مقدمہ تقریباً پندرہ سو ورق پر ہے - مگر افسوس ہے کہ ان کی اشاعت کے دوسرے ہی دن بعض حاسدوں کی شرارت سے اس کا مطالعہ کرنا سلطنت علیہ کی طرف سے ممنوع کر دیا گیا ..

۲۸ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۶ھجری کو خلاق کی بیماری میں دس روز بیمار رہ کر یہ مشہور ترکی ادیب راہگراے عالم جاودانی ہوا —

ماخوذ از معارف مرحوم بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰

فقدان مقدمہ

اس بات کی ناگزیر ضرورت تھی کہ اس عروس سخن کو ایک بسیط تقریب رونمائی میں ملتی - اور ہمیں مشاطۂ اول یعنی جناب نامق کے سوانح حیات' ان کے کلام کے جوہر' ان کی انشا کی خصوصیات اور ڈراموں سے آگاہ کیا جاتا اور کچھہ نہیں تو اتنا ہی بتا دیتے کہ آیا یہ ڈراما ترکی سٹیج پر تمثیل بھی ہوا یا نہیں - کہیں یہ وہی ڈراما تو نہیں جو قسطنطنیہ میں " وطن " کے نام سے

سٹیج ہوا اور پہلی ہی نمائیش میں ضبط ہوکر مصنف کی جلا وطنی کا سبب بنا۔ اتنی مطول کتاب پر چار سطر کا دیباچہ لکھنا، کتاب، مصنف، مترجم، اور ناشران سلسلۂ کہکشان کسی کے شایان شان نہیں—

سلسلۂ کہکشان

دارالاشاعت پنجاب نے اردو زبان کی جوگراں قدر خدمت کی اس کا ذکر مطلوب نہیں ۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب شیخ عبدالقادر صاحب نے مخزن مرحوم کے سر سے اپنا دست شفقت اٹھا لیا اور اردو کی یہ سبھا بگڑ گئی تو سنہ ۱۹۱۸ ع میں اسی دارالاشاعت نے رسالۂ کہکشان جاری کرکے مخزن کے مضمون نگاروں کی جولانی طبع کے لئے نیا میدان پیدا کر دیا۔ چنانچہ سید سجاد حیدر یعنی مخزن کے یلدرم بغدادی نے کہکشان کی اشاعت ہی میں جلال الدین خوارزم شاہ کا کچھہ حصہ شائع کرا کے مہر سکوت توڑی۔ یہ کتاب کچھہ عرصہ تک اسی طرح شایع ہوتی رہی۔ لیکن ابھی تکمیل کی نوبت نہ آئی تھی کہ سنہ ۱۹۲۰ ع میں کہکشان اپنے مدیر سید امتیاز علی صاحب کی دیگر علمی مصروفیتوں کی نذر ہوگیا۔ انہیں دنوں میں دارالاشاعت نے "سلسلۂ کہکشان" کے نام سے کتابوں کی اشاعت شروع کی۔ جلال الدین خوارزم شاہ، زیر تبصرہ اسی سلسلہ میں شایع ہوا ہے۔ علی گڈھ میگزین نے بھی اسے بالاقساط شایع کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا مگر وہاں بھی یہ کتاب پروان نہ چڑھی—

تاریخی ڈرامے کی حقیقت

اس کتاب کا سر ورق اِس بات کا بھی اعلان کرتا ہے کہ یہ ایک تاریخی ڈراما ہے۔ ہمارے عندیہ میں تاریخی ڈراما ایک اسم بے مسمیٰ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ اس کی بنااگرچہ کسی تاریخی واقعہ یا شخصیت کے سوانح حیات پر ہو سکتی ہے لیکن وہ بذاتہ کسی واقعہ کی تاریخ یا کسی شخص کی لائف کا کام نہیں دیتا۔ اس لئے ڈرامے سے تاریخ کی آئینہ برداری کی توقع عبث ہے۔ ڈراما ایک آزاد فن ہے اور ایسا آزاد کہ کسی اور فن کے سامنے جھکنا جانتا ہی نہیں۔ بلکہ اس نے ایسی شاہانہ طبیعت پائی ہے کہ ہر فن کو اپنی خدمت کے لئے دست بستہ دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اس بات کا روادار نہیں کہ کوئی خادم اس قدر حد اعتدال سے بڑھ جائے کہ مطلقاالعنانی کے خواب دیکھنے لگے۔ کام لیا اور رخصت۔ یہاں تک کہ اس کا تاریخ کی روایت میں تعریف کرنا بھی قابل گرفت نہیں جذبات کی متحرک تصویر پیش کرنا ڈراما کا فرض ہے۔ تاریخ سے بھی وہ جذبات کی تڑپ اُٹھائے گا اور اس کے دیگر لوازمات کو مس تک نہ کرے گا۔ یہ بحث ایک علحدہ مضمون چاہتی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ مگر یہ ڈراما حقیقی معنوں میں تاریخی ہے ۔ کہ اس میں ڈراما خادم ہوگیا ہے اور تاریخ مخدوم۔ قابل مصنف نے

واقعات کی صراحت پر ڈرامے کے لوازمات کو قربان کردیا ہے جس سے یہ کتاب تاریخ کے تو قریب پہنچ گئی ہے مگر ڈراما سے اس قدر بعد ہوگیا ہے کہ اسے ڈراما کہنے کو جی نہیں چاہتا-ڈراما چاہتا ہے کہ ہر واقعہ کو عملاً کرکے دکھایا جائے کسی واقعہ کو صرف لفظوں سے تذکرے کے طور پر بیان کرنا اس کی تعمیر ہی کے خلاف ہے اس حکایت راویانہ کی مداخلت بیجا سے ڈراما، ڈراما نہیں رہتا، بلکہ ناول یا تاریخ میں تبدیل ہوجاتا ہے-چونکہ ڈرامے کے پلاٹ کی نزاکت مورخانہ تفصیل کا تکلف نہیں سنبھال سکتی تھی اس لئے جناب مصنف نے جلال الدین کے خاندان اور تاریخ اسلام کے سینکڑوں واقعات تذکرتاً بیان کرکے تاریخ کو کسی حد تک مکمل کردیا ہے، مگر ڈراما کا عنصر فنا ہوگیا ہے-اگر ان واقعات کو جو اس طرح دوہرائے ہیں کتاب سے نکال باہر کیا جائے تو دنیا بھر کے لٹریچر کا یہ مطول ترین ڈرامہ پچاس ساٹھ صفحوں میں سما جائے-چاہئے تو یہ تھا کہ اسے جلال الدین کی زندگی تک محدود رکھکر اس کے کریکٹر کے ارتقا کو واضح کیا جاتا، مگر یہاں خصائل نگاری کا کسی کو دھیان نہیں، فقط تمام اسلامی تاریخ کو چند صفحوں میں لے آنا مقصود ہے —

تاریخی حیثیت

یہ ڈراما اسلامی تاریخ کے اس واقعہ پر مبنی ہے کہ محمد نامی ایک شخص نے شاہان سلجوقیہ کی نظر عنایت سے خوارزم کی حکومت اور خوارزم شاہ کا لقب حاصل کیا- اس خاندان میں سات پشتوں تک حکومت رہی اورعلاءالدین محمد اور اس کا بیٹا جلال الدین نوکوتی آخری فرماں روا ہوے-علاءالدین کی کشور کشائی نے اس کی سلطنت کو بہت وسیع کردیا-اور اس کا ڈانڈا ایک طرف چین سے جا ملا اور دوسری طرف رے سے آگے نکل گیا- اب اس کی امنگوں نے پاؤں نکالے- اور اس نے خلیفہ بغداد کو لکھا کہ خلیفہ کے نام کے بعد سلجوقیوں کے بجائے اس کا نام خطبے میں داخل کیا جائے-خلیفہ نے نہ مانا تو اس نے اپنے ہاں بھی خلیفہ کا نام خطبے سے نکال ڈالا-اس بات نے شدید مخاصمت کی صورت اختیار کر لی- جس نے بالآخر دونو سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی- تاریخ اسلام میں یہہ واقعہ خاص اہمیت رکھتاہے کہ فتنۂ تاتار کو بیدار کرنے میں اس عداوت کا بہت بڑا حصہ ہے-بعض مورخین کی راے میں خود ناصر خلیفۂ بغداد نے چنگیز کو علاءالدین پر حملہ کرنے کا ایما کیا اور سلطنت کی قہر کی پہلی اینٹ ہلائی- عین ممکن ہے کہ یہ روایت درست ہو-مگر چنگیز کے حملہ کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس نے ایک وفد کی وساطت سے علاءالدین کے ساتھہ تاجرانہ تعلقات قائم کرنے کا معاہدہ کیا-اور دو تین سال تک اس پر عمل در آمد ہوتا رہا-سنہ ۶۱۵ میں تاتاری تاجروں کاایک قافلہ مقام سرداریا میں آیا-

اوروھاں کے والی نے علاءالدین کو لکھاکہ چنگیز کے جاسوس تاجروں کے بھیس میں یہاں آئے ہیں ان کے متعلق حکم مناسب سے سر فراز فرمایا جائے۔ حکم ہواکہ سب کے سر قلم کردو۔ چنانچہ غائر خاں نے ایک ایک کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور ان کا مال و متاع ضبط کر کے فروخت کر دیا - چنگیز کو خبر پہنچی تو اس نے لکھا کہ یہ کارروائی سرا سر معاہدہ کے خلاف ہے مناسب ہے کہ سارا سامان مع غائرخاں کے سفیر کے ھاتھہ روانہ کیا جاے - علاءالدین نے سفیر کو قتل کردیا - اسپر چنگیز نے حملہ کردیا - علاؤالدین نے بغیر لڑائی لڑے راہ فرار اختیار کی - اِس حالت میں بھی کہ خون آشام دشمن دباے چلا آتا تھا اُس نے دور شراب کے تسلسل میں فرق نہ آنے دیا - یہی وجہ ہے کہ باوجود عظیم‌الشان فوج رکھنے کے وہ مدافعت نہ کرسکا - بھاگتے بھاگتے بحیرۂ طبرستان کے ایک جزیرہ میں جاچھپا اور وھیں وفات پائی اس کے زمانے میں چنگیز خاں فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا تولی خاں تخت نشین ہوا - اور اُس نے آخری خوارزم یعنی شاہ جلال‌الدین کے استیصال کے لئے فوج متعین کی - اور جلال الدین یکہ وتنہا ۱۱ سال تک اس سیل بلا کا مقابلہ کرکے سنہ ۶۲۸ میں اس کی موجوں میں بہ گیا - تاتاریوں کے راستے سے یہ سد سکندری ہٹ گئی تو بغداد اوردیگر اسلامی سلطنتوں کی تباھی مسلم تھی ۔ ماخوذ از تاریخ الامت اسلم جیراج پوری حصہ پنجم

ڈرامے کا پلاٹ | اِن تاریخی واقعات سے ایک ڈرامے کا پلاٹ نہایت آسانی سے اخذ ہو سکتا تھا - مگر جب فن کو نظر انداز کر کے تاریخ کو مکمل کرنا مدنظر خاطر ہو تو ڈرامے کے پلاٹ کا قائم ہونا معلوم - تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جلال الدین کا دل مجاہدانہ سر فروشی، حریت اور تحفظ ملت کے جذبات سے لبریز ہے - ڈرامے کو فقط انہیں جذبات کی نمائش کرنا ہے اور اس مدعا کے حصول کے لئے وہ مختار ہے کہ جہاں تک چاہے تاریخ کی پیروی کرے اور جہاں ضرورت ہو اپنی طرف کچھہ ملادے - غرض خواہ کچھہ بھی ہو جذبات کی تڑپ میں فرق نہ آنے پائے - اگر اسی کتاب کو فن کے خراد پر چڑھایا جائے تو حشو وزوائد کے بار سے سبکدوش ہوکر یہ ڈراما حقیقی رنگ دکھا سکتا ہے - اور جلال الدین کے قلب کی ساری کیفیت ہماری آنکھوں کے سامنے آسکتی ہے اور صرف یہی فن ڈراما کا اقتضا ہے - اس تجزیہ اور تخریبہ سے کام لیں اور خس و خاشاک کو نکال پھینکیں تو حسب ذیل پلاٹ نظر آتا ہے —

علاؤالدین اپنے عیال واطفال میں سے چند افراد کے ساتھہ جزیرۂ ایسکول میں پناہ گزیں ہے اس کا بیٹا جلال‌الدین اِسے مشورہ دیتا ہے کہ سلطنت اور ملت کی حفاظت کے لیے عرصۂ غزا میں اُترنا چاھیے مگر علاءالدین کی طبیعت اس طرف مائل نہیں ہوتی - اِسی گفتگو کے درمیان اس کے دوسرے بیٹے رکن‌الدین کی شہادت کی سناونی آتی ہے علاءالدین پرفالج گرتا ہے اور وھی جان جسکو لئے وہ آن، شان، اورایمان تک کو قربان کررھا تھا

آن واحد میں نکل جاتی ہے -

اب جلال الدین تخت نشین ہوتا ہے اور تاتاریوں کے ساتھ برسر پیکار ہوجاتا ہے - وہ منازل جہاد کو اس سرعت سے طے کرتا ہے کہ جو چیز اس کے راستے میں آتی ہے اُسے روندتا نکل جاتا ہے - یہاں تک کہ اس کی ملکہ اور اُس کا ولی عہد اُس کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوجاتے ہیں مگر اُس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی - اسی پر بس نہیں، بلکہ جب خود اس کے عماید سلطنت اور عزیز آنکھ چراجاتے ہیں، کوئی اسلامی سلطنت مدد کی حامی نہیں بھرتی، تو وہ دل پر پتھر رکھکر ملکہ تبریز سے نکاح کرتا ہے - لیکن مسلمانوں کے دلوں میں خود غرضی، حرص، غرور، اور تکبر نے حب ملی، ایثار، مساوات اور اخوت کی جگہ لے لی ہے اور کوئی تدبیر بن نہیں آتی - آخر جلال الدین ایک مسلمان ہی کے زر پرست خنجر سے شہید ہوتا ہے، اور ملکۂ تبریز خود کشی کر کے حق رفاقت ادا کرتی ہے - کوئی حقیقی ڈراما نویس ہوتا تو اس ڈرامے کو ایسے الفاظ پر ختم کرتا کہ جنہیں پڑھ کر یا سن کر مردہ دلوں میں ایک بجلی سی دوڑ جاتی —

فن کے اعتبار سے اس پر بہت سے اعتراض وارد ہوتے ہیں اور اُن کی روشنی میں یہ کتاب ڈراما کہلانیکی مستحق نہیں رہتی - ہم انہیں مختصر الفاظ میں سلسلہ وار بیان کرتے ہیں —

۱ ڈراما کے پلاٹ کو عملاً کر کے دکھایا جاتا ہے، لفظوں میں بیان نہیں کیا جاتا - اور جوں ہی تذکرہ سے پلاٹ کی کڑی ملانے کی کوشش کی، ڈراما مسخ ہوکر ناول بن گیا - اس اصول کی خلاف ورزی سے یہ ڈرا پٹا پڑا ہے —

۲ ڈرامے کے لیے لازم ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تین چار گھنٹوں میں تمثیل ہوسکے - اس لئے اس کی ضخامت اسی قدر ہونی چاہیے جس کی یہ مدت متحمل ہوسکے - مگر یہ ۳۷۹ صفحوں کی بھاری بھرکم کتاب تو ۱۲ گھنٹوں میں بھی تمثیل نہیں ہوسکتی - ڈرامے کا حجم محدود ہے - اس کے برعکس ناول کا بڑا چھوٹا ہونا مصنف کی مرضی پر موقوف ہے - خواہ کوئی ثالث بالخیر لکھے یا طلسم ہوشربا —

(۳) ڈرامے کی جان مکالمہ ہے جس کا لطف اِس میں ہے کہ ہر کیریکٹر جہاں تک پلاٹ اجازت دے نہایت مختصر الفاظ میں گفتگو کرے - اہل فن تو چاہتے ہیں کہ کوئی تقریر تین سطروں سے تجاوز نہ کرنے پائے، مگر سہلو ڈراما میں پندرہ بیس سطریں بھی جائز ہیں - لیکن یہاں بعض تقریروں میں لکچر کی شان پیدا ہوگئی ہے اور صفحے کے صفحے ان کی گرانباری سنبھالنے سے عاجز نظر آتے ہیں - لمبی تقریروں

میں یہ نقص ہوتا ہے کہ اس کا جواب سننے کے وقت تک سامعین تقریر کے بیشتر حصے کو بھول چکے ہوتے ہیں —

۴ بعض فقرے خطوط ہلالی میں لکھے ہیں - حالانکہ ڈراما میں یہ خطوط بالکل بے معنی ہیں - کیونکہ سٹیج پر یہ تصریح ممکن نہیں —

۵ اس ڈراما کے سینوں کی ترتیب سے پایا جاتا ہے کہ یہ ڈراما بتتبع اہل فرانس مرتب ہوا ہے - مگر اہل فرانس یونانی اصول کی ؛ جسے اصطلاح میں اتحاد ثلاثہ کہتے ہیں پیروی میں بڑے غلو سے کام لیتے ہیں - مگر اس ڈراما میں اس کا مطلق لحاظ نہیں کیا گیا —

اتحاد عمل یہ چاہتا ہے کہ ڈراما میں ایک ہی قصہ بیان کیا جاے - اِس ڈرامے میں بیسیوں باتیں آجاتی ہیں —

اتحاد مکان کی رو سے ڈرامے کے تمام واقعات کا ظہور ایک ہی مقام پر ہونا لازم ہے - لیکن اِس ڈرامے میں متعدد دفعہ نقل مکان ہوتا ہے - اور غضب ہے کہ دکھایا نہیں جاتا ہے ' بلکہ بتایا جاتا ہے —

اتحاد زماں کا یہ تقاضا ہے کہ ڈراما میں جو قصہ بیان ہو اس کے واقعات صرف ۲۴ گھنٹے کے عرصے میں رو نما ہوئے ہوں - مگر اس ڈراما کے واقعات گیارہ سال کے عرصہ پر پھیلتے ہیں —

(۶ ؛ یہ ضرور ہے کہ ڈراما بذاتہ مکمل اور جامع ہو اور اس کی تفہیم کے لئے کسی اور کتاب سے استمداد کی ضرورت داعی نہ ہو - مگر اِس ڈراما کی تفہیم کلی مقتضی ہے کہ اس کے دیکھنے والے کو اسلامی تاریخ اور دیگر علوم پر عبور تام حاصل ہو - اور لغات ازبر ہو - مثلاً حسب ذیل شخصیتوں اور تلمیحوں سے بخوبی واقف ہو - اسفندیار ' اردشیر ' سنجر ' علاؤالدین جہاں سوز ' حجاج ' ابرهه ' ابولہب ' محمود سلیوریج ' صلاح الدین ' ابومسلم ' ابونواس ' وزیر زادي یروان ' معتصم کی عمودیہ لڑائی ' ابوتمام کا تبریک نامہ ' شاد بادشا کی خلدق ' السوطہ کا حشیش ' انشراح ' آمادۂ رجا ' آتش منجنیق - صاعقہ ' صاحب کفایت ' قالوا بلی - فہور الحاصل ' قضاے مبرم ' ہفوات - سفاہت - مطرود فی الغار والسقر - داءالکلب ' عصوبانہ نظر ' ملزوی گوشہ ' عدوان ' ربع مسکون ' کالبد - استلذاذ کا ہ - تاسیس ' اسارت ' رائحۂ حیات ' لوحۂ تماشا ' حلقۂ انقیاد لاالہ الاالزعیف ' مجرد مرکب ' تضئیق ہست ' فاجع ' مسامحہ ' انوار معالی ' قدرت فاطرہ ' شدید العقاب ' استکراہ ' سلالہ - ظل کثیف ' اجزاے متسمہ ' تیمن ' اوج اخافی ' اسفل السافلین ' اعادۂ مافات ' استرحام ' اذیت مزادہ ' حوزۂ قدرت ' لوفرضنا ' اشتراک منقبت ' علی الرغم ' جنین ساقط ' لسان استہزا '

سائڈ تسکر وغیرہ - ڈرامے میں ان سنگلاخ ترکیبوں اور مغلق الفاظ کے لیے کوئی جگہ نہیں - اس میں تو وہی الفاظ استعمال کئے جائینگے جو عام روز مرہ میں داخل ہوں —

۷ اِس ڈرامے میں جلال الدین کا کیریکٹر اس شان سے دکھایا ہے کہ بے اختیار منھہ سے تحسین نکل جاتی ہے - مگر اس کے حریف چنگیز خاں اور تولی خاں کو بالکل نظر انداز کردیا ہے ' جس سے تصویر کا صرف ایک ہی رخ نظر آتا ہے - سفید کے برابر جب تک سیاہ نہ دکھایا جاے اس کی آب و تاب نمایاں نہیں ہوتی - کیا اچھا ہوتا کہ چنگیز کو بھی سٹیج پر لایا جاتا اور لوگوں کو دونوں کے کیریکٹر کا مقابلہ کرنے کا موقع ملتا ' جو افسوس کہ نہیں کیا گیا —

ادبی ڈراما ممکن ہے کہ اِن اعتراضوں کے جواب میں یہ کہا جاے کہ یہ ایک لٹریری یعنی ادبی ڈراما ہے ، جسے سٹیج کرنا مقصود نہیں ہوتا - لیکن یہ غلطی ہے - لٹریری ڈراما اُسے کہتے ہیں جس میں محاسن ادبی بھی پائے جائیں - مگر وہ ڈراما جو نرا ادبیات کا گہوارہ ہو ڈراما کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا - ڈراما وہی ہوگا جس میں لوازمات فن موجود ہوں - اب تو اہل فن کو یہاں تک اصرار ہے کہ خواہ کوئی ڈراما فن کے اعتبار سے درست بھی ہو' لیکن وہ تمثیل نہ ہو سکتا ہو تو اُسے ڈراما نہیں کہہ سکتے - اس مقام پر یہ لطیفہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ انگلستان میں ہیوم نامی ایک پادری نے ڈراما لکھا اور یہ کاوش باوجود ادبی خوبیوں سے معرا ہونے کے اس قدر مقبول ہوئی کہ یہ ڈراما مہینوں سٹیج ہوتا رہا - انہیں دنوں میں ڈاکٹر جانسن جیسے جہان استاد ادیب نے اپنی ساری قابلیت کو کام میں لا کر سڈ کے نام سے ایک ڈراما لکھا اور مشہور ایکٹر گیرک اسے کمال اہتمام سے سٹیج پر لایا - لیکن اس کی تمام مسیحائی سڈ کو سٹیج پر تین راتوں سے زیادہ زندہ نہ رکھہ سکی اور خود گیرک کی شہرت خطرے میں پڑ گئی - اس لئے مجبوراً اس کی نمائش بند کرنی پڑی - ایک دن کلب میں ہیوم کے ڈرامے کی کامیابی کا ذکر آگیا - ڈاکٹر جانسن پاس بیٹھا تھا - جلا بھنا تو تھا ہی ناک بھوں چڑھا کر بولا - ہاں مگر ادبی لحاظ سے اس میں ایک سطر بھی تو کام کی نہیں - کسی نے جواب میں کہا ' بجا ہے ' سڈ کام کی سطروں سے بھرا پڑا ہے ' مگر اسے ڈراما کوئی نہیں کہتا - ڈاکٹر جانسن کی ڈکشنری سے جواب میں ایک لفظ نہ نکلا —

ترجمہ ترجمہ کے محاسن و معائب زیادہ تر اسی حالت میں کھل سکتے ہیں کہ اصلی کتاب سے مقابلہ کیا جائے - مگر اول تو کتاب ہی موجود نہیں پھر اس کا کیا علاج کہ "من ترکی نمیدانم" - اس لیے جو کچھہ ہمارے سامنے ہے - اسی پر قناعت کرتے ہیں —

(۱) محاورہ اور روزمرہ

اس کتاب میں مندرجۂ ذیل فقروں کے لکھنے میں توجہ سے کام نہیں لیا گیا اور سقم پیدا ہو گئے ہیں —

(۱) آتش بار نظروں اور قہر کے ہونٹوں سے اپنے صیاد کو دیکھتا ہے - صفحہ ۳

ہونٹوں سے دیکھنا خلاف محاورہ ہے - ہونٹ چبا کر کہہ سکتے تھے —

(۲) نیزوں کی بارش شروع ہوئی - صفحہ ۱۰

تیروں کی بارش تو سنتے آئے ہیں - مگر یہ نیزوں کی بارش نئی چیز ہے —

(۳) فرشتہ پن - ماں پن - حزین دعا - فرار کرتا ہے - ٹکسال باہر ہیں —

(۴) تم ہمیں تاتاریوں کے گھاٹ اُتارنا چاہتے ہو - صفحہ ۹۴

تلوار کے یا موت کے گھاٹ اُتارنا محاورہ ہے - مگر تاتاریوں کے گھاٹ اُتارنا جدت ہے —

(۵) مذاکرہ کیا تھا - صفحہ ۹۹

تذکرہ کیا تھا' تو کہہ سکتے ہیں - مگر مذاکرہ کرنا کبھی نہیں سنا گیا —

(۶) "آہن دلانہ طرز" صفحہ ۱۲۳

بالکل نئی ترکیب ہے —

(۷) مجھے اس قدر دل خون نہ فرمائیے - صفحہ ۱۲۳

"دل خون کردن" کا ترجمہ ہے' اس کو ابھی روزمرہ میں بار نہیں ملا —

(۸) میرا رنگ کیسا اُتر گیا - صفحہ ۱۵۶

اِن معنوں میں محاورہ کے مطابق چہرہ اُترتا ہے' رنگ اُڑتا ہے —

(۹) یہ آئین جنگ کے مخالف ہوگا - صفحہ ۲۰۲

یہاں مخالف کی جاے خلاف لکھنا فصیح ہے —

(۱۰) میرا زخم جگر مجھے ہلاک کئے دے رہا ہے - ۲۷۸

یہ اُردو معلوم نہیں - ہلاک کر رہا ہے' فرمائیے —

(۱۱) ذائقۂ محبت تلخی کے بعد ہی روح آور ہوتا ہے - صفحہ ۲۸۹

روح آور کیا معنی - اِس غریب ترکیب کی بدولت فقرہ مہمل ہو گیا ہے —

(۱۲) ارادۂ ملوکانہ - صفحہ ۱۱۰

یہاں جمع کا صیغہ درست نہیں —

۲ تذکیر و تانیث

چند مقامات پر تذکیر و تانیث میں بھی سہو ہو گیا ہے —

(۱) تلواروں نے شفق پیدا کر رکھا تھا - صفحہ ۵

شفق کو مذکر قرار دیا گیا ہے، حالانکہ اس کی تانیث میں کسی کو کلام نہیں —

آسماں پر کچھ شفق پھولی نظر آنے لگی
عکس جا پہنچا تمہارے دامنِ گلنار کا (نسیم دہلوی)

شفق پھولی ہے دیکھو شام کو شہر بدخشاں میں
اب رنگیں پہ مسی مل کے اس نے پان کھایا ہے (امانت لکھنوی)

(۲) اس کے سینہ پر زرہ چمکتا ہو۔ صفحہ ۱۴
زرہ مونث ہے —

ڈر گیا اس درجہ تیغ ابروے خمدار سے
آئینہ پہنے ہے جوہر سے زرہ فولاد کی (اسیر لکھنوی)

(۳) گھوڑے کے رکاب میں - صفحہ ۲۸
رکاب مونث ہے، غالباً سہو کتابت ہے --

(۴) غضب الٰہی کی خلق کردہ جہنم - صفحہ ۸
جہنم کو مونث لکھا ہے، مگر مذکر ہے —

ضرور حشر کے دن عاصیوں کی ہوگی نجات
نہ ہوں گے ہم تو جہنم جلے گا پھر کیا (رند لکھنوی)

(۳) سہو کتابت

کتابت کی غلطیاں بھی جابجا پائی جاتی ہیں جس کے لیے غلط نامہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے —

(۴) اسلوب بیان

معلوم ہوتا ہے کہ مندرجۂ ذیل فقرے نظر ثانی کی سعادت سے کما حقہ بہرہ ور نہیں ہوئے۔ اس لئے شگفتگی پیدا نہیں ہوئی - کہیں کہیں اُلجھاؤ فہم مطالب کے راستے میں حائل ہوتا ہے - بعض مقامات پر ثقالت پائی جاتی ہے - اور بسا اوقات اسلوب و انداز بیان مذاق سلیم کو کھٹکتا ہے —

(۱) فضاے عالم میں بھی سیاہی پیدا ہو گئی ہے - گرج غضب الٰہی کی خلق کردہ جہنم کی طرح خوفناک طریقہ سے آوازیں دے رہی تھی - صفحہ ۸

(۲) خیمے میں کشتوں کا خون بہتا ہوا میرے پاؤں تک آیا - اور میرے دامنوں کو بھگو دیا - صفحہ ۱۰

(۳) لیکن جہالت اور وحشت اور ظلم سے بھرا ہوا ایک خنزیر انسان کے چھ ہزار سال کے ثمرۂ حیات کو بالکل محو کر کے اس کی جگہ انسانوں کی کھوپڑیوں

سے بلے ہوئے تودوں اور مظلوموں کے خون سے لکھے ہوئے مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑتا - ہم ان درگاہوں کے محافظ تھے - مگر اب ان کے بانیوں کی ہزارہا سال سے مزاروں میں گڑی ہوئی ہڈیوں کو زمین سے نیچے اضطراب میں لا رہے ہیں - صفحہ ۱۵

(۴) یہ سر دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا تاج سر پر اُٹھائے ہوئے ہے- صفحہ ۲۸

(۵) آسمان سے وہ آگ برس رہی تھی کہ اس کی مانند کبھی دیکھا نہیں گیا - صفحہ ۳۲

(۶) اپنے زخموں سے جو خون نکلے تھے وہ تک پی لئے - صفحہ ۴۳

(۷) آج جس وقت چنگیز کھانا کھاتا ہوتا ہے - صفحہ ۴۴

(۸) میں خود نہیں سمجھتا کہ اتنا تیار ہونگا - صفحہ ۴۹

(۹) اب آپ کی آواز سے رونا ٹپک رہا ہے - صفحہ ۵۰

(۱۰) انسان کی زندگی جس وقت تک موجود ہے - صفحہ ۶۶

(۱۱) ذرا ہٹ جاؤ میری جان عامیانہ بات بادشاہ کی زبان سے صفحہ ۸۱

(۱۲) واہمہ میرے سامنے آگ کی لپٹیں دکھا رہا ہے - صفحہ ۱۵۵

(۱۳) دیا جانا چاہا جائے - صفحہ ۱۱۵

(۱۴) آپ میری تحسین کرینگے - صفحہ ۱۲۰

(۱۵) تم کیوں اپنے حال طبعی میں نہیں ہو - صفحہ ۱۲۷

(۱۶) اس قہرمان کا قلب جوہر محافظ کر رہا ہے - صفحہ ۱۳۱

(۱۷) محراب کی جگہ ظالموں کے نقش پا کو سجدہ کرتے ہو- صفحہ ۱۴۸ محراب کو کوئی سجدہ نہیں کرتا

(۱۸) شہر آئین میری خواہش کے مطابق مکمل ہو گیا یا نہیں - صفحہ ۱۵۸

(۱۹) اب تک جو تو نے ڈھایا' وہ کافی نہ تھا کہ اب تو کعبہ کو ڈھانا چاہتا ہے - صفحہ ۲۶۴

(۲۰) خالقیت و مخلوقیت کے قید نامتناہی کی منزل کے درمیان اگر بندے کے چند قطرات نظر آجائیں تو آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ یہ اخلاق الہیہ کی پیروی کے مانع ہی - صفحہ ۲۷۵

(۲۱) ہماری سلطنت کو آپ کے وجود نے ذلیل کیا - صفحہ
(ولیعہد بادشاہ سے یعنی بیٹا باپ سے کہتا ہے)

(۲۲) اب آپ کا منہ اِس قابل نہیں کہ کسی کو دکھائے - صفحہ ۳۰
(بیٹا باپ سے)

(۲۳) خدا نے آپ کو کیسا منحوس شکل پیدا کیا ہے - صفحہ ۳۴
(بیٹا باپ سے)

(۲۴) اب اس قدر ذلیل ہو گئے ہے کہ ایک پاسبان کے ہم بستری پر اتر آئے - صفحہ ۲۳۵
(ایک ملکہ یا ایک شریف خاتون کے منہ سے)

(۲۵) عورتیں میں نفاس کے زمانے میں تھوڑی سی دیوانگی آجاتی ہے - صفحہ ۲۹۴

(۲۶) کسی مشرک تاتاری کی ہم بستر لونڈی بننا چاہتی ہو - صفحہ ۳۵۱
(بادشاہ ملکہ سے)

(۲۷) ہائے میرا پدی شیر بچہ - صفحہ ۲۲۳ (عامیانہ)

محاسن ہم نے جو چند خامیاں اس کتاب میں پائی جاتی ہیں، اُبھا اُبھار کر دکھا دیں - لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ کتاب غیر معمولی وقعت کی مستحق نہیں - جلال الدین کی شخصیت اس حسن و خوبی سے بیان کی ہے کہ پڑھنے سے مردہ دل کے اندر بھی ایک حیات بخش تڑپ پیدا ہو جاتی ہے - کسی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے یہ کتاب ڈاکٹر اقبال کی نظموں کا جواب ہے - ایسی حیات افروز اور روح پرور کتابیں اردو میں شاذ ہی دیکھنے میں آتی ہیں - اس کے علاوہ یہ کتاب ادبی جواہرات سے معمور ہے - جن میں سے مشت نمونہ از خروارے حسب ذیل ہیں —

(۱) میں نے تجھے پہلی نظر میں جیسا چاہا ہے، ہر نظر میں اس سے دگنا چاہتا ہوں - صفحہ ۴

(۲) کیا دنیا میں کوئی غم ایسا ہے جسے محبت مغلوب نہ کر سکے - صفحہ ۴

(۳) آپ کے دل میں تو سارے عالم کا فکر جمع ہو گیا ہے مگر میرے دل میں سوائے آپ کے کسی اور چیز کی جگہ نہیں - صفحہ ۴

(۴) تیر محبت کی طرح جگر میں گھسے جا رہے تھے - صفحہ ۵

(۵) اللہ نے مجھے دو لڑکے دئے ہیں انہیں لے جا، خدا کرے ایک تمہاری زرہ کا کام دے، اور دوسرا تمہاری سپر کا - اگر ان کے جسم میں چاروں طرف خون آلود تیر لگے ہوں تو میں سمجھوں گی کہ وہ پھول کے درخت ہیں، جن کی شاخیں اوپر سے نیچے تک پھولوں سے لدی ہیں - صفحہ ۵

(۶) اگر اس وقت آپ ایک تیر چلاتے تو یقین مانئے آپ کی محبت سے پہلے دل میں نہیں پہنچ سکتا تھا - صفحہ ۱۱

(۷) ہر آنکھ جس سے پانی نکلے، روتی نہیں - صفحہ ۱۲

(۸) گویا تاتار کا سامنا انسان تھا اور اس کی پیٹھہ اجل تھی کہ جونہی ہم نے اس کی پیٹھہ دیکھی ہم نے بھاگنا شروع کر دیا - صفحہ ۱۹

(۹) ایک کی آنکھہ سے برسات کی جھڑی لگی ہوئی ہے، دوسرے کے چہرہ پر بجلیاں چمک رہی ہیں - صفحہ ۱۰

(۱۰) قیامت میں اللہ کی عدالت سے میرے لئے جو کچھہ فیصلہ ہو، اس کے لئے میں راضی ہوں - لیکن دنیا میں قیامت تک ملعون ہونا قبول نہیں کرسکتا - صفحہ ۳۱

(۱۱) جان جانا چاہتی تھی مگر فرض بقائے زندگی چاہتا تھا - صفحہ ۳۱

(۱۲) شہرت کثرت کا مقابلہ نہیں کر سکتی - صفحہ ۳۹

(۱۳) اپنی ہوا میں ایک ہستی معلوم ہوتا تھا - صفحہ ۱۱۵

(۱۴) دنیا میں انسان کی خوشی ایک غفلت سے عبارت ہے - صفحہ ۱۱۹

(۱۵) اللہ کے بندے بہت دیکھے مگر اللہ کا خادم کوئی نہ دیکھا - صفحہ ۱۱۷

(۱۶) توفیق الہی استعداد کی مذعون ہے - صفحہ ۱۲۴

(۱۷) محبت وہ ہوتی ہے، جس میں اعتبار سے شک پیدا ہوتی ہے اور عشق وہ زندگی ہے، جو اطمینان سے برقرار رہتی ہے - صفحہ ۱۹۵

(۱۸) زاہد - کیا چاہتا ہے ....

قہات یہ چاہتا کیا ہے .... تمہیں چاہتا ہے - صفحہ ۲۳۴

کہاں تک شمار کیا جائے - خوف طوالت قلم روکتا ہے - بہت سی باتیں رہی جاتی ہیں -

(محمد عمر)

———: o :———

شعرالہند

(مولفۂ مولوی عبدالسلام صاحب ندوی - مطبوعۂ مطبع معارف اعظم گڈھ صفحات ۴۴۳ - قیمت چار روپئے)

مولوی عبدالسلام صاحب ندوی ایک مدت سے اس کتاب کی تالیف میں مصروف تھے - خوشی کی بات ہے کہ اس کی پہلی جلد اب چھپ کر شایع ہو گئی ہے - ہماری سمجھہ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس کتاب کا نام شعرالہند کیوں رکھا ہے - اگر تبرکاً و تیمناً شعرالعجم کے تتبع میں یہ نام رکھا گیا ہے تو خیر، ورنہ موضوع کے لحاظ سے یہ نام موزوں نہیں معلوم ہوتا - کیوں کہ اس میں اُردو شاعری

کے سوا ہندوستان کی کسی دوسری زبان کی شاعری کا مطلق ذکر نہیں —

اس کتاب میں قابل مؤلف نے اردو شاعری کے چار دور قائم کئے ہیں اور ہر دور پر ایک باب لکھا ہے - پہلے باب میں اردو شاعری کا آغاز اور قدما کا دور ہے - اس دور میں تین دور قائم کئے ہیں اور قدیم شعرا سے لیکر مصحفی و انشا اور ان کے تلامذہ کا ذکر ہے - دوسرے باب میں متوسطین کا ذکر ہے - اس دور کو مؤلف نے دو دوروں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں شیخ ناسخ اور خواجہ آتش، اساتذۂ دہلی اور تلامذۂ مؤمن و غالب کا ذکر ہے - چوتھے باب میں دور جدید ہے —

کتاب پڑھنے کے بعد صاف طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مؤلف کا موضوع کیا ہے اور اس کتاب کے لکھنے سے ان کا کیا منشا ہے ؟ شروع میں جو ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے اس میں تحریر فرمایا ہے " افسوس ہے کہ آج تک اردو زبان میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی جو اردو شاعری کے ان تمام انقلابات و تغیرات کو نمایاں کرتی اور اس سے یہ معلوم ہوتا کہ انواع شاعری کی ترقی کے لحاظ سے موجودہ زبانوں میں اردو کا کیا درجہ ہے ؟ " - اگر اس کتاب کا یہ موضوع ہے تو ہمیں افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ مؤلف کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی - شاعری کے انقلابات اور تغیرات اپنے زمانے کے انقلابات اور تغیرات سے وابستہ ہوتے ہیں - شعر کو شاعر سے اور اس کے زمانے سے الگ کرکے دیکھنا ایسا ہے جیسے کسی شخص کو اس کے احباب اور عزیزوں اور اس کے وطن سے جدا کر دینا - اچھا شعر کسی کا بھی ہو، مزہ دے جاتا ہے - لیکن جب ہم شعر یا شاعری کی تاریخ لکھنے بیٹھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم شاعر کی زندگی کے حالات، اس کی طبیعت، اس کے خصائل اور عادات پر غور کی نظر ڈالیں اور اس کے بعد اس کے عہد کے واقعات و حالات اور تغیرات و انقلابات کا ذکر کم سے کم اس حد تک ضرور کریں جہاں تک کہ ان کا تعلق شاعر اور اس کی شاعری سے ہے - کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شاعر اور اس کی شاعری اپنے عہد کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکے - اس کتاب میں اس کی جستجو بالکل نہیں کی گئی - ہمارے ہاں کے بعض اہل تحقیق اسے " واقعات کی کھتونی " فرماتے ہیں اور بعض اہل ذوق - " بد مذاقی " تصور کرتے ہیں - اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں - اپنے زمانے کے رواج کے مطابق شعر پڑھ کر مزے لینا نسبتاً آسان ہے لیکن تحقیق کا رستہ بہت دشوار اور کٹھن ہے - اگرچہ آج کل آب حیات مولانا مولوی محمد حسین آزاد مرحوم کو نظر حقارت سے دیکھنا فیشن ہوگیا ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ تحقیق کی رو سے اس میں بہت سی خامیاں ہیں، لیکن ایک خوبی اس میں ایسی ہے جو ہمارے کسی تذکرے میں نہیں پائی جاتی ہے - آزاد نے ہر دور کو کچھ اس انداز سے دکھایا ہے کہ اس زمانے کی سوسائٹی اور ان لوگوں کی معاشرت اور وضعداری کی

تصویر سامنے آجاتی ہے اور شاعر مشاعروں میں شعر پڑھتے، داد دیتے، باتیں کرتے اور چلتے پھرتے ہوے نظر آتے ہیں - جب یہ سب چیزیں سامنے ہوتی ہیں تو کلام کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے اور شعر و شاعری کا صحیح اندازہ کرنے میں بہت بڑی مدد ملتی ہے۔

قابل مؤلف نے اردو شاعری کے آغاز پر صرف بارہ صفحے لکھے ہیں اور یہ بہت ناکافی اور تشنہ ہیں۔ اردو زبان کی تاریخ سے مطلق بحث نہیں کی ہے - ابتدائی شاعری جو دکن کی شاعری ہے اُس سے مؤلف ناواقف ہیں اور نہ اس کا انہوں نے مطالعہ فرمایا ہے - اس لیے دوسروں کے اقوال جوں کے توں نقل کردیے ہیں، اور اس لیے قیاس قائم کرنے میں غلطیاں ہو گئی ہیں - مثلاً غواصی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "غواصی نے طوطی نامۂ بخشی کو نظم کیا، جس کا ایک مصرع ہندی اور ایک مصرع فارسی زبان میں تھا" یہ صحیح نہیں ہے - غواصی کی مثنوی ہمارے پاس موجود ہے اس میں کہیں یہ بات نہیں پائی جاتی - یہ رائے انہوں نے میر حسن کے تذکرے کی اس عبارت سے قائم کی ہے - اور اسے نقل بھی کیا ہے —

"غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ بود، طوطی نامۂ بخشی را نظم نموده است بزبان قدیم نصفی فارسی نصفی ہندی بطور بکٹ کہانی "—

لیکن اس عبارت سے کہیں یہ نہیں پایا جاتا کہ اس مثنوی کا ایک مصرع ہندی اور ایک مصرع فارسی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کی زبان فارسی اور ہندی ملی جلی ہے، یعنی آدھی ہندی اور آدھی فارسی ہے - یا مثال کے طور پر ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "خود سلطان قلی قطب شاہ اور محمد قطب شاہ نے اس قدر ذخیرہ مہیا کر دیا تھا کہ تذکرۂ شعرائے دکن میں اس مجموعہ کو دیوان کے نام سے موسوم کیا ہے"—

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان کے مجموعہ کو دیوان نہیں کہہ سکتے تاہم اس نام سے موسوم کیا گیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ سلطان قلی قطب شاہ کا کلیات بالکل اسی طرح مرتب ہوا ہے جیسے آج کل کے کلیات اور دیوان مرتب ہوتے ہیں- یہ خیال غلط ہے کہ سب سے پہلے ولی نے اپنا دیوان شعرائے دیوان کی طرز پر ردیف وار مرتب کیا۔ غرض یہ کہ اردو کی ابتدائی اور قدیم شاعری کے متعلق بہت ہی کم معلومات اس کتاب میں ہیں اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دوسروں سے اور خاص کر تذکرۂ جلوۂ خضر سے منقول ہے—

قدما کا دوسرا دور جس میں اردو شاعری کی تجدید و اصلاح پر بحث کی ہے وہ بھی بہت مختصر ہے یعنی صرف بارہ صفحے پر ہے - اگرچہ قابل مولف نے زبان کی تاریخ اور تغیر و تبدل کے اسباب پر کہیں بحث نہیں کی لیکن اس امر کو خوبی سے بتایا ہے کہ

شعر گوئی کی طرز اور زبان میں کس کس طرح تغیر ہوا اور کون کون سے الفاظ ترک ہوتے گئے۔ ہمارے ہاں زیادہ تر شاعری کے ظاہر سے بحث ہوتی ہے اور اس لیے الفاظ کے ترک و اختیار پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس دور میں قدیم محاورات اور الفاظ میں جو تغیرات پیدا ہوئے، اُن کی ایک فہرست مؤلف نے ماثر بلگرامی کے تذکرۂ جلوۂ خضر سے نقل کردی ہے۔ چونکہ خود تحقیق نہیں ہے اس لیے جو غلطی اصل مصنف سے ہوگئی ہے وہ ویسی ہی رہ گئی ہے۔ مثلاً نسدن کے معنی ہمیشہ لکھے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں۔ نس کے معنی رات کے ہیں اور نس دن کے معنی شب و روز کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ ندان کے معنی ہمیشہ یا پرے کے معنی الگ اور نپٹ کے معنی بہت اور ایکوں کے معنی ایک بیان کیے ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ دوسری جگہ الفاظ کی ایک اور فہرست دی ہے جس میں ایک طرف تو میر اور سودا کے زمانے کے الفاظ دیے ہیں اور اُن کے مقابل اُس تبدیلی کو بتایا ہے جو ناسخ کے زمانے میں اُن میں واقع ہوئی۔ یہ الفاظ اس طرح سے لکھے گئے ہیں کہ پڑھنے والے کو مغالطہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں چند الفاظ نقل کرتے ہیں—

لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ
انکھڑیاں میاں	انکھڑیاں میں
پون بھی	ہوا بھی
بغل بیچ	بغل میں
تجھہ تیغ	تیری تیغ
دریا کا سا	دریا سا

پڑھنے والے کو اس سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ انکھڑیاں کے ساتھ میاں، بھی کے ساتھ پون، بغل کے ساتھ بیچ، تیغ کے ساتھ تجھہ، اور دریا کے ساتھ کا سا کا استعمال ناسخ کے وقت میں موقوف ہوگیا، مگر دوسرے لفظوں کے ساتھ استعمال ہوتا رہا۔ حالانکہ منشا یہ نہیں ہے بلکہ بتانا یہ ہے کہ پون کی جگہ ہوا، میاں کی جگہ میں، کا سا کی جگہ سا استعمال ہونے لگا۔ اسی فہرست میں بعض الفاظ ایسے بھی دیے ہیں جن کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ناسخ کے وقت میں ان میں تبدیلی ہوگئی، حالانکہ وہ اس کے بعد بھی اُسی طرح استعمال ہوتے رہے اور اب بھی ویسے ہی استعمال ہوتے ہیں مثلاً سمندر بلونا کے بجائے سمندر اولچھنا۔ بلونا اور اولچھنا کے معنوں میں بہت فرق ہے اور بلونا کی جگہ اولچھنا نہیں آسکتا اور اس لیے یہ تبدیلی صحیح نہیں ہوسکتی اسی طرح تجھہ بن، کدھب، چھوڑ ("چھوڑ کر" کی جگہ)، اس ڈھب کا، وغیرہ ایسے الفاظ جو ناسخ کے بعد بھی استعمال ہوتے رہے اور اب بھی مستعمل ہیں۔ "ایکوں" کی بجائے محاورۂ

وقمع ناسخ "ایک" لکھا ہے - یہ صحیح نہیں ہے - "ایکوں" ایک کی جمع ہے اور یہ میر اور اس سے قبل کے زمانے میں بلا تکلف استعمال ہوتا تھا - بعد میں یہ لفظ متروک ہو گیا - لیکن یہ کہنا کہ اس کی بجاے "ایک" استعمال ہونے لگا' درست نہیں - کیوں کہ اس کے معنے کبھی ایک کے نہ تھے بلکہ اس کے معنے "بعض" یا "کئی" کے ہوتے تھے - ایک پہلے بھی استعمال ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے - اسی فہرست میں یہ بھی لکھا ہے کہ "نہیں معلوم مجھہر بھی" میر حسن کے وقت کا محاورہ ہے اور اس کی بجاے ناسخ کے وقت کا محاورہ "نہیں معلوم مجھکو بھی" ہو گیا - ہم اس کے سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے - یا مثلاً لکھا ہے کہ شاہ نصیر کے وقت میں "گھٹائیں چھائیاں" بولتے تھے اور ناسخ کے وقت میں "گھٹائیں چھائیں" بولنے لگے - یہ طریقہ لکھنے کا درست نہیں کیوں نہ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ فعل کی یہ تبدیلی صرف گھٹاؤں کے ساتھہ ہوئی - حالانکہ مقصود یہ ہے کہ مؤنث جمع کے ساتھہ فعل کا جمع لانا متروک ہو گیا اور جمع کے ساتھہ بھی فعل واحد ہی استعمال ہونے لگا - یہ فہرست بھی مؤلف نے تمامتر جلوۂ خضر سے نقل کر کے لکھی ہے —

مؤلف کو اس موقع پر متروکات پر بحث کرنے کا بہت اچھا موقع تھا' مگر افسوس انہوں نے تحقیق سے کام نہیں لیا اور صرف جلوۂ خضر کی راے کا بیان کر دینا کافی سمجھا جو محققانہ نہیں کہی جا سکتی - اس معاملے میں اکثر اصحاب کو مغالطہ ہوا ہے - جو صاحب اس سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ اُردو کے پچھلے پرچے میں جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی کا مضمون مطالعہ فرمائیں جو بڑی تحقیق اور غور سے لکھا گیا ہے - لیکن قابل مؤلف نے آخر میں نہایت انصاف کے ساتھہ اس امر کا اعتراف کیا ہے "کہ شیخ ناسخ نے قدماء کی بعض ایسی ترکیبیں اور بعض ایسے الفاظ بھی متروک قرار دئے' جن کا وہ نعم البدل کیا' بدل بھی پیدا نہ کر سکے"-

میر کے قصائد کی نسبت اگر چہ انہوں نے یہ راے دی ہے کہ "قصائد میں اُن کا درجہ بے شبہ پست نظر آتا ہے" لیکن اس کے ساتھہ ہی وہ یہ بھی فرماتے ہیں —

"لیکن ہمارے نزدیک اُن کے قصائد سے بھی سرسری طور پر گذر جانا مناسب نہیں - یہ سچ ہے کہ اُس زمانہ میں جو چیزیں قصیدہ گوئی کا معیار کمال خیال کی جاتی تھیں' اُن سے ان کے قصائد بالکل خالی ہیں' اُنہوں نے مشکل زمینوں میں کوئی قصیدہ نہیں کہا' دھوم دھام کی تشبیہیں نہیں لکھی ہیں' طولانی قصائد بھی ان کے یہاں نہیں پاے جاتے' اُن کے یہاں عموماً الفاظ کی شان و شوکت بھی موجود نہیں' قصائد میں اُن کی بندشیں بھی چست نہیں ہوتیں' لیکن با ایں ہمہ تشبیہات میں جو سادگی اور لطافت سودا کے یہاں پائی جاتی ہے' وہ ہی میر صاحب کے قصائد

میں بھی موجود ہے"۔ اس راے کے بعد مؤلف نے دونوں اُستادوں کے ایک آدھ قصائد کے بعض اشعار کا مقابلہ کر کے اپنے قول کی تصدیق فرمائی ہے۔ اُن کی یہ راے نہایت درست ہے اور جو شخص بھی اِن قصائد کو غور سے پڑھے گا وہ اُن سے اتفاق کرے گا —

فاضل مؤلف نے "اُردو شاعری کے دو مختلف اسکول' دلی اور لکھنؤ" پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس تفصیل سے اب تک کسی تذکرہ نویس یا مؤلف نے بحث نہیں کی تھی۔ ہم نے دریاے لطافت کے مقدمے میں کنایتاً اور انتخاب کلام میر کے مقدمے میں سرسری طور پر لکھنؤ کی شاعری کے متعلق ذکر کیا تھا تو وہاں کے بعض ممتاز اہل قلم بہت برہم ہوے اور اس کی تردید میں کئی مضامین شایع ہوے۔ معلوم نہیں اس کتاب کے شایع ہونے کے بعد بیچارے مولوی عبدالسلام صاحب کا کیا حال ہوگا۔ ہم اُن کی راے کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں —

۱ — لکھنؤ کے تمدن و معاشرت میں عام طور پر جو زنانہ پن پایا جاتا ہے' اس کا اثر وہاں کی شاعری سے بھی واضح ہوتا ہے —

۲ — شعراے دہلی کے کلام میں فارسی زبان کی دلاویز ترکیبیں نہایت کثرت سے پائی جاتی ہیں' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے قدما کی روش کو بہت کچھ قایم رکھا ہے۔ لیکن شعراے لکھنؤ کا کلام اِن ترکیبوں سے بالکل خالی ہے —

۳ — شعراے دہلی قدما کی طرز پر اکثر مختصر غزلیں کہتے ہیں اس لئے اُن کے ہاں مبتذل' سخیف اور بھرتی کے اشعار بہت کم ہوتے ہیں۔ لیکن شعراے لکھنؤ اکثر نہایت سیر حاصل غزلیں لکھتے ہیں' جن کی انتہا بسا اوقات دوغزلہ' سہ غزلہ' اور چوغزلہ پر ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام قافیوں کو خواہ مخواہ باندھنا پڑتا ہے اور اس طرح بہت سے مبتذل مضامین پیدا ہو جاتے ہیں۔ شعراے لکھنؤ کے ہاں بے اثر اور بے کیف اشعار کا جو انبار نظر آتا ہے' اُس کا ایک سبب یہی مسلسل گوئی ہے —

۴ — شعراے لکھنؤ اور شعراے دہلی کے کلام میں معنوی طور پر جو چیز مابہ الامتیاز ہے' وہ یہ ہے کہ شعراے لکھنؤ کے کلام میں روحانی جذبات بہت کم پائے جاتے ہیں اور اُن کی جگہ معشوق کے خارجی اوصاف و لوازم مثلاً زلف و کاکل' خط و خال' انگیا' کرتی اور محرم وغیرہ کا ذکر اس کثرت سے آتا ہے کہ اُن کے کلام کو پڑھ کر تغزل کا لطف بہت کم حاصل ہوتا ہے —

۵ — رعایت لفظی کی طرف شعراے لکھنؤ کا عام میلان پایا جاتا ہے' اور اِس صنعت کو وہ نہایت ابتذال کے ساتھ استعمال کرتے ہیں —

۶ — ابتذال بھی شعراے لکھنؤ کی ایک عام خصوصیت ہے —

۷- شعرائے لکھنؤ کا عام رنگ معاملہ بندی ہے، جس نے حد اعتدال سے بڑھ کر بازاری روش اختیار کرلی ہے، اس لئے اُن کے کلام میں وہ متانت و ثقاہت نہیں پائی جاتی جو شعرائے دھلی کے کلام میں پائی جاتی ہے—

اِن عنوانات کے تحت میں مؤلف نے مثالوں کی کافی تعداد دی ہے - خیر ہم پر تو یہ الزام تھا کہ ہم دلی کی طرف کے رھنے والے ھیں، لیکن مولوی عبدالسلام صاحب نہ تو دلی کے ھیں اور نہ دلی کی اطراف کے، دیکھیں اُن پر کیا الزام لگایا جاتا ہے—

متاخرین کے باب میں مؤلف نے داغ و امیر کا الگ عنوان قائم کیا ہے، جس کے شروع میں وہ تحریر فرماتے ھیں کہ " موازنہ و مقابلہ کے لئے اشتراک ایک لازمی چیز ہے، لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ جو لوگ باھم حریف و مقابل تسلیم کئے گئے ھیں، اُن میں کسی قسم کی مشارکت نہیں پائی جاتی " - اس کے بعد وہ لکھتے ھیں کہ " منشی صاحب مرحوم کا ابتدائی کلام جیسا کہ ہم اوپر لکھہ آے ھیں لکھنؤ کے قدیم مبتذل رنگ میں ہے، اس لئے اس رنگ کی تمام امتیازی خصوصیات اس میں موجود ھیں " - پھر مولف نے اس کی تصریح کی ہے اور مثالیں دیکر بتایا ہے کہ ان میں رعایت لفظی، ابتذال، تمثیل، معشوق کے تمام خارجی اوصاف اور لوازم کی تعریف و توصیف وغیرہ پائی جاتی ہے - آگے چل کر تحریر فرماتے ھیں کہ " منشی صاحب کا قدیم کلام بلکہ جدید کلام بھی لکھنؤ کے رنگ سے الگ نہیں " - آخر میں لکھتے ھیں کہ " میر، درد اور آتش کے رنگ میں بعض غزلیں اور بعض اشعار اُن کے قلم سے نکل گئے ھیں، جن کو اُن کے عمر بھر کے شاعرانہ گناہ کا کفارہ سمجھنا چاھئے "—

آخری یعنی چوتھا باب " دور جدید " پر ہے - اس باب کے شروع میں مولف نے اُن چند اصلاحی مطالبات کا مختصر ذکر کیا ہے جو جدید تعلیم یافتہ اصحاب نے ہمارے شعرا کے سامنے پیش کئے ھیں - لیکن جدید دور کی شاعری کے اسباب پر بحث نہیں کی اس کے بعد جدید دور کے مصلح مولانا حالی کے مقدمۂ شاعری سے اُن کے اصلاحی خیالات نقل فرمائے ھیں - اس کے خاتمے پر مولانا حالی کی غزل پر مختصر سی بحث کی ہے - اس کے بعد مولانا حسرت موہانی، مولوی شوکت علی خان فانی، مولانا محمد علی جوہر، اصغر حسین صاحب اصغر، مولانا علی محمد شاد، عزیز لکھنوی، شبیر حسن جوش، کی شاعری کے متعلق دو چار سطروں میں ہر ایک کی خصوصیت بتا کر مثال کے طور پر اُن کے اشعار نقل کردیئے ھیں - اس کے بعد وطنی شاعری، اخلاقی شاعری، سیاسی شاعری، مناظر قدرت، نیچرل شاعری اور قومی شاعری کا سرسری ذکر کیا ہے - اِن سب اصناف کی ابتدا مولانا حالی سے ہوئی اور دوسروں نے اس کا اتباع کیا - مؤلف نے ان سب اصناف کا نیز ظریفانہ شاعری اور تاریخی شاعری کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے

تحت میں نہایت مختصر طور پر بعض قدیم و جدید شعرا کے اشعار بھی دیدئے ہیں۔ اور اسی ضمن میں دو ایک جگہ بعض اُن جدید نظموں کی فہرست دیدی ہے جو آج کل اُن عنوانات پر شایع ہوتی ہیں۔آخر میں ایک فہرست متفرق نظموں کی ہے جس میں دور جدید کے چھوٹے بڑے بہت سے شاعروں کے نام آجاتے ہیں ۔ اگرچہ بعض اچھے کہنے والے شاعروں کے نام رہ گئے ہیں ۔اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہ دور ابھی بن رہا ہے اور سب شاعروں سے واقف ہونا مشکل ہے۔ہمیں اس باب میں جن بحثوں کی توقع تھی وہ نہیں پائی جاتیں اور اس لئے یہ ناکافی نا تمام اور تشنہ ہے۔دور جدید میں جن اثرات اور اسباب نے ہماری شاعری میں انقلاب پیدا کیا ہے اُن پر بحث نہیں کی گئی جو بہت ضروری تھی اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس باب کو ناکافی اور نامکمل کہتے ہیں۔اور سب سے زیادہ حیرت اس بات کی ہے کہ نظیر کا ذکر اس کتاب میں کہیں نہیں آیا۔البتہ ایک جگہ ضمنی طور پر اس کا نام آگیا ہے۔لائق مؤلف نے جہاں مناظر قدرت کا عنوان قائم کیا ہے وہاں صرف اتنا لکھا ہے " لیکن یہ صنف اس دور کی مخصوص پیداوار نہیں ہے بلکہ نظیر اکبرآبادی نے اردو زبان میں اس کے متعدد نمونے قائم کئے ہیں " ۔اور اس کے بعد نظیر کی برسات سے چند بند نقل کردئے ہیں اور بس۔ہم اسے ناانصافی خیال کرتے ہیں نظیر خالص ہندوستانی شاعر ہے اور خاص حیثیت رکھتا ہے اور شعرالہند میں خاص تذکرے کا مستحق تھا—

مؤلف نے اپنی کتاب میں شعر سے بحث کی ہے اور شاعر اور اُس کے عہد کو چھوڑ دیا ہے۔اس لئے یہ کتاب ہر جگہہ تشنہ نظر آتی ہے۔شعر اور الفاظ و محاورات کے تغیر و تبدل کے متعلق بھی بہت کچھہ جلوۂ خضر مؤلفۂ صفیر بلگرامی سے ماخوذ ہے اور اُس بنا پر اگر اُسے جلوۂ خضر کا مد کہا جاے تو کچھہ بیجا نہ ہوگا—

کلیات اقبال

مرتبۂ مولوی محمد عبدالرزاق صاحب - حجم ۳۹۶ صفحے - قیمت پانچ روپے مجلد چھہ روپے - ملنے کا پتہ ۔محمد نجم‌الدین ، احاطۂ سید جنگ مرحوم - ترپ بازار حیدرآباد دکن ۔

اس سے قبل ہم "بانگ درا " پر مفصل ریویو لکھہ چکے ہیں۔اقبال کی نظموں کا یہ دوسرا مجموعہ ہے جو حیدرآباد دکن سے شایع ہوا ہے ۔اگرچہ یہ مجموعہ بانگ‌دراسے پہلے

مرتب اور طبع ہوچکا تھا لیکن بعض وجوہ سے اس کی اشاعت رکی رہی - اس میں ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ اس میں بعض نظمیں بانگ درا سے زاید ہیں - دوسرے لایق مرتب نے اقبال کی شاعری پر ۱۳۶ صفحوں کا دیباچہ لکھا ہے جسمیں اقبال کے حالات اور اُن کی شاعری سے بحث کی ہے - کتاب کے شروع میں مولانا عبدالله العمادی نے تمہید کے طور پر پانچ چار صفحے لکھے ہیں - جس کی ابتدا اِس عجیب وغریب جملے سے ہوتی ہے —

" آج جب کہ ہماری شاعری گرفت و گیر کی نزاکت میں عیارانہ مشاقی پیدا کرنے کے لئے " اس طرح کہ گرو نگرو کوی چھاگل کا نہ بولے " پرزور دے رہی ہے اور "جب چھم سے چلیں گود میں چپکے سے اٹھا لو" کے فلسفہ کی عملی تعلیم دینے پر آمادہ ہے ' سخن سنجی کو دعوے ہے کہ " واعظ کے مونہہ پہ مہر لگادوں کباب کی" اور سخن سنج یہ مستزاد الاپ رہا ہے کہ "تاڑھی کو دیا اُس کے لگا بزر قطونا" - اور "بھجنے لگی گت-" اسی رنگ میں مولانا نے عربی فارسی شاعری کا ذکر کرکے آخر میں مختصر طور پر اردو کا ذکر فرمایا ہے اور اقبال کی شاعری کے متعلق اپنا خیال ظاہر فرمایا ہے—

قابل مرتب نے اپنے دیباچے میں اقبال کی شاعری پر بہت طولانی بحث کی ہے اور بعض جگہ مبالغہ سے کام لیاہےمگر کوئی خاص بات پیدا نہیں کی تاہم اس میں ایسی بہت سی معلومات اور حالات جمع کردیے ہیں جن کا علم عام طور پر نہیں ہے - اس میں شک نہیں کہ انہوں نے بہت محنت کی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں ابتدا سے اقبال کے کلام سے عشق تھا اور اُن کی نظموں کو سینت سینت کر رکھا تھا اور اسی شوق کا نتیجہ ہے کہ یہ مجموعہ مرتب ہوا—

اس مجموعے کو لائق مرتب نے چھہ حصوں میں تقسیم کیا ہے - اول دیباچہ ' جسمیں شاعرکے مختصر حالات ' اُس کی شاعری اور اُس کی تصنیفات کا ذکر ہے —

دوم ' مئے دوآتشہ - یعنے وہ غزلیات جن میں مشرقی اور مغربی شاعری کا امتزاج پایا جاتا ہے ..

سوم ' نکات - یعنے ظرافت آمیز لیکن خرد آموز اشعار—

چہارم' نقش قدرت-یعنےمناظر قدرت کی جیتی جاگتی تصویریں -

پنجم ' فانوس حیات - وہ نظمیں جن میں حقایق و معارف پاے جاتے ہیں —

ششم ' شمع طور - وہ نظمیں جن کا تعلق اسلام سے ہے - اس مجموعے میں کم وبیش تین ہزار شعر ہیں—

مولوی عبدالرزاق صاحب درحقیقت شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے

بڑی محنت اور کاوش سے ان بے بہا نظموں کو یک جا جمع کر کے شایع کیا ہے —

فوائد رضیہ

مولوی غلام احمد صاحب المخاطب بہ صاحب جنگ بہادر سابق اول تعلقدار سرکار عالی حال صدر محاسب صرف خاص نے اِس رسالے میں مشہور قصیدۂ بردہ کی مختصر شرح سلوس اردو نظم ونثر میں کی ہے - یوں تو اس قصیدے کی متعدد شرحیں اردو میں لکھی جا چکی ہیں مگر اس میں خاص خوبی یہہ ہے کہ ترجمہ کی نظم میں بھی اسی قافیہ کا التزام کیا گیا ہے جو اصل عربی قصیدہ میں ہے - ہمکو اس بات سے بیحد مسرت ہوتی ہے کہ اردو جس چمن کے پھول اپنے دامن میں لیتی ہے انکی رنگینی اور تازگی کو اسی شان وصورت سے جلوہ گرکر نے کی کوشش میں اکثر کامیاب ہوجاتی ہے - اس رسالے کی لکھائی چھپائی میں بھی بلیغ اہتمام کیا گیا ہے کاغذ بھی نہایت دبیز اور چکنا ہے اور علاوہ صرف خاص کے مطبع رکاب سعادت میں طبع ہوا ہے —

———:o:———

تاریخ

مآثر دکن

(مؤلفۂ مولوی سیدعلی اصغر صاحب بلگرامی - مطبوعۂ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سنہ ۱۹۲۳ عیسوی - صفحات ۱۵۱ تصاویر (۵۹) قیمت چھہ روپیہ)

اس میں بلدۂ حیدرآباد اورقلعۂ گولکنڈہ کے آثار و عمارات اور مقابر وساجد کے حالات ہیں - ہر عمارت کی نسبت اس کا نام ' محل و قوع ' تاریخ تعمیر ' کتبے ' عام حالات اور اسی قسم کے بعض دیگر ضروری امور صراحت کے ساتھہ بیان کئے ہیں - اس موضوع پر اردو زبان میں بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں اور مؤلف نے اس کی ترتیب میں بہت محنت کی ہے —

کتاب دو ابواب پر منقسم ہے - پہلے باب میں حیدرآباد اور اس کے مضافات کا حال ہے - دوسرے باب میں گولکنڈہ اور اُس کے ملحقات کا بیان ہے اور بحیثیت

مجموعی دونوں ابواب میں (۷۳) عمارات کا ذکر ہے —

کتاب میں (۵۹) تصاویر هیں-ان میں (۷ عمارات کی تصاویر (۴۶) کتبوں کے نقشے (۸ قطب شاهی سلاطین اور امرا کی شبیہیں هیں-یہ آخرالذکر ذخیرہ نہایت نایاب ہے، اسکو مولانا غلام یزدانی نے سیاحت یورپ کے زمانے میں برٹش میوزیم سے سررشتۂ آثار قدیمہ کے لئے حاصل کیا تھا-مؤلف نے سررشتۂ مذکور سے حاصل کرکے شامل کتاب کیا ہے

کتاب کے مضامین (۱۳) کتابوں سے ماخوذ هیں اور کتاب کے آغاز میں ان کتابوں کی فہرست لکھہ دی گئی ہے -

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حیدرآباد، گولکنڈہ اور اُنکے اطراف و اکناف میں جسقدر کتبے موجود هیں قریب قریب وہ سب اس میں جمع کئے گئے هیں - ان کتبوں کی تعداد (۹۵) ہے ان میں ۳۹ کتبے عہد قطب شاهی سے تعلق رکھتے هیں - باقی ۱۷ کتبوں کا تعلق عہد آصف جاهی سے ہے —

آج سے (۱۷ سال قبل حیدرآباد کے آثار و ابنیہ پر هم * نے ایک کتاب مرحوم سر سید کی آثارالصنادید کے انداز پر ترتیب دی تھی اور محبوب الآثار اس کا نام رکھا تھا سنہ ۱۹۰۸ ع میں یہ کتاب تمام ہوگئی تھی - اور گورنمنٹ آف انڈیا کے عہدہ داران سررشتۂ آثار و عمارات کے حالات سے بحث کی تھی بلکہ (۴۰) کتبے بھی جمع کئے تھے-اسی زمانے میں میجر Major T. W. Haig نے جو حیدرآباد کے اسسٹنٹ رزیڈنٹ تھے-گولکنڈہ اور حیدرآباد کے (۲۳ کتبوں کو جمع کیا اور اُنھوں سنہ ۸-۱۹۰۷ ع کے ایپی گرافیا انڈو مسلیمکا Epigraphia Indo-Moslemica میں شایع کیا تھا-سنہ ۱۹۱۴ ع میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کے لئے ایک محکمہ قایم هوا اور اس کے فاضل ناظم مولانا غلام یزدانی-یم-اے-نے کئی سال کی کوشش میں گولکنڈہ اور حیدرآباد کے وہ کتبات جمع کئے جو عہد قطب شاهی سے وابستہ تھے-اور اُنھوں ایپی گرافیا انڈو مسلیمکا کی تین اشاعتوں میں جو سنہ ۱۴-۱۹۱۳ و سنہ ۱۶-۱۹۱۵ و سنہ ۱۸-۱۹۱۷ سے متعلق هیں-شایع کیا-یہ کتبے تعداد میں ۳۶ هیں—

مآثر دکن میں جو کتبے شایع هوے هیں-اُن میں (۳۶ کتبے تو وهی هیں جو میجر هیگ اور مولانا یزدانی نے شایع کئے تھے-بقیہ چند کتبے ایسے هیں جن کو مولف مآثر دکن نے اپنی ذاتی تلاش و تحقیقات سے فراهم کئے هیں-ان (۲۹) کتبات میں (۱۲)

---

* هماری اس کتاب کے بعض حصے سنہ ۱۹۰۸ اور ۱۹۰۹ کے رسالۂ مخزن میں شایع هوئے هیں —

کتبے عہد قطب شاہی سے اور ۱۷ کتبے عہد آصف جاہی سے متعلق ہیں۔اور قطب شاہی کتبوں میں ۲ کتبے غیر معمولی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ان سے قطب شاہی دور کے دو جلیل القدر امرأ نواب خیرات خاں اور ملا نظام الدین احمد داماد سلطان عبداللہ قطب شاہ کے سنین وفات کا انکشاف ہوتا ہے—

میجر ھیگ نے جو کتبے شایع کئے ہیں اُن میں بیس اکیس غلطیاں پائی جاتی ہیں۔جن کو مولانا یزدانی نے صحیح کیا ہے۔مولانا یزدانی کے شایع کردہ کتبات میں (۲۱) کتبے غلطیوں سے بالکل مبرا ہیں۔بقیہ (۱۵) کتبوں میں کچھہ غلطیاں واقع ہوگئی ہیں اور کتبوں کے پڑھنے میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے —

مؤلف مآثر دکن نے کتبات کے حل کرنے میں سعی بلیغ سے کام لیا ہے۔اور مستند تاریخوں سے مضامین اخذ کرکے ان کتبات پر تاریخی روشنی ڈالی ہے۔اور اس کے ساتھہ عمارات کی کیفیت اور اُن کے بانیوں کے حالات بھی لکھے ہیں۔باوجود اس کے بعض مقامات پر تاریخی غلطیاں ہوگئی ہیں۔جن میں سے چند ذیل میں بیان کی جاتی ہیں—

صفحہ (۷) "بھاگ نگر یا موجودہ شہر حیدرآباد کی بنا سنہ ۹۹۹ م سنہ ۱۵۹۰ ع میں سلطان محمد قلی قطب شاہ خامس کے عہد سلطنت میں ہوئی۔موجودہ محلہ شاہ علی بنڈہ کے پاس موضع چچلم میں سلطان محمد قلی کی محبوبہ بھاگ متی سکونت پذیر تھی۔اسی کے نام پر موجودہ شہر بسایا گیا تھا۔لیکن بھاگ متی کی وفات کے بعد اس کا نام حیدرآباد رکھا گیا اور تعمیر شہر کے سات برس بعد اس کا تاریخی نام فرخندہ بنیاد (سنہ ۱۰۰۶ - سنہ ۱۵۹۷) دفاتر سرکاری میں لکھا جانے لگا"—

سطور بالا کا یہ مفہوم ہے کہ فرخندہ بنیاد' حیدرآباد کا تاریخی نام ہے اور آبادی شہر سے سات سال بعد سنہ ۱۰۰۶ ھجری سے سرکاری دفاتر میں اس کا رواج ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس لقب کو عہد قطب شاہی سے تعلق نہیں ہے۔بلکہ فتح حیدرآباد کے قریباً ۲۵ سال بعد سلاطین مغلیہ کے عہد میں یہ لقب دیا گیا تھا—

سنہ ۱۰۹۹ ھجری میں اورنگ زیب عالم گیر احمد نگر' سے بارادۂ تسخیر بیجاپور روانہ ہوا تو خان جہان بہادر کو تسخیر حیدرآباد کے لئے روانہ کیا اور حیدرآباد کا نام دارالجہاد رکھا۔یہ نام شاہ عالم بہادر شاہ کے دوسرے سال جلوس تک سنہ۱۱۲۲ھ) جب کہ مآثر عالم گیری تالیف ہوئی سرکاری تحریرات میں رائج رہا۔اس کے بعد شاہ عالم بہادر نے اس لقب کو ترک کرکے اس کا ایک جدید لقب "فرخندہ بنیاد" قرار دیا—

(۱) در سال هزار و نود و شش هجری سنه بست و نهم جلوس خود از احمد نگر بارادهٔ تسخیر بیجاپور نهضت نمود.......... و خان جهان بہادر را با افواج و اسباب به تسخیر قلاع و بلاد حیدرآباد راهی ساخت و حیدرآباد را "دارالجهاد" نام نهاد (سیرالمتاخرین طبع لکھنؤ سنه ۱۲۹۱ جلد اول صفحه ۳۵۱) —

(۲) شهر حیدرآباد در دو کروہے قلعه آباد کردهٔ محمد قلی قطب الملک است که بر پاتری بہاگ متی شیدا گشته شہرے ترتیب داده به بہاگ نگر موسوم گردانیده۔ سپس بلهی نام شهرت گرفته الحال که داخل ممالک محروسه شد ضمیمۂ صوبه جات دکن گردیده دارالجهاد حیدرآباد می نویسند (ماثر عالم گیری طبع کلکته صفحه ۳۰۲ و صفحه ۳۰۳ —

(۳) چون نوبت به محمد قلی قطب الملک رسید بر بہاگ متی نام پاتری عاشق شد و تعلق بسیار بهم رسانید و بموجب خواهش او بفاصلۂ دو کروہے از قلعه شہرے بنام او آباد ساخته نامش بہاگ نگر گذاشت .... یکے از سلاطین بر قباحت اشتهار بنام آن زن مطلع شده بحیدرآباد مسمی گردانید .... و عالمگیر ..... شهر مذکور را بدارالجهاد موسوم ساخته بقتل و غارت اهالی آنجا و خرابی شهر مذکور پرداخت .... ودر زمان بهادرشاه شهر مذکور به "فرخنده بنیاد" موسوم گردید" - (سیرالمتاخرین جلد اول صفحه ۳۶۹) —

مذکورۂ بالا بیان کی تائید سکه جات سے بهی هوتی هے - اورنگ زیب عالمگیر اور شاهزاده کام بخش نے جو سکے حیدرآباد میں مضروب کرائے تھے ان پر شہر کا لقب دارالجهاد مضروب هے - اور یہی لقب شاه عالم بهادر کے اُن سکون پر پایا جاتا هے جو سنه ۱۱۲۱ تک مضروب هوے هیں - اور ایسا سکه جس پر شہر کا لقب فرخنده بنیاد ثبت هے سنه ۱۱۲۲ ھ میں مضروب هوا هے - اس سے ثابت هے که سنه ۱۱۲۲ ھ میں یه لقب حیدرآباد کا قرار پایا هے —

اورنگ زیب عالمگیر

(۱) دارالجهاد - حیدرآباد - سنه ۱۰۹۹ ھ —

اورنگ زیب عالمگیر	جلوس
شاه	میمنت
زد چو بدر منیر	دارالجهاد مانوس
سکه	ضرب
درجهاں ۱۰۹۹	حیدرآباد

P. M. C. No;1680

کام بخش

(۲) ——— دارالجہاد حیدرآباد - سنہ ۱۱۲۰ م سنہ (۲) جلوس

باد کام بخش	مانوس
شاہ	میمنت
بر خورشید و ماہ	جلوس حیدرآباد
سکہ	ضرب
دکن زد	دارالجہاد

Dem; No. 44 ;

شاہ عالم بہادر شاہ

(۳) دارالجہاد حیدرآباد - سنہ ۱۱۲۱ ھ سنہ ۴ جلوسی

رخ اول	(رخ دوم)
بادشاہ غازی	جلوس
۱۱۲۲	میمنت
عالم بہادر	دارالجہاد مانوس
شاہ	ضرب
سکہ مبارک	حیدرآباد

White - King. pp. 90 ;

(۴) فرخندہ بنیاد حیدرآباد سنہ ۱۱۲۲ ھ سنہ ۵ جلوسی

رخ اول - مانند نمبر ۳	رخ دوم جلوس
	میمنت
	مانوس ۵ حیدرآباد
	ضرب

I. M. C; III; No. 1681

صفحہ ۲۵ - " اس مسجد کے بلند ستون ایک ڈال پتھر کے تیراشیدہ ھیں - پوری عمارت سنگ بستہ ہے - موسیوتھیونو کا بیان ھے کہ کئی سو مزدوروں نے متواتر پانچ سال کام کرنے کے بعد اس کو کان سے نکالا تھا اور معدن سے مسجد تک ایک ہزار چار سو بیل کھینچ کر لائے تھے " —

یہ بیان موسیوتھونو کا نہیں بلکہ موسیوتیورنیر کا ھے اور اس نے یہ کیفیت ستونوں کی نہیں بلکہ اس محراب کی بیان کی ھے جہاں امام کھڑا ھو کر نماز پڑھاتا ھے —

" خاص کر وہ محراب جہاں نماز پڑھتے ھیں سب سے زیادہ تعجب انگیز ھے . وہ ایک ھی عظیم انشان پتھر کی بنی ھوئی ھے - جس کو پانچ چھہ سو آدمیوں نے

علی التواتر پانچ برس کام کرکے کان سے نکالا ہے اور اس کو اس معبد تک لانے میں اس سے بھی زیادہ مدت لگی ہے - وہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایسے ایک ہزار چار سو بیل کھینچ کر لائے ہیں" (سیاحت موسیو تیو ریلر سلسلۂ آصفیہ جلد اول طبع آگرہ سنہ ۱۸۹۶ صفحہ ۲۴ و ۲۵) —

صفحہ ۳۲- نعمت خان عالی کا نام "مرزا احمد" لکھا ہے - لیکن صحیح نام مرزا محمد ہے - سرو آزاد طبع لاہور صفحہ ۱۳۶ نتائج الافکار طبع مدراس صفحہ ۴۱ مقبرۂ ابن خاتون) —

مؤلف ماثر دکن نے حویلی قدیم میں زنانہ پھاٹک کے قریب ایک مقبرہ کو علامہ ابن خاتون کا مقبرہ بیان کیا ہے - لیکن کئی وجوہ اس کے خلاف ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مقبرہ علامہ ابن خاتون کا نہیں ہے —

اولاً، لوح مزار کا جو کتبہ مآثر دکن میں منقول ہے اس میں صاحب مرزا کا نام نہیں ہے —

ثانیاً، کتبہ پر سنہ ۹۹۱ ہجری کندہ ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ مزار سنہ ۹۹۱ کا بنا ہوا ہے جو محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ ہے - علامہ ابن خاتون سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں گزرے ہیں - اور تاریخ قطب شاہی میں ان کے حالات سنہ ۱۰۴۰ ھ تک مذکور ہیں اور اس سے ظاہر ہے کہ اس مزار کی تعمیر کے نصف صدی بعد علامہ ابن خاتون بقید حیات موجود تھے —

ثالثاً، علامہ ابن خاتون کا انتقال حیدرآباد میں نہیں بلکہ عرب کے شہر مخا میں ہوا ہے اور جب تک تاریخ سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ ان کی لاش مخا سے حیدرآباد میں منتقل کی گئی تھی - ان کے مقبرے کا حیدرآباد میں ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا —

ذوالفقار اردستانی نے جو علامہ ابن خاتون کا معاصر ہے اپنی کتاب دبستان میں یہودیوں کا تذکرہ کرتے ہوے لکھا ہے ' نامہ نگار .... درسال ہزار و پنجاہ و ہفت چوں بحیدرآباد رسید با محمد سعید سرمد آشنا شد و او دراصل از نژاد دانشوران یہود است از گروہی کہ ایشان را ربانیون گویند...... سرمد را اشعار نیکوست...... و درمدح شیخ محمد خاتون پیشوائے و امرائے نام دار سلطان عبداللہ قطب شاہ گفتہ —

اے کہ مدار عرش را دائرۂ عظیمۂ   کردہ بخدمت تو صدھم چو سپہر نوکری

نصف نہار وارکن شام من غریب را   گر بجناب قطب شاہ نصف نہار بر خوری

شیخ بصحبت سرمد رغبت بلمود - روزے کہ نامہ نگار از حضار بود باجران نامی کہ ستایش شیخ میکرد گذت عنقریب شیخ آنچہ اند وختہ باشد متوجہ سفر آخرت

خواهد شد و مہر محمد سعید مہر جملہ بمرتبۂ والا ترقی خواهد نمود. در همیں سال شیخ بعزم حج از حیدرآباد روان شد در هزار و پنجاه و نه در شہر مخا روانس از سفینۂ تن بمحیطۂ اطلاق پیوست "

(دبستان طبع بمبئی صفحه ۱۹۵)—

ادبی حیثیت سے کتاب میں کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی —

(حکیم سید شمس اللہ قادری)

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاصکر تعلیمی نظام و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بڑا سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پراز معلومات ہے - خاصکر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ)
قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ کلدار

سرگزشت حیات یا آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو ونما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا ہوا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے
(حجم ۳۰۰ صفحہ)
قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار —

تذکرۂ شعراے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ کلدار - غیر مجلد ایک روپیہ ۹ آنہ کلدار —

تاریخ تمدن

موسیو بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا

ترجمہ ہے - الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ مجلد دو روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ کلدار —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالاراتصنیف فوزالاصغر کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار مجلد ایک روپیہ کلدار —

القمر

قوانین حرکت وسکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ان سب کو جمع کردیا ہے طرزبیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ کلدار - مجلد ۱ روپیہ کلدار —

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہئے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے - قاعدہ غیر مجلد ۲ آنہ کلدار - کلید قاعدہ غیر مجلد ۳ آنہ کلدار —

فلسفۂ تعلیم

ہر برٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۳ روپیہ کلدار - غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

دریائے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاالله خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب وغریب نکات درج ہیں قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ کلدار مجلد ۲ روپیہ کلدار —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل

قلم بند کئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادوفات کی فہرست بھی منسلک ہے۔ قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ کلدار مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

مشاہیر یونان و رومہ

ترجمہ ہے۔ سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے۔ ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے۔ وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے۔ قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ کلدار۔ مجلد ۴ روپیہ کلدار جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف ہے اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے۔ قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ کلدار حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ کلدار —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اشتراکیت کا باب قابل دید ہے حجم ۸۸۵ صفحے قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

تاریخ اخلاق یورپ

اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر۔ تحقیق و صداقت کا مرادف ہے۔ یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن۔ معاشرت - اصول - اخلاق - مذاہب و خیالات کا مرقع ہے۔ حصۂ اول مجلد ۳ روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ۔ اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے۔ ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار —

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے۔علمی اصطلاحات سے معرا۔طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ کلدار —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا۔پانی۔غذا۔لباس۔مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے۔اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا۔حجم ایک ہزار صفحے۔قیمت مجلد چار روپیہ کلدار —

قواعد اردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے۔ بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے۔اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں۔نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں۔مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔قیمت مجلد دو روپیہ ۴ آنہ کلدار —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے۔ متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ کلدار —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف "یہ بالکل نیا موضوع ہے۔میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں"۔اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں۔مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے۔سابقوں اور لاحقوں اردو مصادر اور ان کے

مشقات-غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں-اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں-لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں اور ہمارے حوصلے بلند کردئے ہیں-اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آیندہ ترقی کے متعلق دعویٰ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے-مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا-اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے تعداد صفحات ۳۰۵ قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ کلدار—

نفح الطیب

یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے معلومات کا خزانہ ہے-خلافت اسپین کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے-علامۂ مقری کی نامور اور مشہور آفاق کتاب ہے جو پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہے-یہ کتاب عثمانیہ یونورسٹی کے نصاب میں بھی داخل ہے صفحات ۶۰۴ قیمت مجلد چھہ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالارا مضمون ہے-اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے-یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا-صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے-قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار—

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے-اس میں بعض قدیم اقوام سلطنت کلدانی-آشوری-بابل-بلی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت-عقائد-صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دئے ہیں-اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں-صفحہ ۲۷۴-قیمت مجلد دو روپیہ ۶ آنہ کلدار—

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی-اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے-برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے کہاں سے آتی ہے کیا کام آسکتی ہے-یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے-لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے-قیمت دو روپیہ ۴ آنہ کلدار—

—:o:—

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں
(کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڈھ)

سیرۃ النبی حصۂ اول ۴ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ دوم ۳ روپیہ ۸ آنہ
سیرۃ النبی حصۂ سوم ۲ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے ۱۳ روپیہ
سفرنامہ مولانا شبلی ۲ روپیہ
علم الکلام ۲ روپیہ
الکلام ۲ روپیہ
کلیات شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے ۸ روپیہ
انقلاب الامم ۲ روپیہ
برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
مکالمات برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
مثنوی بحرالمحبت ۱۲ آنہ
تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)
۲ روپیہ
سیرالصحابیات ۲ روپیہ ۴ آنہ
روح الاجتماع ۲ روپیہ
ابن رشد ۳ روپیہ
گل رعنا ۵ روپیہ
سیرالانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ

(مطبع کاویانی ۔ برلن)

موش و گربہ (فارسی) ۵ آنہ ۲ پائی
زادالمسافرین (فارسی) ۸ روپیہ
گلستان (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ

تیاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی)
۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رہنمائے پسران (فارسی) ۱ روپیہ
۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ ۔ علی گڈھ)

الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۲ آنہ
سیرۃ الرسول ۲ روپیہ ۸ آنہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
خلافت عباسیہ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب مہر (از نور الرحمن صاحب)
۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوہر ۸ آنہ
مجموعہ کلام جوہر ۲ آنہ
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازہارالعرب ۸ آنہ

انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبہ شیخ الہند ۲ آنہ
خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب
۲ آنہ
ہمارے نبی ۱ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر
۱۲ آنہ

(نظامی پریس - بدایون)

قاموس المشاہیر جلد اول ۶ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ
۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن)
۱ روپیہ ۸ آنہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھوگرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زرین مجلد ۲ روپیہ
مراثی انیس جلد اول مجلد
۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم اول
۸ روپیہ قسم دوم ۴ روپیہ
تذکرۃ الصلحا ۸ آنہ
کلزو لغا ریخ ۱ روپیہ ۸ آنہ
قصائد ذوق ۱ روپیہ ۸ آنہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
میانائے سخن ۱ روپیہ
حزن اختر ۸ آنہ
درس عمل ۴ آنہ
خواتین انگورہ ۱ روپیہ
بیگمات بنگال ۲ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنہ
مشرقی ترکستان ۶ آنہ
سیاحت زمین ۱ روپیہ
سیاحت ہوا ۱ روپیہ

الناظر پریس - لکھنؤ

تاریخ عرب ۷ روپیہ
موازنہ انیس و دبیر ۳ روپیہ
مقدمہ شعر شاعری ۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول النسخ ۶ آنہ
مسلمانان اندلس ۱ روپیہ
اسرار رنگون ۱ روپیہ
ہوم رول ۵ آنہ
خوان دعوت ۱ روپیہ
مصنوعی شوہر ۲ آنہ
وکرم اروسی ۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب ۶ آنہ
الحسان ۸ آنہ
ارض نہریں ۴ آنہ
تذکرۂ حزیں ۴ آنہ
حیات نظامی ۴ آنہ
خطاب ۴ آنہ

——: AOG :——

میلاد نبوی ۴ آنہ
تصویر درد ۴ آنہ
شمع و شاعر ۲ آنہ
فریاد امت ۳ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی ۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی ۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ ۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ ۱ روپیہ
سلجوک ۱۰ آنہ
جوہر قدامت ۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفہ سائنس ۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند ۲ روپیہ ۸ آنہ
پہلی چھتری ۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری ۱ روپیہ
اختر النسا بیگم ۱ روپیہ ۸ آنہ
دکھ بھری کہانی ۲ آنہ ۶ پائی
روشنک بیگم ۲ روپیہ
راسی کرونارت ۱ آنہ
رسوم دہلی ۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر ۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر ۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ ۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل ۳ روپیہ
پریم پچیسی حصہ اول ۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد ۴ روپیہ
نعمت خانہ ۱ روپیہ ۴ آنہ
خواب راحت ۴ آنہ
چندن ہار ۲ آنہ

انمول موتی ۱ آنہ ۶ پائی
سوکن کا جلاپا ۶ آنہ
گوہر مقصود ۶ آنہ
لیلیٰ ۲ روپیہ
سواد السبیل ۱ روپیہ
سخندان پارس ۱۰ آنہ
قوانین دولت ۴ آنہ
مینا ۱۲ آنہ
چترا ۱۲ آنہ

تصانیف نورالہی و محمد عمر صاحبان

موجودہ تمدن کے اسرار ۱ روپیہ
ناٹک ساگر یعنی دنیا کے ڈراما کی تاریخ
مجلد ۳ روپیہ
تین توبیاں ۸ آنہ
ظفر کی موت ۴ آنہ
قزاق ۸ آنہ
بگڑے دل ۸ آنہ

(دوسری قابل قدر کتابیں)

رسائل شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانہ اسکندریہ ۵ آنہ
مسدس حالی ۱۲ آنہ
جنگل کی پہلی کہانی ۵ آنہ
بادل کے بچے ۱ روپیہ
بانگ درا ۴ روپیہ
یادگار غالب ۱ روپیہ ۸ آنہ
مجموعہ نظم حالی ۸ آنہ
اکبری اقبال ۳ آنہ
الفاروق ۳ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر
۸ آنہ

نیرنگ ارض ۱ روپیہ ۴ آنہ
سیر المصنفین ۲ روپیہ
Hindustani Simplified (اردو آموز)
دنیش چندر دت صاحب ایم اے ۳ روپیہ
شرح Hindustani Simplified ۱ روپیہ
رسالہ نماز Prayer Book ۱ روپیہ
معراج العاشقین ۶ آنہ
ابتدائی تعلیم کی رام کہانی ۱ روپیہ
ہندو تہواروں کی اصلیت اور ان کی
جغرافیائی کیفیت ۸ آنہ
وہ چاندار جو نظر نہیں آتے ۴ آنہ
جہاں آرا بیگم ۸ آنہ
نظم شبلی ۴ آنہ
نفس اللغۃ ۱ روپیہ
خوبی سخن ۸ آنہ

دیگر ممالک میں قطع تعلق
۱۰ آنہ
آزادی اسلام ۴ آنہ
مصطفی کمال پاشا ۱ روپیہ ۸ آنہ
گوکھلے کی تقریریں ۱۲ آنہ
سلف گورنمنٹ ۶ آنہ
عالم خیال ۸ آنہ
حیات خسرو ۸ آنہ
نظام حیات انسانی ۸ آنہ
فرہنگ فارسی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
فرہنگ عربی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
اسلامی حکومت ۲ آنہ

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بیحد انتظار تھا۔اس میں میرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے۔میر صاحب کے قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی۔یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔مع مقدمۂ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مجلد ٥ روپیہ کلدار۔غیر مجلد ۴ روپیہ کلدار (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار)—

مکاتیب

نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک مرحومین کے غیر مطبوعہ خطوط کا قابل قدر۔دلچسپ۔پرازمعلومات اور بہترین مجموعہ۔مرتبہ مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال ۱ روپیہ—

المشتہر

انجمن ترقی اردو۔اورنگ آباد (دکن)

رسالہ اُردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالہ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چار آنہ کمی قیمت کے ساتھ دی جائیں گی۔اُمید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھائیں گے—

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی—

آنریری سکرٹری
انجمن ترقی اُردو-اورنگ آباد (دکن)

اطلاع

رسالہ اُردو کے نمبر ۲ سے نمبر ۲۰ تک موجود ہیں اور بہ حساب فی رسالہ دو روپیہ سکۂ انگریزی علاوہ محصول ڈاک مل سکتے ہیں—

صاحب مددگار صدر محاسب سرکار عالی حیدرآباد نے ۱۳۶ صفحہ کا مقدمہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے حالات، ان کی شاعری کی خصوصیات اور تصانیف کی تصریحات میں تحریر فرمایا ہے۔قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ—

بانگ درا (مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچۂ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور قیمت مجلد ۵ روپیہ ۴ آنہ، غیر مجلد ۴ روپیہ—

یادگار غالب

یعنی مرزا اسداللہ خاں غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر اردو و فارسی پر تفصیلی ریو و اور انتخاب۔مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم۔قیمت مجلد ۳ روپیہ—

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اردو دیوان کا لاجواب مقدمہ جس میں شعر اور شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے۔تنقیدی حیثیت سے اردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ—

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ مولفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ، غیر مجلد تین روپیہ —

وکرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے۔مرحوم قیمت مجلد دو روپیہ، غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

نیرنگ ارض

روے زمیں پر موسم۔ہوا۔آندھی۔طوفان۔دریا۔سمندر
زلزلے وغیرہ کے قدرتی واقعات اور ان کی وجہ سے جو فط
آتے ہیں اُن کو نہایت سلیس اور دلچسپ عبارت

۳۱۷
۳۲۱

(صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں)

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کارروائیاں۔ طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات۔ عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش۔ یہ کتاب بتائے گی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں۔ غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

مسئلہ شرقیہ

علامۂ مصطفی کمال پاشا کی کتاب "المسئلۃالشرقیہ" کا اردو ترجمہ۔ اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بے نقاب کردیے گئے ہیں۔ قیمت دو روپیہ۔

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ۔ مامون رشید اور امین اور ہارون الرشید کی سیاسی چالیں۔ تخت خلافت کے لئے جد و جہد۔ تاریخی، علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے۔ قیمت ۱ روپیہ ۸ آنہ۔

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سید جمال الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوتی بستی کو جگانے کیلئے لکھی۔ قیمت سوا روپیہ

سید جمال الدین افغان

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار) یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترکی احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا۔ قیمت ۵ آنہ۔

دربار علم

ین دربار علم کا انعقاد۔ افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے و تدریس کی بدعنوانیاں۔ علما و طلبا۔ شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا۔ لاج۔ مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

فقرائے اسلام

عبدالسلام صاحب ندوی۔ ان پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے جود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا۔ ان کی
[illegible]

فہرستِ مضامین

ذکر میر

(یعنی حضرت میر تقی میر مرحوم کی اپنی لکھی ہوئی آپ بیتی)

از اڈیٹر

حضرت میر تقی میر نے یہ کتاب اپنے حالات میں خود لکھی ہے - اب تک اُردو شعرا کے سینکڑوں تذکرے لکھے گئے ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو میر کے تذکرے سے خالی ہو اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُردو شاعری کو میر کے کلام پر بہت بڑا ناز ہے - لیکن کسی تذکرہ نویس نے اُن کی اس کتاب کا ذکر نہیں کیا - در حقیقت یہ کتاب نادرالوجود ہے اس کا ایک نسخہ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے کتب خانہ میں ہے، جو اس اسکول اور کتب خانے کے محترم بانی خان بہادر مولوی بشیرالدین صاحب نے اپنی عنایت سے ہمیں مستعار عنایت فرمایا ہے* چونکہ اس میں بعض حالات ایسے ہیں جو کسی دوسرے تذکرے میں نہیں پائے جاتے، اس لئے اس کا تبصرہ دلچسپی اور معلومات سے خالی نہ ہو گا —

جیسا کہ اُس وقت عام دستور تھا، میر صاحب نے یہ کتاب فارسی میں لکھی ہے - اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب کو فارسی زبان پر بڑی قدرت تھی - تمام کتاب بہت شیریں اور با محاورہ زبان میں لکھی ہے - اکثر مقامات پر مسجع اور مقفیٰ لکھتے ہیں لیکن اس میں بھی بے ساختہ پن اور

* مولوی صاحب موصوف کی اجازت سے عنقریب یہ نسخہ انجمن ترقی اُردو کی طرف سے شایع کیا جائے گا - (اڈیٹر)

شگفتگی پائی جاتی ھے - جگہ جگہ اپنے والد اور دوسرے بزرگوں کے اقوال یا اُن کی پند و موعظۃ یا گفتگو جو سراسر حقانیت اور للہیت سے مملو ھے، اس قدر پاکیزہ زبان میں اور ایسے موثر طریقے سے نقل کی ھے کہ کتاب میں خاص لطف پیدا ھو گیا ھے - اُس زمانے میں جو حالات اور واقعات پیش آے ھیں اور جن معاملات میں خود انھیں بھی شریک ھونا پڑا ھے، وہ بھی ساتھہ ساتھہ لکھتے گئے ھیں - یہ حصہ تاریخی لحاظ سے خاص حیثیت رکھتا ھے - اب ھم اس کتاب کا خلاصہ انھیں کی زبانی لکھتے ھیں، جس سے اس کتاب کی قدر و قیمت معلوم ھو گی —

بعد حمد و نعت کے فرماتے ھیں کہ فقیر میر محمد تقی المتخلص بہ میر اِن ایام میں بے کار اور بے یار و مددگار گوشۂ تنہائی میں بسر کرتا تھا، اپنا احوال جس میں زمانے کے حالات اور سوانح، حکایات اور نقلیں بھی ھیں، لکھنا شروع کیا اور اس نسخے کے خاتمے پر جس کا نام ذکر میر ھے، چند لطیفے بھی لکھہ دئے ھیں - اس تمہید کے بعد حالات شروع کرتے ھیں—

میرے بزرگ زمانے کی نامساعدت سے اپنی قوم و قبیلہ کے ساتھہ حجاز سے روانہ ھو کر سرحد دکن میں پہنچے - رستے میں بہت سی صعوبتیں اور مصیبتیں اُٹھائیں - وھاں سے وہ احمدآباد گجرات میں وارد ھوے - بعض تو اُن میں سے وھیں رہ گئے اور بعض تلاش معاش کے لئے آگے بڑھے - چنانچہ میرے جد کلاں نے دارالخلافۂ اکبرآباد میں توطن اختیار کیا - مگر آب و ھوا کی نا موافقت سے بیمار پڑ گئے اور اسی بیماری میں اس جہان سے انتقال کر گئے - ایک فرزند چھوڑا جو میرے دادا تھے - انھوں نے تلاش معاش میں تگ و دو کی اور بہت زحمت اور مصیبت کے بعد اکبرآباد کی فوجداری پر سرفراز ھوے - شریفانہ بسر کرتے تھے - جب سن شریف پچاس سال ھوا تو علیل ھو گئے اور ابھی پوری صحت نہ ھوئی تھی کہ گوالیار گئے اور چند ھی روز کے بعد اس دنیا سے ھمیشہ کے لئے رخصت ھو گئے —

اُن کے دو بیٹے تھے ' بڑے بیٹے کو کچھہ خلل دماغ تھا اور وہ جوان مرگیا چھوٹے بیٹے نے ' جو میرے والد تھے ' درویشی اختیار کی اور ترک دنیا کرکے بیٹھہ گئے - علم ظاھری جس کے بغیر عالم معنی تک پہنچنا دشوار ھے ' شاہ کلیم اللہ اکبر آبادی کي خدمت میں جو وھاں کے کامل اولیا میں سے تھے ' حاصل کیا اور انھیں بزرگ کی رھنمائی میں بڑی بڑی ریاضتیں کیں اور ترک و تجرید کی سعی میں بہت کچھہ زحمت برداشت کی ' جس سے وہ درویشی کے بڑے درجے تک پہنچے - جوان صالح اور عاشق پیشہ تھے ' دل میں گرمی اور سوز رکھتے تھے ' اس لئے علی متقی کے خطاب سے ممتاز ھوے - ھمیشہ یاد الہی میں مصروف رھتے تھے اور حق تعالی نے ھمیشہ انھیں ذلت سے محفوظ رکھا اور جب کبھی طبیعت شگفتہ ھوتی تو فرماتے کہ " بیٹا! عشق اختیار کرو کہ عشق ھی کا اس کارخانے پر تسلط ھے - اگر عشق نہوتا تو یہ تمام نظام درھم برھم ھو جاتا - بے عشق کے زندگانی وبال ھے اور عشق میں دل کھونا اصل کمال ھے - " عشق بساز و عشق بسوز " - عالم میں جو کچھہ ھے وہ عشق ھی کا ظہور ھے ...... بیٹا! زمانہ سیال ھے یعنے بہت کم فرصت ' اپنی تربیت سے غافل نہ رھو - اس رستے میں بہت نشیب و فراز ھے ' دیکھہ کر چلو.......... ایسے پھول کا بلبل بنو جو صدا بہار ھے..... فرصت کو غنیمت سمجھو اور اپنے تئیں پہچاننے کی کوشش کرو .... "

صورت ان کی بڑي متبرک تھی - نہایت با وقار تھے - اخلاق سنجیدہ اور اوصاف حمیدہ رکھتے تھے - استقامت ایسی تھی کہ شاید کسی میں ھو - " طبعش مشکل پسند جانش درد مند ' مژگاں نم ' حال درھم " —

ایک روز حالت اضطراب میں بھوکے پیاسے گھر سے نکل کھڑے ھوے اور لاھور پہنچے - وھاں ایک درویش راوی کے کنارے بیٹھا تھا ' تمام شہر میں اس کی شہرت تھی - اُس سے ملے ' معلوم ھوا کہ کچھہ نہیں ھے صرف مکر و فریب کا جال پھیلا رکھا ھے - اُسے اِس پر بہت لعن طعن کی جس سے بہت نادم ھوا - اس کے بعد وھاں سے وہ

کروں اور اپنے دل کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دوں"۔ ارشاد ہوا کہ "اس کے بعد جب یہ سیرابہ پز کبود جامہ تمھیں نظر آئے تو یقین جاننا کہ دوسرے سال تک زندہ نہ رہوگے"۔ بس اب سمجھ لو کہ میری عمر کے بہت کم دن باقی ہیں' یہ سن کر عم بزرگوار کو بہت ہی صدمہ ہوا اور کہا کہ انشاالله یہ واقعہ میں دیکھنے نہ پاؤں گا یعنے میں آپ سے پہلے اس دنیا سے اُٹھ جاؤں گا۔ جب اُس درویش سے باتیں ہوئیں تو اس نے بیان کیا کہ "کچھ دنوں سے میری دکان کی حالت ایسی ابتر ہوگئی تھی کہ ایک گاہک بھی نہ آتا تھا اور میری حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی۔ میں اسی غم میں زمین پر پڑا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پیر میرے سرھانے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے اسدالله اگرچہ سفر میں صعوبت بہت ہے اور رستہ بھی دور کا ہے' لیکن ایک بار تیرا علی متقی کے پاس جانا اور ملنا ضرور ہے۔ سمجھ میں اور اس میں ایک خاص اشارہ ہے' جب تو وہاں جائیگا تو وہ سمجھ جائیگا۔ جلد جا اور اپنی کساد بازاری سے پریشان نہو' وہاں سے آنے کے بعد تیری دکان خوب چلے گی۔ یہ بشارت سنتے ہی میں نے دکان چھوڑ چھاڑ اکبر آباد کا رخ کیا"۔ چند روز رہ کر درویش واپس چلا گیا —

عید کی صبح عم بزرگوار نے کپڑے بدلے اور عید گاہ کو تشریف لے گئے' وہاں سے آنے کے بعد دل میں درد اٹھا اور اس قدر بڑھا کہ چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور صبر و قرار ہاتھ سے جاتا رہا۔ میرے والد کو بلایا اور کہا کہ یہ درد لا علاج ہے اور اس سے بچنا محال ہے۔ رات بھر درد سے تڑپتے رہے۔ صبح کو اُدھر موذن نے الله اکبر کہا اور اِدھر بیمار کی روح پرواز کر گئی۔ والد کو اپنے عزیز مرید کی وفات کا بہت صدمہ ہوا اور اس دن سے اپنا نام عزیز مردہ رکھا۔ اور میری حالت یہ تھی کہ دنیا جہاں آنکھوں میں سیاہ ہوگیا۔ میں چونکہ اُنھیں کا پروردہ تھا' اپنی ساری ضرورتوں کو انہیں سے کہتا تھا' انہیں کے ساتھ کھاتا اور انھیں کے

ساتھہ سوتا تھا، اس لئے تمام دن اُن کو یاد کرتا اور راتوں کو روتا رھتا تھا - والد بہت سمجھاتے تھے مگر دل کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا، میر صاحب کی عمر اُس وقت دس سال کی تھی —

آخر وہ دن آگیا جس کا کھٹکا تھا - میر علی متقی بخار میں مبتلا ہوے - حکیموں نے بہت کچھہ علاج کیا، کچھہ فائدہ نہوا - مرض بڑھتا گیا - موت سے پہلے میرے بڑے بھائی حافظ محمد حسن کو بلایا اور فرمایا کہ میں فقیر ہوں اور سوائے تین سو جلد کتاب کے میرے پاس کچھہ نہیں ھے - کتابیں اُٹھا لاؤ کہ تم بھائیوں میں تقسیم کر دوں - وہ کہنے لگا کہ میں طالب علم ہوں اور یہ میرے کام کی چیز ھے، اِن بھائیوں کو کتابوں سے کچھہ واسطہ نہیں یہ پھاڑ پھوڑ ڈالیں گے یا پتنگ بنا بنا کر اُڑائیں گے - والد کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور کہا کہ اگرچہ تو نے فقیری اختیار کی ھے مگر تیرے نفس کی برائی اب تک نہیں گئی - تو اِن بچوں کو دھوکا دینا چاھتا ھے اور میرے مرنے کے بعد اِن کی خرابی کے درپے ھے - یاد رکھہ کہ خدا غیور ھے اور غیور کو درست رکھتا ھے - میر محمد تقی تیرا دست نگر نہوگا اور تو اس کا کچھہ نہ بگاڑ سکے گا - جا سب کتابیں تو ھی لے جا - اس کے بعد وہ مجھہ سے مخاطب ہوے اور فرمانے لگے کہ میں تین سو روپیہ کا بازار کا قرض دار ہوں، جب تک یہ قرض ادا نہ ہولے، میری نعش نہ اُٹھانا - میں نے اپنی زندگی وضعداری سے بسر کی ھے اور کبھی کسی کے ساتھہ مکر و دغا نہیں کی ھے - میں نے عرض کیا، ھماری ساری کائنات چند کتابیں تھیں اور وہ بھی بڑے بھائی لے گئے، اب قرض کیونکر ادا ہوگا - آبدیدہ ہوے اور فرمایا، خدا کریم ھے دل تنگ نہو، ھندوی رستے میں ھے، جلد پہنچا چاھتی ھے - میں چاھتا تھا کہ اس وقت تک زندہ رھوں مگر اتنی مہلت نہیں - میرے حق میں دعا کی اور خدا کے حوالے کرکے ھمیشہ کے لئے اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے —

درویش (والد) کی آنکھہ کا بند ہونا تھا کہ گویا میرے اوپر آسمان ٹوٹ

پڑا - روتے روتے بے حال ہوگیا اور سر زمین پر دے دے مارتا تھا - اُن کا مرنا میرے لئے قیامت کا سامنا تھا - بڑے بھائی نے ظاہرداری بھی چھوڑ دی اور بڑی بے مروتی اختیار کی - اس خیال سے کہ باپ مفلس مرا ہے' قرض خواہ تقاضا کریں گے' صاف پہلو تہی کر گئے اور کہنے لگے کہ جن کو اس نے ناز و نعم سے پالا ہے وہ جانیں اور اُن کا کام - میں کہ تازہ بیکس تھا' مجھے اُن کی اِن باتوں سے بہت رنج ہوا' مگر میں اُن کے پاس کوئی التجا لیکر نہ گیا' خدا پر نظر کی اور صبر و استقلال سے کام لیا - بازار کے بقال دو سو روپیہ لیکر میرے پاس حاضر ہوئے اور بہت منت سماجت کرنے لگے - لیکن میں نے درویش (والد) کی وصیت کے بموجب قبول نہ کیا اور حیلے حوالے کر کے ٹال دیا تاکہ انہیں ملال نہ ہو - اتنے میں مکمل خاں میرے عم بزرگوار کا مرید پانسو کی ہنڈی لیکر پہنچا اور میرے غم میں شریک ہوا - تین سو تو میں نے اسی وقت قرض خواہوں کو دئیے اور ایک سو میں تجہیز و تکفین کی اور درویش کو اُن کے پیر کے پہلو میں خاک کے سپرد کیا —

میر صاحب اب یتیم اور بے یار و مددگار ہو گئے - لیکن کسی کے آگے دست سوال نہ پھیلایا نہ کسی کے دروازے پر گئے اور نہ کسی نے اُن کی دستگیری کی - اپنے چھوٹے بھائی کو اپنی جگہ چھوڑ کر خود تلاش معاش کے لئے اطراف شہر میں نکلے' لیکن کوئی صورت نظر نہ آئی نا چار وطن کو خیر باد کہہ کے مسافرت پر کمر باندھی اور طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر شاہجہان آباد دہلی پہنچے لکھتے ہیں کہ "وہاں بھی بہت پھرا' کوئی شفیق نہ ملا - خواجہ محمد باسط جو صمصام الدولہ امیرالامرا کے بھتیجے تھے' میرے حال پر عنایت فرمائی اور مجھے نواب کے پاس لے گئے - مجھے دیکھکر فرمایا کہ یہ کس کا لڑکا ہے - کہا میر محمد متقی کا - فرمانے لگے کہ اس کے یہاں آنے سے ظاہر ہے کہ وہ اس دنیا سے گزر گئے - افسوس اور رنج کرنے کے بعد کہنے لگے کہ اس شخص کے مجھ پر بہت

حقوق ھیں اس لڑکے کو ہماری سرکار سے ایک روپیہ روزانہ دیا جائے۔ میں نے عرض کی کہ نواب از راہ لطف تحریری حکم فرمادیں تو متصدیوں کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے گی۔یہ کہہ کر میں نے اپنی درخواست جیب سے نکالی۔اتفاقاً خواجہ موصوف کی زبان سے یہ نکل گیا کہ یہ "وقت قلمدان" نہیں ھے۔یہ سنکر مجھے بے تحاشا ھنسی آئی۔نواب میرا منہ دیکھنے لگے اور ھنسی کی وجہ پوچھی۔عرض کی کہ میں اِن الفاظ کا مطلب نہیں سمجھا اگر یہ فرماتے کہ قلمدان بردار حاضر نہیں ھے تو کچھہ مضائقہ نہ تھا، یا یہ کہتے کہ یہ وقت نواب صاحب کے دستخط کا نہیں تو کوئی بات ھوتی۔لیکن یہ کہنا کہ وقت قلمدان نہیں ھے، نیا محاورہ ھے۔چوبی قلمدان ھر وقت سامنے حاضر نہیں رھتا اور نہ وہ وقت اور غیر وقت کو سمجھتا ھے، جس وقت کسی ملازم کو حکم ھوتا ھے وہ لاکر حاضر کر دیتا ھے۔نواب اس پر ھنسنے لگے اور کہنے لگے کہ معقول بات کہتا ھے۔غرض قلمدان منگاکر میری عرضی پر دستخط فرمادئے۔وہ دربار کا روز تھا، لباس وغیرہ پہن کر تیار ھوگئے اور مجھے بہت لطف و عنایت کے ساتھہ رخصت کیا"۔۔۔

نواب صاحب موصوف نادرشاہ کی جنگ میں مارے گئے اور میر صاحب کا روزینہ بند ھو گیا، جس سے وہ بہت پریشان ھوے۔کہتے ھیں کہ "جو لوگ درویش (والد) کی زندگی میں میری خاک پا کو سرمہ سمجھہ کر آنکھوں میں لگاتے تھے، اب انہوں نے یکبارگی مجھہ سے آنکھیں چرالیں۔ناچار پھر دھلی گیا اور اپنے بڑے بھائی کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو کا منت پذیر ھوا۔یعنے کچھہ دن اُن کے پاس رھا اور شہر کے بعض صاحبوں سے چند کتابیں پڑھیں۔جب میں کسی قابل ھوا تو بھائی صاحب کا خط پہنچا کہ میر محمد تقی فتنۂ روزگار ھے، ھرگز اُس کی تربیت میں سعی نہ کی جاے۔وہ عزیز (سراج الدین علی خاں) واقعی دنیا دار شخص تھا، اپنے بھانجے کے لکھنے پر میرے درپے ھوگیا۔جب

پڑا - روتے روتے بے حال ہوگیا اور سر زمین پر دے دے مارتا تھا - اُن کا مرنا میرے لئے قیامت کا سامنا تھا - بڑے بھائی نے ظاہرداری بھی چھوڑ دی اور بڑی بے مروتی اختیار کی - اس خیال سے کہ باپ مفلس مرا ہے' قرض خواہ تقاضا کریں گے' صاف پہلو تہی کر گئے اور کہنے لگے کہ جن کو اس نے ناز و نعم سے پالا ہے وہ جانیں اور اُن کا کام - میں کہ تازہ بیکس تھا' مجھے اُن کی اِن باتوں سے بہت رنج ہوا' مگر میں اُن کے پاس کوئی التجا لیکر نہ گیا' خدا پر نظر کی اور صبر و استقلال سے کام لیا - بازار کے بقال دو سو روپیہ لیکر میرے پاس حاضر ہوئے اور بہت منت سماجت کرنے لگے - لیکن میں نے درویش (والد) کی وصیت کے بموجب قبول نہ کیا اور حیلے حوالے کر کے ٹال دیا تاکہ انہیں ملال نہ ہو - اتنے میں مکھل خاں میرے عم بزرگوار کا مرید پانسو کی ہنڈی لیکر پہنچا اور میرے غم میں شریک ہوا - تین سو تو میں نے اسی وقت قرض خواہوں کو دئیے اور ایک سو میں تجہیز و تکفین کی اور درویش کو اُن کے پیر کے پہلو میں خاک کے سپرد کیا --

میر صاحب اب یتیم اور بے یار و مددگار ہو گئے - لیکن کسی کے آگے دست سوال نہ پھیلایا نہ کسی کے دروازے پر گئے اور نہ کسی نے اُن کی دستگیری کی - اپنے چھوٹے بھائی کو اپنی جگہ چھوڑ کر خود تلاش معاش کے لئے اطراف شہر میں نکلے' لیکن کوئی صورت نظر نہ آئی نا چار وطن کو خیر باد کہہ کے مسافرت پر کمر باندھی اور طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر شاہجہان آباد دہلی پہنچے لکھتے ہیں کہ "وہاں بھی بہت پھرا' کوئی شفیق نہ ملا - خواجہ محمد باسط جو صمصام الدولہ امیرالامرا کے بھتیجے تھے' میرے حال پر عنایت فرمائی - مجھے نواب کے پاس لے گئے - مجھے دیکھکر فرمایا کہ یہ کس کا لڑکا ہے - میاں محمد متقی کا - فرمانے لگے کہ اس کے یہاں آنے سے ظاہر ہے کہ وہ اس دنیا سے گزر گئے - افسوس اور رنج کرنے کے بعد کہنے لگے کہ اس شخص کے مجھ پر بہت

حقوق هیں اس لڑکے کو ہماری سرکار سے ایک روپیہ روزانہ دیا جائے -
میں نے عرض کی کہ نواب از راہ لطف تحریری حکم فرمادیں تو متصدیوں کو
اعتراض کی گنجائش نہ رہے گی - یہ کہہ کر میں نے اپنی درخواست
جیب سے نکالی - اتفاقاً خواجہ موصوف کی زبان سے یہ نکل گیا کہ یہ
" وقت قلمدان " نہیں ہے - یہ سنکر مجھے بے تحاشا ہنسی آئی - نواب میرا
منہ دیکھنے لگے اور ہنسی کی وجہ پوچھی - عرض کی کہ میں اِن الفاظ کا مطلب
نہیں سمجھا اگر یہ فرماتے کہ قلمدان بردار حاضر نہیں ہے تو کچھہ مضائقہ نہ
تھا ' یا یہ کہتے کہ یہ وقت نواب صاحب کے دستخط کا نہیں تو کوئی بات ہوتی - لیکن
یہ کہنا کہ وقت قلمدان نہیں ہے ' نیا محاورہ ہے - چوبی قلمدان ہر وقت سامنے
حاضر نہیں رہتا اور نہ وہ وقت اور غیر وقت کو سمجھتا ہے ' جس وقت کسی ملازم
کو حکم ہوتا ہے وہ لاکر حاضر کر دیتا ہے - نواب اس پر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ
معقول بات کہتا ہے - غرض قلمدان منگاکر میری عرضی پر دستخط فرمادئے - وہ
دربار کا روز تھا ' لباس وغیرہ پہن کر تیار ہوگئے اور مجھے بہت لطف و
عنایت کے ساتھہ رخصت کیا " -

نواب صاحب موصوف نادرشاہ کی جنگ میں مارے گئے اور میر صاحب کا
روزینہ بند ہو گیا ' جس سے وہ بہت پریشان ہوے - کہتے ہیں کہ " جو لوگ درویش
(والد) کی زندگی میں میری خاک پا کو سرمہ سمجھہ کر آنکھوں میں لگاتے تھے '
اب انہوں نے یکبارگی مجھہ سے آنکھیں چرالیں - ناچار پھر دھلی گیا اور اپنے بڑے
بھائی کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو کا منت پذیر ہوا - یعنے کچھہ دن
اُن کے پاس رہا اور شہر کے بعض صاحبوں سے چند کتابیں پڑھیں - جب میں کسی
قابل ہوا تو بھائی صاحب کا خط پہنچا کہ میر محمد تقی فتنۂ روزگار ہے '
ہرگز اُس کی تربیت میں سعی نہ کی جاے - وہ عزیز (سراج الدین علی خاں)
واقعی دنیا دار شخص تھا ' اپنے بھانجے کے لکھنے پر میرے درپے ہوگیا - جب

کبھی ملاقات ہوتی تو بلاوجہ برا بھلا کہنا شروع کر دیتے اور طرح طرح سے مجھے تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے۔میرے ساتھ اُن کا سلوک ایسا تھا جیسے کسی دشمن سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر ان کی دشمنی کی تفصیل کروں تو ایک دفتر ہوجاے۔غرض اس سے میر صاحب کو اس قدر رنج اور تکلیف ہوئی کہ وہ دروازہ بند کئے پڑے رہتے تھے اور اس رنج و غم میں اُن کی حالت جنون کی سی ہوئئی - فخرالدین خاں نے جو اُن کے والد کے مرید اور رشتہ دار ہوتے تھے - علاج معالجے میں بہت سعی کی اور کچھہ دنوں کے بعد ان کا مزاج بحال ہوگیا اور مکتوبات پڑھنے شروع کر دیے —

لکھتے ہیں کہ ایک روز بازار میں کتاب کے کچھہ اوراق لئے بیٹھا تھا کہ میر جعفر نام ایک صاحب اُدھر سے گزرے، مجھے دیکھا اور میرے پاس آئے - کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں پڑھنے کا شوق ہے، مجھے بھی کتاب سے عشق ہے، لیکن کوئی مخاطب نہیں ملتا -اگر تمیھں شوق ہو تو کچھہ دنوں میں تمھاری مدد کروں - میں نے کہا کہ مجھہ میں اتنی استطاعت نہیں کہ آپ کی کچھہ خدمت کر سکوں اگر آپ یہ تکلیف لله گوارا فرمائیں تو بڑی بندہ نوازی ہوگی - کہنے لگے اتنی بات ہے کہ جب تک میں ناشتا نہیں کر لیتا، باہر قدم نہیں رکھتا۔میں نے کہا کہ اگرچہ میں خود تنگ دست ہوں مگر خداے کریم یہ مشکل بھی آسان کر دیگا - اُس روز سے اکثر ان سے ملاقات رہی - یہ بہت ہی عنایت سے پیش آتے تھے اور بڑی دلسوزی اور دماغ سوزی سے پڑھاتے تھے - مجھہ سے بھی جہاں تک بن پڑتا تھا، اُن کی خدمت کرتا تھا - اچانک ایک روز اُن کے وطن عظیم آباد سے خط آیا اور وہ اُدھر چلے گئے - کچھہ دنوں بعد سعادت علی سے جو امروھہ کے سید تھے، ملاقات ہوئی -انھوں نے مجھے ریختہ* میں شعر موزوں کرنے کی ترغیب دی - میں نے

* مہر صاحب کی عبارت یہ ہے " آں عزیز مرا تکلیف موزوں کردن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اردوے معلیٰ بادشاہ ہندوستاں ودراں وقت رواج داشت، کرد" —

اس میں جان توڑ کے محنت کی اور ایسی مشق بہم پہنچائی کہ میں شہر کے موزوں گوؤں میں مستند سمجھا جانے لگا اور میرے شعر سارے شہر میں مشہور ہوئے اور چھوٹے بڑے سب شوق سے پڑھتے تھے —

ایک روز خالو صاحب نے مجھے کھانا کھانے کے لئے بلایا - انھوں نے ایسی ناگوار اور تلخ باتیں کرنی شروع کیں کہ میری طبیعت بہت بے مزہ ہوئی اور بغیر کھانا کھائے اٹھ بیٹھا اور شام ہی کو اُن کے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور جامع مسجد کی طرف چلا - اتفاقاً رستہ بھول کے قاضی کے حوض پر جو وزیرالممالک اعتمادالدولہ کی حویلی کے قریب ہے، جا پہنچا - وہاں علیم‌الله نام ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تم میر محمد تقی میر تو نہیں؟ - میں نے کہا تم نے کیونکر پہچانا؟ - کہا کہ "تمہاری سودائیانہ وضع مشہور ہے - رعایت خاں نے جو عظیم‌الله خاں کا بیٹا اور اعتمادالدولہ قمرالدین خاں کا نواسہ ہے، جب سے تمہارے شعر سنے ہیں، تمہاری ملاقات کا بے حد مشتاق ہے - اگر تم میرے ساتھ چل کر اُن سے مل لو، تو یہ میری تقریب کا بھی موجب ہوگا - میں گیا اور ملا - وہ بہت تہذیب اور انسانیت سے ملے اور مجھے اپنا رفیق بنا لیا - اس طرح تنگدستی سے مجھے چھٹکارا نصیب ہوا —

جب شاہ درانی لاہور پہنچا تو شاہ نواز خاں پسر ذکریا خاں جو وہاں کا صوبہ دار تھا، بھاگ گیا - وزیر اور صفدر جنگ اور ایشر سنگھ پسر راجہ جے سنگھ جو بڑا زمیندار تھا، پادشاہ زادہ احمد شاہ کو لیکر جنگ کے لئے نکلے - سرہند کے اُس طرف وزیر کے ایسی گولی لگی کہ وہ زندہ نہ بچے اور زمیندار مذکور بھاگ گیا - صفدر جنگ اور وزیر شہید کا بیٹا معین‌الملک، احمد شاہ کو سوار کر کے افغانوں کی لڑائی کے لئے آمادہ ہوئے - اس سفر میں، میں بھی خان موصوف کے ساتھ تھا اور جو خدمت میرے لائق ہوتی، انجام دیتا تھا - جب افغان شکست کھا کر بھاگ گئے تو معین الملک ناظم لاہور مقرر ہوئے - خان موصوف ان کی

رفاقت ترک کر کے صفدر جنگ کے ساتھہ شہر (دھلی) کی طرف روانہ ہوے - پانی پت کے قریب خبر پہنچی کہ محمد شاہ بادشاہ انتقال کر گئے - صفدر جنگ نے از راہ فخر چتر اور تخت احمد شاہ کے حضور میں پیش کیا اور بڑے کر و فر کے ساتھہ شہر میں داخل ہوے - یہاں بادشاہ مرحوم کے خواجہ سرا نواب بہادر کے خطاب سے ممتاز ہوے اور سلطنت کا اختیار ان کے ھاتھہ میں آگیا - جب نظام الملک آصفجاہ نے دکن میں انتقال کیا تو منصب وزارت صفدر جنگ کو ملا اور سادات خاں ذوالفقار جنگ بخشی گری کی خدمت پر سرفراز ہوے - وزیر حال کی امارت اور شان و شوکت کی یہ نوبت پہنچی کہ اس کے سامنے بادشاہ کی بھی کچھہ حقیقت نہ رہی —

بخشی حال نے راجہ رنجیت سنگھہ کو جو ایک مشہور بڑا زمیندار تھا صوبۂ اجمیر کی نیابت دیکر اُس کے بڑے بھائی ابھے سنگھہ کے مقابلے میں، جو ریاست جودھ پور کا راجہ تھا، بھیجا - راجۂ مذکور، خان (رعایت خان) کو فوج کا سردار بنا کر اپنے ساتھہ لے گیا - قصبۂ سامبھر کے نواح میں جو اجمیر کے اس طرف بیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے، دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوے اور توپ خانہ کی لڑائی شروع ہوئی - طرف ثانی کے لوگ بھاگ نکلے - نا چار اس طرف کا رئیس ملہار راؤ جو دکن کے سرداروں میں نامور سردار تھا، بیچ میں پڑا اور صلح کرادی - صلح کے بعد میں خواجۂ بزرگ (نواب بہادر) کی بارگاہ پر زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا اور اس علاقے کی سیر کر کے واپس آ گیا - یہاں کسی معاملے میں خان اور راجہ رنجیت سنگھہ میں تیز گفتگو ہوئی - جو راجہ کو بہت ناگوار گزری اور نوبت نزاع تک پہنچ گئی - خان نے مجھے معذرت کے لئے بھیجا - میں گیا اور قسمیں کھائیں مگر راجہ کا دل صاف نہ ہوا - راجہ نے رسالہ کی تنخواہ بھیج کر خان کو رخصت کر دیا - خان ناچار شہر واپس آگئے اور کچھہ دنوں کے لئے خانہ نشین ہو گئے —

ایک روز چاندنی رات میں خاں موصوف مہتابی پر بیٹھے تھے اور اُن کے روبرو ایک گویا لڑکا بیٹھا گا رہا تھا' اتنے میں میں پہنچا - مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ اس لڑکے کو ریختے کے اپنے دو تین شعر یاد کرا دیجئے تو وہ گانے کے قاعدے سے درست کر کے گا لیگا - میں نے اس میں عذر کیا اس پر وہ مجھے میرے سر کی قسمیں دینے لگے - چونکہ ملازمت کا تعلق تھا میں نے اُن کے ارشاد کے موافق چار پانچ شعر یاد کرا دئے - لیکن میرے طبع نازک پر یہ امر بہت ہی نا گوار گزرا - آخر دو تین روز کے بعد میں خانہ نشین ہو گیا - ہر چند مجھے بہت ہی لطف و عنایت سے بلایا' میں نہ گیا اور اُن کی ملازمت ترک کر دی - مگر با وجود اس کے اُس شخص کی مروت دیکھئے کہ اُس نے مجھے نا کام نہ رکھا اور میری رفاقت کے خیال سے میرے بھائی محمد رضی کو اپنے گھر سے گھوڑا دیا اور نوکر رکھہ لیا - جب ایک مدت دراز کے بعد میں جا کر ملا تو بہت معذرت کی اور میں نے بھی گزشتہ پر صلوۃ بھیجی —

چندے اسی طرح گزری - اس کے بعد میں نے نواب بہادر کے کارخانے میں تلاش روزگار کی کوشش کی اور وہاں نوکر ہو گیا - اُن کی فوج کے بخشی اسد یار خاں نے میرا حال بیان کر کے گھوڑے اور نوکری کی تکلیف معاف کرا دی - وہ میرا بہت پاس کرتے تھے اور مدد کرتے رہتے تھے —

جس وقت قائم خاں پسر محمد خاں بنگش رہیلوں کی لڑائی میں مارا گیا اور صفدر جنگ اس کے گھر کی ضبطی کے لئے گئے تو میں بھی اسحاق خاں نجم الدولہ کے ساتھہ اس طرف کی سیر کی غرض سے چلا گیا - قایم خاں کے چھوٹے بھائی احمد خاں سے بڑی لڑائی ہوئی' وزیر کی فوج کو شکست ہوئی اور اسحاق خاں مارے گئے - میں بھی شکست خوردہ فوج کے ساتھہ پھر شہر کو واپس آگیا اور بے حد تکلیف اُٹھائی - وزیر نے دوبارہ لشکر کشی کی اور افغانوں کو مغلوب کر کے پورا تسلط کر لیا —

ذوالفقار جنگ میر بخشی نواب بہادر کی خصومت کی وجہ سے اپنے مرتبے سے گر گئے اور امیرالامرائی کی خدمت آصف جاہ کے بیٹے غازی الدین خاں فیروز جنگ کو دی گئی-وہ صوبۂ دکن کے انتظام کے لئے جارہے تھے کہ رستے میں ہیضہ سے انتقال کرگئے-بخشی گری کا خلعت اُن کے بیٹے عمادالملک کو عنایت ہوا میں عزیزوں کی ملاقات ترک کرکے مطول کے پڑھنے میں مشغول ہوگیا-جس زمانے میں کہ صفدر جنگ نے نواب بہادر کو دغا سے قتل کر ڈالا، تو بڑا انقلاب ہوا اور میں بھی بے کار ہوگیا—

وزیر کے دیوان مہا نراین نے اپنے دیوان خانے کے داروغہ میر نجم الدین علی سلام تخلص (پسر میر شرف الدین علی) کے ہاتھ میرے پاس کچھ بھیجا اور بہت اشتیاق سے مجھے بلایا-میں اس وقت سے اُن کی سرکار کا متوسل ہو گیا اور چند ماہ فراغت سے گزر گئے—

ابھی خواجہ سرائے مظلوم کا خون خشک نہ ہوا تھا کہ ایک دوسرا فتنہ برپا ہوا یعنے وزیر کے دماغ میں خلل پیدا ہوا-وہ بادشاہ سے سرکش ہوگیا-ہرچند صلح کی کوشش کی گئی مگر اس کا پر غرور سر نہ جھکا-آخر نوبت لڑائی تک پہنچی-چھہ ماہ تک لڑائی رہی اور پرانا شہر غارت ہوگیا-بادشاہ کے آدمیوں نے ایسا استقلال دکھایا کہ سرکش وزیر کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اُسے صلح کرتے بنی-بادشاہ نے بھی صلح کو غنیمت جانا اور اُسے اپنے صوبے پر جانے کی اجازت دے دی-اور اُس کی جگہ وزیر انتظام الدولہ ہوگئے—

ان ایام میں زمانے کی نا مساعدت سے میں نے خالو کی ہمسائگی چھوڑی اور اس خیال سے کہ وہ مجھے نظر حقارت سے نہ دیکھے، امیر خاں مرحوم کی حویلی میں رہنے لگا-یہ امیر خاں عہد محمد شاہی کے بڑے امیر تھے اور الہ آباد کے صوبہ دار تھے-ان کا تخلص انجام تھا-اُن کی خوش سلیقگی اور طلاقت لسانی اب تک لوگوں میں مشہور ہے-یہ زمانہ میں نے بری بھلی طرح جیسے ممکن ہوا

بسر کیا۔

تھوڑی ھی سی مدت میں عماد الملک نے یہ قوت بہم پہنچائی کہ سرداران دکن کو اپنے سے ملا لیا اور سورج مل زمیندار پر صفدر جنگ کی رفاقت کے الزام میں لشکر کشی کی اور کسی حیلے سے اس کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ ملہار راؤ کا بیٹا بھی اسی جنگ میں مارا گیا۔ زمیندار مذکور وزیر سے خط و کتابت رکھتا تھا، اس وجہ سے وزیر اور عماد الملک میں نفاق پیدا ھوگیا۔ بادشاہ نے جمنا کے اُس طرف بیس کوس کے فاصلے پر سکندر آباد کے قریب خیمے لگائے۔ ایک روز شام کو خبر پہنچی کہ عماد الملک اور سرداران دکن نے سورج مل سے صلح کرلی ھے اور بادشاہ کے لشکر کی غارت گری کے لئے پہنچا ھی چاھتے ھیں۔ بادشاہ، صمصام الدولہ اور میر آتش اور چند اور نمک حراموں کے مشورے سے ناموس سے قطع نظر کرکے سراسیمہ بھاگے۔ صبح تک دکن کی فوج بھی وھاں پہنچ گئی اور لشکر کو غارت کرکے تعاقب کیا اور دریا کے اس طرف خیمے لگادئے۔ بادشاھی آدمیوں میں سے کوئی بھی قلعہ میں نہ رھا۔ عماد الملک نے آکر قلمدان وزارت پر قبضہ کرلیا۔ بیوقوف وزیر کسی ایک طرف بھاگ گئے اور بادشاہ باغ میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد غدار دوستوں نے بادشاہ کو گرفتار کرلیا اور آنکھوں میں سلائی پھیردی اور بہادر شہ کے نواسے کو تخت پر بٹھا دیا۔ جس کا لقب عالمگیر ثانی ھوا۔ یہ تہ لوگ با اختیار ھو گئے۔ صمصام الدولہ عقل سے بہرا نہ رکھتا تھا، وہ امیر الامرا ھوگیا۔ میں اس سفر وحشت اثر میں احمد شاہ کے ساتھ تھا۔ واپس آکر گوشہ نشین ھوگیا۔

اسی زمانے میں صفدر جنگ اس دنیا سے سدھار گئے اور اُن کے بیٹے شجاع الدولہ اُن کے جانشین ھوے۔ میرے خالو "بادیہ پیمائے طمع" ھوے، یعنی شجاع الدولہ کے لشکر میں اس توقع سے گئے کہ اسحاق خاں کے بھائی وھاں اچھی خدمتوں پر ھیں، سابق حقوق پر نظر کرکے رعایت کریں گے۔ لیکن

بجز ناکامی کے کچھ ھاتھہ نہ آیا-زمانے نے بے وفائی کی۔ وھیں مر گئیے-اُن کی نعش کو یہاں لاے اور انھیں کی حویلی میں دفن کردی—

دو تین ماہ بعد راجہ جگل کشور جو محمد شاہ کے عہد میں دیوان بنگالہ تھے اور بڑی ثروت سے بسر کرتے تھے، مجھے گھر سے اٹھا کر لے گئیے-اپنے کلام کی اصلاح کی خواھش کی-میں نے اصلاح کی قابلیت نہ دیکھی اور اُن کی اکثر تصنیفات پر خط کھینچ دیا—

اس زمانے میں راجہ ناگرمل جو فردوس آرام گاہ کی سلطنت میں دیوانیء خالصہ وتن سے ممتاز تھے، نیابت وزارت و خطاب مہاراجگی و عمدۃ الملکی سے سرفراز ھوے-چونکہ شہر کے مظلوموں کو اپنے گھر میں پناہ دیتے تھے اور اُن کی داد کو پہنچتے تھے۔ اس لئیے اُن سے دشمنی بڑھ گئی تھی-دربار میں جاتے تو بڑے احتیاط اور طمطراق سے جاتے اور فوج ساتھہ رکھتے اور یاروں کے فریب میں نہ آتے اور شان اور قوت سے بسر کرتے تھے-ان ایام میں صمصام الدولہ میر بخشی مرض سل میں مبتلا ھو کر انتقال کر گئیے-اُن کا بیٹا جو محض بے حقیقت تھا، اُن کی جگہ مقرر ھوا—

اس اثنا میں درانی جو سر ھند سے شکست کھاکر بھاگا تھا، ایک بڑا لشکر لیکر لاھور پہنچا-وھاں کے وضیع و شریف پر بڑے بڑے ظلم ھوے-چونکہ کوئی روکنے والا نہ تھا، وھاں سے شہر (دھلی) کا قصد کیا-اُس کی آمد آمد کی خبر سن کر لوگ سخت پریشان اور بدحواس ھوے-بادشاہ اور وزیر سے کچھہ نہوا-آخر اس کے استقبال کو گئیے اور قید ھوگئیے-راجہ ناگر مل بعض روسا مثل سعدالدین خاں خانساماں وغیرہ کے ساتھہ اپنی حفاظت کے لئیے سورج مل کے قلعوں میں چلے گئیے-قریب ایک ماہ کے لوگوں پر بڑی سختی گزری-اس کے بعد سلطنت شاہ عالمگیر کو بخش کر وزیر کو اپنے ساتھہ لے گیا اور اکبرآباد کا رخ کیا-اس کی فوج نے غارت گری شروع کی-مہترارا میں جو شہر سے اس طرف اٹھارہ کوس کے فاصلے پر

ایک آباد اور با رونق شہر تھا' قتل عام ہوا - ہوا اس قدر متعفن ہوئی کہ شاہ نے طاعون کے خوف سے سورج مل کے خیال کو چھوڑ دیا اور دفعتاً کوچ کیا اور محمد شاہ کی بیٹی سے نکاح کرکے بالا بالا چلا گیا - عمادالملک اکبرآباد کے نواح میں رہے - نجیب الدولہ نے جو صفدر جنگ کی لڑائی میں وزیر کے نوکر ہوگئے تھے' نمایاں ترقی کی اور میر بخشی اور مختار سلطنت ہوگئے - یہاں راجہ ناگر مل نے سردار دکن سے ساز باز کرلیا اور وزیر اور احمد خاں اور ان کو لیکر نجیب الدولہ پر چڑھ گیا - وہ شہر بند ہوگیا - توپخانہ کی جنگ ہونے لگی - بعض خود غرض سردار تھوڑے سے غلبے سے شہر کی خرابی کے درپے ہوے - راجۂ مذکور کہ جس کا مدعا سواے وزیر کی نیک نامی کے کچھہ نہ تھا اس کی روک تھام کرنے لگے اور سمجھانے لگے کہ شہر پر حملہ کرنا ایک ناروا فعل ہے - دکن کی فوج ایک عالم کے ناموس کو برباد کردے گی' تم واقف نہیں ہو - ایسا نہو کہ شہر غارت ہوجاے اور بد نامی ہو' مناسب یہ ہے کہ روھیلوں کو صلح سے باھر نکال لائیں اور شہر کو سلامت رکھیں - آخر نجیب الدولہ شہر سے نکلا اور سہارنپور میں جہاں اس کی فوجداری تھی' چلا گیا - وزیر وغیرہ شہر میں آئے' دکن کی فوج کو رخصت کیا اور توپخانہ کی داروغگی راجہ کے بیٹے کو دي - احمد خاں میر بخشی ہوگئے -

ایک روز میں نے راجہ جگل کشور سے روزگار کی شکایت کی - اس عزیز کا چہرہ خجالت سے سرخ اور زرد ہوگیا اور کہنے لگے وہ میں افلاس کے ہاتھوں مجبور ہوں ورنہ کبھی دریغ نہ کرتا - ایک دن سوار ہوکر راجہ ناگر مل کے ہاں گئے اور میري تقریب کی اور مجھہ سے اُن سے ملنے کے لئے کہا - میں گیا اور ملا - بہت لطف و مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ دعوت شیراز حاضر ہے - یعنے جو کچھہ موجود ہے اس میں تمھارا بھی حصہ ہے - اس سے مجھے اطمینان ہوا اور چلا آیا - دوسرے روز صحبت شعر کا اتفاق ہوا - فرمانے لگے کہ میر کا ہر شعر موتیوں کی لڑی ہے' مجھے اس جوان کا طرز بہت ہی پسند ہے - اسی طریقے سے کچھہ دنوں آتا جاتا رہا

مگر کچھہ حاصل نہوا - جب نوبت انتہا کو پہنچ گئی اور اضطراب زیادہ بڑھا تو ایک روز نماز صبح کے بعد اُن کے دروازے پر گیا - جے سنگھہ نامی مردھوں کا چوبدار آگے آکر کہنے لگا کہ یہ کونسا وقت دربار کا ہے - میں نے کہا کہ حالت اضطراری ہے - کہا کہ تم کو لوگ درویش کہتے ہیں' کیا تم نے نہیں سنا کہ لا تتحرک ذرۃ اِلا باذن اللہ - یہاں امارت کا کارخانہ ہے' کسی کی پروا نہیں ہے - صابر و شاکر رہنا چاہئے' ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے - یہ راہ کسی قدر دور کی ہے۔ اُن کے بڑے فرزند سے ملنا چاہئے - میں شرم سے پانی پانی ہوگیا اور چلا آیا ("تر آمدم و بر آمدم") - ایک شب اُس کے کہنے کے مطابق' اُن کے بیٹے کے ہاں گیا - دربان نے روکا اور کہا کہ اس وقت ملاقات کا ہونا ممکن نہیں - ناچار واپس لوٹ آیا - دوسرے روز نماز عشا کے بعد پھر گیا - دیکھا کہ کوئی دربان نہیں ہے - پوچھا کہ دربان کہاں ہے تو معلوم ہوا کہ آج اس کے سر میں اس شدت سے درد ہوا کہ بیٹھنا دشوار ہوگیا - سمجھا کہ اس میں بھی خدا کی مشیت ہے' دیوانخانہ میں پہنچا' ملاقات ہوئی اور کچھہ دیر صحبت شعر رہی - خواجہ غالب جس سے میری شناسائی تھی' اس نے میرا حال مفصل عرض کیا اور کچھہ مقرر کرا دیا جو ایک سال تک ملتا رہا - ایک رات راجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا' میری ایک سال کی تنخواہ دے کر کہا کہ مجھہ سے اکثر ملتے رہئے - اس روز سے نماز عشا کے بعد ملازموں کے طریق پر خانہ باغ میں حاضر ہوتا رہا اور دو پہر شب تک وہیں رہتا - حاصل اس خدمت کا یہ تھا کہ شگفتہ خاطری سے اوقات بسر ہوگئی —

اس کے بعد میر صاحب نے اُس زمانہ کی خانہ جنگیاں' طوائف الملوکی' سلطنت کی ابتری کا ذکر کیا ہے - اور دکھنیوں اور نجیب الدولہ کی لڑائی' عالمگیر ثانی اور اُن کے وزیر انتظام الدولہ کا قتل نمک حرام امرا کے ہاتھوں سے' اور اِن بد عنوانیوں اور فسادوں سے ملک پر جو جو بلائیں نازل ہوئیں۔ اُن کا بیان کرکے لکھتے ہیں کہ بندہ اپنی ناموس کے بچانے کے لئے شہر ہی میں رہا - دلی

جو اِس وقت مورد آفات تھی، اس کی تباھی کا چشم دید حال میر صاحب ھی کے الفاظ میں لکھنا مناسب ھوگا - اِس سے اُن کی تحریر کا ڈھنگ بھی معلوم ھو جائیگا —

"بعد از شام منادی شد که شاہ اماں دادہ است، باید که رعایا پریشاں دل نگردد - چوں لختے از شب گزشت، غارتگراں دست تطاول دراز نمودہ شہر را آتش دادہ خانہا سوختند و بردند - صبح که صبح قیامت بود، تمام فوج شاھی و روھیله ھا تاختند و بقتل و غارت پرداختند - دروازھا شکستند، مردماں را بستند، اکثرے را سوختند و سر بریدند، عالمے را بخاک و خوں کشیدند - تا سه شبانروز دست ستم بر نداشتند از خوردنی و پوشیدنی ھیچ نگزاشتند - سقفہا شگافتند، دیوارھا شکستند، جگرھا سوختند، سینہا خستند - آں زشت سیرتاں بر درو بام، اکابراں به بے سیرتیء تمام، شیخان شہر بحال خراب، بزرگان محتاج دم آب - گوشه نشیناں بیجا شدند، اعیاں ھمه گدا شدند، وضیع و شریف عریاں، کد خدایاں بے خان و ماں - اکثرے ده بلا گرفتار، رسوائے کوچه و بازار، بسیارے خدا گیر*، زن و بچه اسیر - بر سر ھر شہرے ھجوم، قتل و غارت علی‌العموم - حال عزیزاں به ابتری کشید، جان بسے به لب رسید - زخم می زدند و زباں به تلخ می کشودند - زر را می گرفتند و سلاخے می نمودند - باھر که بر می خوردند تا ستر پوش می بردند - جہانے از جہاں نا شاد رفت، ناموس عالمے بر باد رفت - شہر نو بخاک برابر شد — روز سوم نسق مقرر شد - انزلاخاں نام نسقچی باشی کلاھہا و نیم تن مردم او کشید - بارے قد غنچیاں غارت گراں را از شہر برآوردہ باحتیاط پرداختند و آں بے رحم مردماں بشہر کہنه چسپیدہ جہانے را ھلاک ساختند - ھفت ھشت روز ایں ھنگامه گرم بود - اسباب پوشش و قوت یک روزہ در خانۂ کسے نماند -

---

* ببلا گرفتار

سر مرداں بے کلاہ، زناں بے رومال سیاہ - جمعے چوں راھها قفل بود روزی
از زخم پراگندہ خوردند، جماعتے را از سردیء ہوا دنداں بدنداں کلید و مردند -
بہ بیحیایء تمام تاختند - رو ھا بر زمیں انداختند - غلہ ھا را از گرسنہ چشمی
می اندوختند و بدست غربا بطرح * می فروختند - شور غارت زدگان شہر تا آسمان
ھفتم می رسید، اماں شاہ خود را کہ فقیر می گرفت بسبب استغراق نمی شنید -
ھزاراں خانہ سیاہ در عین آں آتش تیز با داغ دل جلائے وطن کردہ سر بصحرا زدند،
و چوں چراغ صبحگاھی در راہ از ھوائے سرد خانہ روشن† گردند - بے شمار بے دست
و پا یا فرا آں سیہ درونان در رکاب انداختہ اسیرانہ بدایرۂ لشکر خود بردند،
دست دست‡ ظالماں بود دست کجی می کردند - دست پاشتی می نمودند، دست
چرب بر سر می کشیدند، دست بیار و زناں می رسیدند، تیغہا می آختند، دستگاہ
می ساختند - از دست شہریار ہیچ نمی آید زیرا کہ دست و دل ایشاں سرد شدہ بود -
کسے دست پاچہ $ می شد و کس دست بزیر سر ستوں می نمود - در ھر درے درون
سیاھی، و در ھر بر زنے بزنگاھی - با زارے و گیرو دارے - ھر طرف خونریزی،
ھر سمت بز آویزی - پا تابہ پیچی△ می کردند، بناگوشی می زدند غریباں از
خوف خشک بودند، دیدہ درایاں تریہا⊠ می نمودند - خانہا سیاہ، کوچہ ھا
داغ گاہ - صد ھا از چوب کاری ھلاک شدند، جامۂ خوں⊕ بستۂ یکے بسر چوب
کردہ نشد - عالمیے از زخم ستم خامہ در خوں می کشید و جار داد، اماں کسے
دم نزد - زمین شہر کہنہ کہ جہان تازہ اش می گفتند، دیوار صورتگاری افتادہ را
مانا شد یعنی تا ھر جا کہ نظر می رفت سر و سینہ و دست و پائے کشتگاں بود -

* جبر سے   † مر گئے   ‡ دور دورہ $ مضطرب   § حیران

△ عیاری   ⊠ شوخی   ⊕ یہ رسم تھی کہ مقتول کے خون بھرے کپڑے کو لکڑی پر ٹانگ کر حکام کے در پر لے جاتے تھے اور داد خواھی کرتے تھے —

خونہائے آتش زدہ سینہ سوختگاں از تعزیت جانہا یاد میداد یعنی تا چشم بینندگاں کار خرد سینہ می نمود - سخت خوردہ کہ خود را بکشتن داد آرمید چشم خوردہ تنہا رہے بہبود ندید"—

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ میں جو فقیر تھا فقیر تر ہو گیا اور بے اسبابی اور تہیدستی کی وجہ سے میرا حال ابتر تھا - میرا تکیہ جو شاہ راہ کے کنارے تھا، خاک میں مل گیا - غرض وہ بے مروت تمام شہر کو لوٹ کر لے گئے اور شہر کے شریف ذلیل و خوار ہوے یا مر گئے —

یہ جھگڑے لڑائیاں اور غارتگری برابر جاری تھی کہ (میر صاحب لکھتے ہیں کہ) میں ایک دن راجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے بہت کچھ تکلیف اٹھائی ہے، چاہتا ہوں کہ اس شہر سے نکل جاؤں اور کسی دوسری جگہ چلا جاؤں، شاید وہاں کچھ عافیت ملے - راجہ نے میرے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور مجھے اجازت دی - لواحقین کو ہمراہ لیا اور روانہ ہوا، مگر کوئی جگہ مد نظر نہ تھی، یونہیں توکل علی اللہ چل کھڑا ہوا تھا - تمام دن چلتے چلتے بڑی خرابی کے بعد آٹھ نو کوس طے ہوے - رات ایک سرائے میں درخت کے نیچے بسر کی - صبح کو راجہ جگل کشور کی وہ عورت جس کا احوال لکھا جا چکا ہے، اس رستے سے گزری اور ہم تھکے ماندوں، بے دست و پا شخصوں کو اپنے ہمراہ برسانہ تک لے گئی - یہ ہندؤں کا معبد ہے اور سورج مل کے قلعوں کے اُس طرف آٹھ کوس کے فاصلے پر واقع ہے - اس نے ہم سب کی بڑی دلدھی کی - سلخ ذیحجہ کو وہ کاماں میں جو تین کوس پر راجہ جے سنگھ کی سرحد میں ایک شہر ہے، چلی گئی - میں بھی اہل و عیال کے ساتھ ایا - عشرہ میں وہیں رہا - عاشورے کے دوسرے روز وہاں سے نکلا اور کمھیر پہنچا - یہاں بہادر سنگھ فرزند لالہ

رادھا کشن جو پہلے صفدر جنگ کا خزانچی تھا اور ان دنوں راجہ کے ساتھ تھا، شام کے وقت مجھے ملا، بڑی مروت سے پیش آیا اور میری دستگیری کی - میں اس کا بہت احسان مند ہوں، حالانکہ سوائے شناسائی کے میرا اُس پر کوئی حق نہ تھا - چند روز میں نے یہاں فراغت اور اطمینان سے بسر کی—

ایک روز سامان معیشت کے نہ ہونے سے بہت دل تنگ بیٹھا تھا، دل میں خیال آیا کہ چلو اعظم خاں پسر اعظم خاں کلاں سے (جو فردوس آرام گاہ کے عہد میں شش ہزاری امیر تھا اور نیک دل اور فیاض شخص ہے) ملاقات کروں، دو گھڑی وقت اچھی طرح کٹ جائے گا - میں چلا اور سورج مل کے طویلے میں جو خانہ خرابان دھلی کی تازہ اقامت گاہ تھی، ملاقات کی - خدا بخشے، اُس عزیز نے میری خیر و عافیت پوچھی - میں نے اپنی سرگزشت بیان کی، سننے والوں کے ہوش جاتے رہے - جب حقہ آیا تو یہ شعر میری زبان سے نکلا

امروز کہ چشم من و عرفی بہم اُفتاد
باھم نگرستیم و گرستیم و گذشتیم

اسی قسم کے چند اور شعر میں نے پڑھے اور آبدیدہ ہوا - چند لمحوں کے بعد میں نے دیکھا کہ خان موصوف متفکر ہیں - میں نے پوچھا، کیا فکر ہے - کہا خیر، میں نے کہا، آخر - کہا کہ جس وقت تم شہر میں آتے تھے تو ہم طرح طرح کی مٹھائیاں اور حلوے لاتے تھے اور باہم بیٹھ کر کھاتے تھے - آج عجب اتفاق ہے کہ ہمارے پاس کچھ شکر تک نہیں کہ تمہارے لئے شربت کا پیالہ لاؤں - میں نے کہا کہ مجھے اس کا خیال بھی نہیں یہ سب باتیں برسبیل تفنن تھیں، آپ خوب جانتے ہیں کہ میں شکم بندہ نہیں ہوں - کبھی زمانہ کیسا ہوتا ہے اور کبھی کیسا، وہ وقت شربت و شیرینی کا تھا اور یہ موسم تلخی اُٹھانے کا ہے - یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتنے میں ایک عورت خوان لئے دروازہ سے آئی اور کہا کہ سعدالدین

خانساماں نے دعا کہی ہے اور کچھہ حلوائے نزاکت * اور شیرینئی شنبہ بھیجی ہے ۔ خان نے جب خوان کھولا تو اُن کی نظر حلوے پر پڑی تو خان کا چہرا شگفتہ ہو گیا اور مجھہ سے کہنے لگے کہ یہ روسیاہ اپنی قدر خوب جانتا ہے ایک مدت فاقہ کشی میں گزری ہے ' پانی کا گھونٹ اور روٹی کا ٹکڑا تک نہیں ملا تو شیرینی اور حلوے کا کیا ذکر ہے - آپ میرے مہمان عزیز ہیں ' یہ آپ کی مہمانی ہے - میرا حصہ مجھے دے دیجئے اور باقی اپنے گھر بھیج دیجئے - میں نے کہا کہ یہ بہت ہے ' میں کیا کروں گا - کہا آپ کے بیٹے میر فیض علی کے کام آئیگا - غرض اُس نیک مرد نے بہت اصرار اور لجاجت سے حلوے کی قاب اور شیرینی کا خوان میرے گھر بھیج دیا اور خوشی خوشی مجھے رخصت کیا - دو روز ہم نے اُسی شیرینی پر بسر کی —

تیسرے روز راجا کے چھوٹے بیٹے نے مجھے بلایا اور میرا احوال پوچھا اور کہا راجا صاحب کے تشریف لانے تک آپ میرے پاس ہی قیام فرمائیں - میں نے کہا کہ اسباب معیشت مفقود ہے - کہا آپ خاطر جمع رکھیں ' یہاں خدا کا دیا سب کچھہ موجود ہے - خدا اُس نوگل باغ کرم کو شاداب و شگفتہ رکھے ' اس نے بڑی شگفتہ دلی سے میرے لئے سامان مایحتاج بہم پہنچایا —

یہاں یہ سننے میں آیا کہ صمد خاں فوجدار سرهند چند زمینداروں کے ساتھہ بڑی فوج لے کر آرہا ہے اور شاہ (درانی) کے لشکر کا ارادہ رکھتا ہے - دکن کا سردار بھاؤ کہ جوان مغرور تھا اور اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہیں سمجھتا تھا ' زائد سامان قلعہ شاهجہان آباد میں چھوڑ کر اُس طرف چلا - اس کا خیال تھا کہ وزیر کے پاس بہت سے جواهرات ہیں اور سورج مل بھی بڑا زمیندار ہے ' اُن سے کچھہ حاصل کرے - چونکہ راجہ ناگرمل کی اس کے سرداروں سے ملاقات تھی وہ اس ارادے

---

* یہ حلوے کی ایک قسم ہے - شیرینئی شنبہ فاتحہ کی مٹھائی ہے - جس طرح یہاں پنجشنبہ کو فاتحہ دلاتے ہیں وہاں شنبہ کو فاتحہ دلاتے تھے —

سے خبردار تھا - اُس نے راجہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ممالک محروسہ کو میں تمہاری نگرانی میں چھوڑے جاتا ہوں - راجہ نے جواب دیا کہ میں مدت سے وزیر کے ساتھ ہوں میں اسے مناسب نہیں سمجھتا - انسب یہ ہے کہ اسے بھرت پور جانے کی اجازت دی جائے اور میں اور سورج مل بطور مشایعت کے اس کے ساتھ جائیں گے - اس کے بعد ہم آپ کے کہنے کے موافق عمل کریں گے - اس طرح چرب زبانی اور بہانے سے دکھنیوں کے کوچ کے دن بھیرو بنگاہ کے ساتھ بلم گڈھ میں جو شہر سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک مضبوط قلعہ ہے جا بیٹھے - وزیر اور اس کا اسباب و خیمہ پہلے روانہ ہوچکا تھا - دکھنیوں کے وکیلوں نے بہت کچھ منت سماجت کی ' لیکن انھوں نے اُن کی ایک بات نہ سنی اور شاہ (درانی) سے اپنا تعلق درست رکھا رئیس دکن نے جو استقلال واقعی رکھتا تھا اور اس کے پاس بے شمار لشکر و اسباب اور آلات تھے ' اُن کی جمعیت کی مطلق پروا نہ کی اور جب اس نے یہ سنا تو بہت پیچ و تاب کھایا اور کہا کہ یہ کیا چیز ہیں ' اُن کی دولت کا چراغ ایک پھونک سے بجھا دوں گا - میں اِن کے بھروسے پر دکن سے نہیں آیا ہوں ایک طرفۃ العین میں انھیں خاک میں ملا دوں گا - اس حرکت کا تدارک اُس نے دوسرے وقت پر موقوف رکھا - نجابت خاں روھیلہ کے قلعہ کی طرف بڑھا ' صمد خاں کو قتل کرکے اس جمعیت کو منتشر کر دیا - اس سے دکھنیوں کے دماغ اور پھر گئے اور وہ پانی پت کے قریب شاہ (درانی) سے لڑنے کے لئے میدان میں آئے —

جس وقت دریائے جون پایاب ہوا تو شاہ مشرق کی طرف سے عبور کرکے پہنچا - دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں تو خبر پہنچی کہ گوبند پنڈت ایک جم غفیر کے ساتھ دکھنیوں کی فوج کی مدد کے لئے آرہا ہے - ایک سردار شاہ کے لشکر سے جدا ہوکر بے خبر اس کے سر پر جا پہنچا اور پنڈت کو قتل کرکے تمام مال و اسباب لوٹ لیا اور اس کی جمعیت کو پریشان کر دیا - اس وقت راجہ ' سورج مل کے قلعہ کمھیر میں تھا ' میں بھی وہیں تھا - میں نے جاکر عرض کی کہ ایک عرصے سے آپ

کے قدوم فرحت لزوم کا انتظار کر رہا تھا' اب اگر اجازت ہو تو کسی طرف چلا جاوں زمانہ نا ساز گار ہے - چونکہ میرے حال پر اُن کی بہت عنایت تھی فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قصد بیابان مرگ کا ہے - میں ایسی حالت میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا - اُسی روز سے حسب سابق دستخط کر کے میرا روزینہ مقرر کر دیا چوں کہ شاہجہان آباد اس وقت ویرانہ سے بڑھ کر نہ تھا ' ان کے زیر سایہ رہنا ہم نے بہت غنیمت سمجھا —

اب ان دونوں لشکروں کا حال سنئیے - دکھنی جنگ گریز کے طرز پر جو ان کا قدیم طریقہ تھا ' لڑتے تو اغلب یہ تھا کہ وہ غالب آجاتے - وہ توپ خانے کے حصار میں بیٹھ گئے - شاہی فوج اُن کے درپے ہوگئی اور رسد کی آمد بند کردی - آخر مجبور ہوکر نکل کر لڑنے پر آمادہ ہوے - بہت ہی سخت لڑائی ہوئی اور دونوں طرف کے بہادروں نے داد مردانگی دی اور بارجودیکہ دکھنی سرداروں نے بڑی جرأت اور بہادری دکھائی ' فتح شاہی کی رہی - بہت قتل و خونریزی ہوئی اور دکھنی بری طرح سے مارے گئے - بھاؤ ایک غیور اور بہادر جوان تھا ' وہ اپنی آنکھ سے یہ سانحہ دیکھ رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اب میں دکن میں کیا منہ دکھاؤں گا - جان پر کھیل کر میدان میں کودا ' گویا دیدہ و دانستہ موت کے منہ میں جا پڑا - تمام لشکر غارت ہوگیا - جو سردار زندہ بچے وہ فقیروں کی طرح آوارہ ہوگئے - سپاہی گھوڑے اور سامان چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے - اُن کی حالت دیکھ کر عبرت ہوتی تھی - دیہات کے لوگ ان بیچاروں کو بھنے ہوے دانے ایک ایک مٹھی دیتے تھے - اس پر بھی بہت سے بھوکوں مر گئے یا سردی سے اکڑ کر رہ گئے - جو فوج قلعہ میں تھی وہ شاہی سپاہیوں کے ڈر سے بھاگ گئی اور لاکھوں کروڑوں روپئے کی جنس چھوڑ گئی - اس قدر دولت ہاتھ آئی کہ درانی جو فقیر تھے امیر ہوگئے - شاہ کر و فر کے ساتھ شہر (دہلی) میں داخل ہوے اور اطراف و جوانب کے سرداروں کے نام احکام پہنچے کہ آکر ملازمت حاصل کریں —

راجه کے نام بھی پیغام پہنچا-اس خیال سے که شاہ ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا ہے اور اس زرخیز ملک سے واپس نه جائیگا' راجه نے شاہ کی ملازمت اس کے وزیر شا ولی خاں کے توسط سے حاصل کی-یه وزیر با تدبیر ان سے بہت خوش ہوا اور اپنی مہر ان کے حواله کی اور نیابت وزارت کے عہدے سے سرفراز کیا- وزیر نے ایک بار کہا که شجاع الدوله کے باپ سے تمھاری بڑی درستی تھی' مگر یه بچے ہیں زمانے کو نہیں پہچانتے' تم انہیں جاکر سمجھاؤ' ورنه کل کو کچھ ہوا تو مجھ پر دوس نہیں ہے-یه گئے اور ان کو تیغ و کفن کے ساتھ لاکر وزیر سے اجازت چاہی-وزیر سے ان کی صحبت موافق ہوئی اور دلوں کی کدورت رفع ہوگئی-میں اس سفر میں ان کے ساتھ تھا—

ایک روز سیر کو نکلا' چلتے چلتے شہر کے ایک تازہ ویرانے میں پہنچا- ہر قدم پر آبدیدہ ہوتا اور عبرت حاصل کرتا تھا-جوں جوں آگے بڑھتا اُسی قدر حیرت زیادہ ہوتی تھی-مکان پہچانے نہیں پڑتے تھے-مکینوں کا پته نه تھا—

از ہر که سخن کردم' گفتند که اینجا نیست
از ہر که نشاں جستم گفتند که پیدا نیست

گھر بیٹھے ہوے' دیواریں ٹوٹی ہوئیں' خانقاہ بے صوفی کے اور خرابات بغیر مست کے ویران تھی—

ہر کجا افتادہ دیدم خشت در ویرانۂ
بود فرد دفتر احوال صاحب خانۂ

یاران کہاں که جن کا ذکر کروں' طفلان ته بازار کہاں' حسن کہاں که جس کو پوچھوں' یاران زرد رخسار کہاں' جوانان رعنا چل بسے' پیران پارسا گزر گئے' محلے خراب' کوچے نایاب' وحشت ہویدا' اُنس نا پیدا—

افتادہ گزارم چو بویرانۂ طوس   دیدم چغدے نشسته بر جاے خروس

گفتم چه خبر داری ازیں ویرانه　　گفتا خبر این است که افسوس افسوس

اچانک اُس محلے میں پہنچا، جہاں میں رہا کرتا تھا، دن رات صحبتیں گرم رہتی تھیں، شعر پڑھتا اور عاشقانہ بسر کرتا تھا، عشق و حسن کے چرچے اور حسینوں کے جھگڑے رہتے تھے، وہاں کوئی شناسا تک نہ ملا کہ دو گھڑی باتیں کرکے جی خوش کرتا - کوچۂ و بازار وحشت کدہ بنے ہوے تھے - کچھہ دیر کھڑا حیرت سے تکتا رہا - سخت صدمہ ہوا اور عہد کیا کہ اب پھر نہ آؤں گا اور جب تک دم میں دم ہے شہر (دہلی) کا قصد نہ کروںگا —

جب یہ قرار پایا کہ شاہ ولی خاں راجہ کے ساتھہ مل کر ملک گیری کرے، تو شاہ کی فوج جو غنیمت سے مالا مال ہوگئی تھی، ہنگامہ آرا ہوئی - لشکری یک دل ہوکر کہنے لگے کہ ہم تو وطن جائیں گے، بادشاہ کا جی چاہے تو یہاں رہیں - ہم ایک مدت سے مصروف کار زار ہیں اور بال بچوں کے حال سے بے خبر ہیں، ہمارا یہاں رہنا ممکن نہیں - شاہ نے بھی یہ خیال کرکے کہ بے فوج کے بے گانے ملک میں رہنا عقلمندی سے بعید ہے، ناچار قندھار کا (جو اس کا دارالملک تھا) قصد کیا - وزیر کو جو ملک گیری کے قصد سے خیموں میں تھا، واپس بلا لیا - پہلے شجاع الدولہ اور راجہ (ناگرمل) کو رخصت کیا، پھر شہزادہ جواں بخت کو شاہ عالم کا ولی عہد بناکر شہر کو نجیب الدولہ کی نگرانی میں دیا اور دلی سے کوچ کیا - رستے میں زین خاں نامی افغان کو جو اُس کے اپنی قوم اور قبیلہ کا تھا، سرہند کا فوجدار بنایا - وہاں سے لاہور پہنچے - چونکہ اس قوم کا غرور حد سے گزر گیا تھا، غیرت الہی نے اُسے سکھوں کے ہاتھوں ذلیل کیا - سکھوں کی جمعیت چالیس پچاس ہزار تھی - اِنھوں نے اس لشکر پر چھاپہ مارا اور اس قدر دق کیا کہ یہ بھاگے بھاگے پھرتے تھے اور کہیں پناہ نہ ملتی تھی - آخر بھاگ کر جان سلامت لیجانے کو غنیمت سمجھے - شہر (لاہور) کی نظامت ایک ہندو کو دے کر آگے بڑہ گئے - سکھہ ان کے تعاقب میں دریاے اٹک تک پہنچے اور اس صوبے پر جس کا محاصل دو کروڑ روپئے تھا،

متصرف ہوگئے-چند روز بعد اس اجل رسیدہ ہندو کو جو شہر کا ناظم تھا، قتل کرکے قابض ہوگئے-چونکہ اُس وقت سکھوں میں حکومت کا کوئی وارث نہ تھا، ملک باہم تقسیم کر لیا۔ ملک داری کی راہ و رسم سے واقف نہ تھے، مزارعوں نے جو کچھہ دیا، مال مفت سمجھہ کر لے لیا—

اسی سال میں سورج مل جو ایک قومی زمیندار تھا اور جس کے آبا و اجداد ہمیشہ بادشاہان الوالعزم کے معتوب رہے ہیں، اکبر آباد اور شاہجہان‌آباد کے درمیان کی راہداری اس سے متعلق تھی، اس نے شاہی امرا کی غفلت اور سستی دیکھہ کر اکثر محالات پر قبضہ کرلیا اور قلعہ دار کی نمک حرامی سے اکبرآباد کے قلعہ پر متصرف ہوگیا - شاہ عالم نے شجاع الدولہ کی تحریک سے جو اب اس کے وزیر ہیں، بے شمار لشکر لیکر حرکت کی - لوگوں میں یہ مشہور ہوا کہ سورج مل کے لئے آرہے ہیں-سورج مل شہر و حصار کی حفاظت کے لئے اپنے قلعوں سے نکل کر جنگ کے ارادے سے آ بیٹھا اور راجہ کو لکھا کہ اس وقت تمہارا آنا بہت مناسب ہے- راجہ نے جو بڑے موقع شناس تھے اپنا ایلچی بھیجا اور اس انبوہ کو واپس کر دیا-میں اس تقریب (یعنے راجہ کی ہمراہی میں) تیس سال کے بعد اکبرآباد پہنچا اور اپنے والد اور عم بزرگوار کی مزاروں کی زیارت کی - وہاں کے شعرا مجھے استاد فن سمجھہ کر اکثر ملاقات کے لئے آتے تھے - میں صبح و شام دریا کے کنارے جا بیٹھتا - اُس طرف باغات اور اِس طرف قلعہ اور امرائے عظام کی حویلیاں تھیں، اور بیچ میں گویا نہر بہشتی بہ رہی تھی - میں اکثر جاتا اور اس سمے کا لطف اٹھاتا تھا - میرے شعر و سخن کا شور ایک عالم پر چھایا ہوا تھا، اس لئے اکثر حسین، خوش ترکیب، جامہ زیب، پاکیزہ طینت، موزوں طبع میرے گرد جمع رہتے تھے اور میری بہت عزت و توقیر کرتے تھے-دو تین بار تمام شہر میں پھرا اور وہاں کے علما، فقرا اور شعرا سے ملا، کوئی ایسا مخاطب نہ ملا کہ اُس سے دل بیتاب کو تسلی ہو - میں نے کہا، سبحان اللہ! یہی وہ شہر ہے کہ جس کے ہر کوچے میں

عارف، کامل، فاضل، شاعر، منشی، دانشمند، فقیہہ، متکلم، حکیم، صوفی، محدث، درویش، متوکل، شیخ، ملا، حافظ، قاری، امام، موذن، مدرسہ، مسجد، خانقاہ، تکیہ، مہماں سرا، مکاں، باغ تھے، آج وہاں کوئی جگہ ایسی نہیں ملتی کہ وہاں شاد کام بیٹھوں، کوئی آدمی ایسا نہیں کہ اس کی صحبت سے لطف اٹھاؤں - میری نظروں میں سارا شہر ایک خرابۂ وحشت ناک تھا - بہت رنج ہوا اور واپس آگیا - چار مہینے اسی طور وطن مالوف میں گزارے، چلتے وقت بہت حسرت ہوئی اور وہاں سے سورج مل کے قلعوں میں آگیا --

وہاں آکر میں نے سنا کہ قاسم علی خاں ناظم بنگالہ اور تجارت پیشہ نصرانیوں میں جو وہاں مدت سے سکونت رکھتے ہیں، جنگ ہوئی - وہاں کی رعایا نے جو ظلم و ستم سے تنگ آگئی تھی، قاسم علی خاں کی کچھ مدد نہ کی انجام یہ ہوا کہ وہ اپنے شکست خوردہ لشکر اور تمام زر و جواہر اور مال و متاع کے ساتھ عظیم آباد میں آ گیا - یہ صوبہ بھی اسی کی مملکت میں تھا - وہاں شہر بند ہو کر لڑائی کی ٹھانی، لیکن یہاں بھی اُسے شکست ہوئی - تمام مال و اسباب لیکر نو دس ہزار آدمیوں کے ساتھ شجاع الدولہ کی سرحد کا رخ کیا - جب بنارس کے متصل پہنچا تو خیمے لگا کر ٹھہر گیا اور وزیر کو لکھا کہ میں آپ کی اعانت کی امید پر آیا ہوں، اگر آپ نصرانیوں کی جنگ میں میری مدد فرمائیں تو میں سپاہ اور ملازمان حضور کا تمام خرچ ادا کروں گا - یہاں سے یہ جواب ملا کہ اول آپ یہاں آئیے اور بادشاہ سے ملازمت حاصل کیجئے، اس کے بعد جو کچھ حضور فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا - وہ فلک زدہ انجام سے غافل، تمام اسباب و آلات اور پانسو ہاتھیوں کے ساتھ چند نا بکاروں کے اعتماد پر جو درمیان میں واسطہ تھے دریا کو عبور کر کے لشکر میں داخل ہوا - اِس طرف کے تنگ چشم لوگوں کی نظر اس کے شاہانہ اسباب پر پڑی - چند مکار شخصوں کو اس کے پاس بھیج کر دام میں پھنسا لیا اور دو چار روز کے بعد اپنے نا عاقبت اندیش مصاحبوں

کے کہنے پر وزیر نے اس کا تمام زر و جواہر، ہاتھی، گھوڑے، خیمہ و فرش، غرض جو کچھہ اس کے پاس تھا، سب کچھہ لے لیا اور ایک چیز نہ چھوڑی اور وہ بد عہد جو درمیان میں تھے سب عہد و پیمان بھول گئے - انجام یہ ہوا کہ وہ وزیر کا دست نگر ہو گیا اور بیگم یعنے شجاع‌الدولہ کی والدہ کی سرکار سے اس کا یومیہ مقرر ہوگیا - باقی داستان کل شب پر چھوڑتا ہوں اور دوسرا فسانہ سناتا ہوں --

سورج مل کا بڑا بیٹا جواہر سنگھہ بڑا جری سردار تھا اور مدت سے ریاست کا خیال اس کے سر میں چکر کھا رہا تھا - چنانچہ اس سے پہلے بھی وہ اپنے باپ سے لڑ چکا اور بہت کچھہ خونریزی کر چکا تھا اور اس میں دو تین بڑے بڑے زخم بھی اُسے آئے تھے - ان دنوں وہ فرخ نگر میں گیا، یہ شہر شاہجہان آباد سے مغرب رویہ تین منزل پر واقع ہے اور اس کی سرحد اس کے باپ کے ملک کی سرحد سے ملی ہوئی ہے - وہاں کے زمیندار سے جس کا باپ بیرون شہر دہلی کا فوج دار ہے، جھگڑا پیدا کیا - اس جھگڑے کو طول ہوا - زمیندار نے بھی اطاعت نہ کی اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا - جب اس طرح دو مہینے گزر گئے تو سورج مل نے ایک بڑی فوج کے ساتھہ اُدھر کا قصد کیا - کوچ سے پہلے راجہ کے گھر رخصت ہونے کے لئے آیا - راجہ نے کہا کہ آپ کا جانا مناسب نہیں، مبادا ہنگامہ و فساد کا باعث ہو - وہاں نجیب‌الدولہ بھی قریب ہے، ممکن ہے کہ وہ اُن کی رعایت کرے اور جنگ ہو جائے - سورج مل نے اس معقول مشورے کی طرف مطلق التفات نہ کیا اور چلا گیا - وہاں (فرخ نگر) کے رئیس کو قید کر لیا اور اس کے سپاہیوں نے غارت مال اور جبر و تعدی شروع کر دی اور بعض شرفا کے گھر نے تباہ کر دئے - ان لوگوں کے بھائی بند نجیب‌الدولہ کے ہاں تھے، وہ بہت روئے دھوے اور اپنی پگڑیاں زمین پر پھینک دیں - اُس نے ان کی خاطر سے سورج مل سے التجا کی کہ جو کچھہ ان لوگوں نے کیا تھا، اس کی سزا اُن کو مل گئی - اب اُن کی تقصیر معاف

کردیجئے - سورج مل نے اس کی مطلق پروا نہ کی اور دلیرانہ شاہجہان آباد کی طرف بڑھا - نجیب الدولہ نے شہر کے دروازے بند کرلئے - اس پر اس نے بہت پیچ و تاب کھایا اور اپنے زور میں دریا عبور کرکے اس کے سر پر آ پہنچا اور فتنہ و فساد کا موجب ہوا - نجیب الدولہ کی انسانیت میں شبہ نہیں، سو بار پیغام بھیجا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا اور اسی لئے میں اپنی فوج کو باہر نہیں نکالتا، شہر کے غریبوں کو مفت میں تکلیف ہوگی، یہاں لڑائی مناسب نہیں - اس نے انسانیت کا ایک جواب نہ دیا بلکہ کمینہ پن سے بد کہلا بھیجا کہ میں نواب کی فوج دیکھہ کر جاؤں گا، اگر جلد تشریف لائیں تو احسان ہوگا کہ مجھے دوسرے کام بھی ہیں، ورنہ جو فوج میرے تحت میں ہے وہ صبح شام حملہ کرنے والی ہے - نواب نے جواب میں کہلا بھیجا کہ بہت اچھا، میں بھی صبح کو حاضر ہوتا ہوں —

جو شخص کہ درمیان میں تھا وہ مجھہ سے کہتا تھا کہ نواب نے آدھی رات کو فوج کو دریا سے عبور کرنے کی اجازت دی اور خود ایت رہا - گھڑی بھر کے بعد آنکھہ کھولی اور کہا کہ عجیب واقعہ دیکھا - لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے - کہا میں نے دیکھا کہ ایک درخت پر ایک کوا بیٹھا ہے اور بہت سے کوے اس کے گرد جمع ہیں اور شور مچا رہے ہیں - میں نے ایک تیر مارا اور وہ کوا زمین پر آ گرا دوسرے کوے اُسے مرا ہوا دیکھہ کر یکبارگی اُڑ گئے - غالباً میری فتح ہوگی (انشاءاللہ) صبح ہوتے ہی سوار ہوں گا اور اُس تیرہ دل کو ہلاک کروں گا - پو پھٹتے لڑائی شروع ہوئی اور نواب بھی ہاتھی پر سوار ہوکر دریا سے پار اُترا اور بڑے استقلال سے حریف کا مقابلہ کیا - غرض دونوں طرف سے خوب خوب حملے ہوئے - اِدھر روہیلے تیغ بازی میں مصروف تھے - اُدھر سورج مل نے اپنے کو ایک دستے میں چھپا، بالا بالا اُس لشکر پر حملہ کیا جو شہر کی سمت تھا - اس پر ایک شور اٹھا اور قلب کے سردار اُن کی مدد کے لئے دوڑے - اِس گرد و غبار میں اُسے زخم لگا اور گھوڑے سے زمین پر آ گرا اور روح پرواز کر گئی - لیکن کسی کو یہ خبر

نہ ہوئی کہ یہ سورج مل ہے - اس کے لوگ آپس میں یہ ذکر کر رہے تھے کہ جس وقت وہ ہنگامہ آرا ہوگا تو ایک قیامت برپا ہوجاے گی - اُس وقت سے شام تک جنگ موقوف رہی - اِس طرف یہ ڈر تھا کہ شب آپہنچی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ شب خوں مارے اور ہمیں نیست و نابود کردے - اس ڈر کے مارے روہیلوں کی فوج آدھی رات تک ہاتھی گھوڑوں پر تیار کھڑی رہی - لیکن سب حیران تھے کہ اُس طرف سے کوئی آواز نہیں آتی، ایسا تو نہیں کہ حریف فوج کو غافل رکھہ کر ہم پر حملہ کرنا اور ہنگامہ برپا کرنا چاہتا ہے - لشکر کے جاسوس دو دو تین تین کوس تک اِدھر اُدھر گئے - کسی ایک متنفس کو بھی نہ پایا - آخر شب کے قریب واپس آے اور کہا کہ دیہات کے لوگوں سے یہ معلوم ہوا کہ مخالفوں کی ایک جماعت بڑی پریشانی کے ساتھہ جا رہی تھی اور وہ لوگ افسوس کرتے جاتے تھے کہ سورج مل سا سردار قتل ہوجاے اور ہم بے مروت اپنی جان کے ڈر سے اس کی لاش میدان میں چھوڑ کر چلے جائیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخری شورش میں مارا گیا اور اس کا لشکر بھاگ گیا - یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ صبح نمودار ہوئی اور ایک سوار ایک کٹا ہوا ہاتھہ لے کر آیا اور کہنے لگا کہ یہ سوکھا ہوا ہاتھہ اُسی کا ہے کہ اس پر ناسور بھی ہے - دوسروں نے بھی اس کی شناخت کی اور پھر خوشی کے نقارے بجنے لگے - جب یقین ہوگیا تو بھاگتوں کا تعاقب کیا - اگر دریا سے پار ہوجاتے تو بڑی خرابی اور فساد کا باعث ہوتے - لیکن راجہ نے لکھا کہ جیسی کچھہ فتح تمہیں نصیب ہوئی ہے اُسے غنیمت سمجھو اور واپس ہوجاؤ، یہاں لاو لشکر بہت ہے اگر مقابلہ کرو گے تو کام دشوار ہوجاے گا - نجیب الدولہ ایک صائب الراے اور دانشمند شخص تھا، اس رقعے کے پہنچتے ہی واپس آگیا - جواہر سنگھہ یہ خبر سن کر خوشی کے مارے جامے میں نہ سماتا تھا - ریاست کی گدی پر بیٹھا اور فوج جمع کرنے کی فکر کرنے لگا - ہمت و شجاعت میں اپنے باپ سے بہتر ہے —

اب بادشاہ اور شجاع الدولہ کے لشکر کی حقیقت حال سنئیے - ناکسوں اور نا تجربہ کاروں کے مشورے سے اُن کے دل میں صوبۂ عظیم آباد کی فتح کی ہوس پیدا ہوگئی تھی - شجاع الدولہ نے بادشاہ کو ساتھ لیکر اس طرف کا قصد کیا - عیسائیوں کے رئیس یعنی فرنگیوں کے سردار نے شہر کو محکم کرنے لکھا کہ "ہماری جس سے عداوت تھی اُسے ہم نے ملک سے باہر نکال دیا' نواب اور بادشاہ سے ہمیں کچھہ سروکار نہیں ہے - اس لشکر کشی کا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا - اس کا کیا منشا ہے اور اس فتنہ و فساد کا محرک کون ہے - اگر اطاعت مقصود ہے تو ہم مطیع و منقاد ہیں' اِس زحمت و رنج کی ضرورت نہیں اور اگر بعض نا فہم مشیروں کی رائے کے بموجب ہمارا استیصال مقصود ہے تو کوئی چارہ نہیں ہے - بزرگوں کا مزاج تند سیلاب کی طرح ہوتا ہے' جدھر آگیا آگیا' ہم جو خس کے مانند ہیں کیونکر سد راہ ہوسکتے ہیں - سرداروں کی طبیعت باد صرصر کی طرح ہے' ہم جو مشت خاک ہیں' کیا مجال ہے کہ اس کا مقابلہ کریں" - حضور کے نا معاملہ فہم لوگوں نے جو عقل سے بے بہرہ تھے' اسے مکر پر محمول کیا اور کوچ کرنے پر اصرار کرنے لگے - جب اُس شہر کے باہر دونوں فریق آمنے سامنے آے اور فرنگی بندوقیں لیکر حملہ کرنے لگے تو بے غیرت مغل اپنے آقا کے خزانے پر ٹوٹ پڑے - نصرانی بڑی جرأت سے لڑتے رہے - نواب کے ایک چیلے عیسیٰ نامی نے بڑی بہادری دکھائی اور جان دیدی - بادشاہ مثل تماشائیوں کے کھڑے رہے - نواب نے' جو ایک طرف لڑ رہے تھے' ٹھیرنے میں مصلحت نہ دیکھی اور کچھہ آدمی ساتھہ لیکر صوبے کی راہ لی - اتنی بعید مسافت ڈیڑہ دن میں طے کی اور اپنے دارالحکومت میں پہنچ گئے - وہاں سے نقد و جنس حسب ضرورت لیکر فرخ آباد روانہ ہوے - اگرچہ یہ عالم دارالجزا نہیں ہے' لیکن کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے - یہ شکست فاش جو اتنے بڑے لشکر کو ہوئی یہ اُس برتاؤ کی سزا تھی جو انھوں نے قاسم علیخاں سے کیا تھا - وہاں نصرانی خیموں اور آلات حرب وغیرہ پر قابض ہوگئے اور بادشاہ کو اپنے ساتھہ لیا اور اطمینان سے اس

طرف کا عزم کیا اور سات آٹھہ روز میں اودھ پہنچے - اس فتح کے شکرانے میں جو اُن کے وھم و گمان میں بھی نہ تھی' انھوں نے کسی شخص کو ایذا نہ پہنچائی - ایک ھفتے بعد بادشاہ کا دو لاکھہ روپیہ ماھانہ مقرر کرکے انھیں الہ آباد رخصت کر دیا کہ حضرت اطمینان سے بسر کریں اور ھم جانیں اور ملک —

اس اثنا میں جواھر سنگھہ ملھار کے ساتھہ ایک لشکر غدار لیکر اپنے باپ کے خون کے دعوے سے نجیب الدولہ پر جا چڑھا اور دھلی میں مقیم ھوگیا - لوگ غلے کی گرانی سے تنگ آگئے تھے - یہ قتل و قتال اور جنگ و جدال قریب دو ماہ کے رھا - عمادالملک قلعۂ بھرت پور سے نکلا' زائد آدمیوں کو فرخ آباد بھیج دیا اور خود جواھر سنگھہ کا شریک ھوگیا - آخر شاہ (درانی) کی آمد آمد سے جو اِس سال شاہ آباد تک آیا اور سکھوں کی تشویش سے بے سر و پا واپس ھوگیا' تمام مسودے باطل ھوگئے اور اِس لڑائی کا خاتمہ باھم صلح پر ھوگیا - عمادالملک ملھار کے ساتھہ احمد خاں بنگش کے پاس چلا گیا - جواھر سنگھہ اپنے ملک میں جاکر دوسرے کاموں میں مصروف ھوگیا اور اپنے باپ کے ایسے سرداروں کو جو اُسے خاطر میں نہیں لاتے تھے' یاتو قتل کر دیا یا قید میں ڈال دیا - نواب عمادالملک اس سن و سال میں یگانۂ عصر ھیں - اُن میں بہت سی خوبیاں ھیں' چنانچہ پانچ چھہ طرز کے خط بہت خوبی سے لکھے ھیں' فارسی اور ریختے میں با مزہ شعر کہتے ھیں اور بندے کے حال پر بیحد عنایت فرماتے ھیں اور جب کبھی میں اُن کی خدمت میں حاضر ھوتا ھوں تو بہت محظوظ ھوکر آتا ھوں —

اب شجاع الدولہ کے حال کی طرف رجوع کرتا ھوں - وہ جن لوگوں کی حمایت کی امید پر فرخ آباد میں مقیم تھا' اُن سے سواے طعن و تشنیع اور بے مروتی کے کچھہ نہ پایا - ناچار ملھار سے ساز باز کیا اور ایک انبوہ جمع کرلیا - دونوں فرنگیوں سے جنگ کرنے کے لئے چلے - دکھنی فوج نے بڑی بہادری دکھائی اور توپ خانے کے منھہ پر بڑی جرأت سے نیزہ بازی کی - عیسائی اپنے حصار سے آھستگی سے نکل کر

توپ خانے کو اس طرح باھر لے آے کہ دکھنی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور اس طور سے سراسیمہ بھاگے کہ گویا تھے ھی نہیں - اور دو تین روز میں گوالیار (جو انھیں کا علاقہ تھا) جا پہنچے - وھاں اپنے شکستہ حال کو درست کرکے جواھر سنگھ سے لڑنے کے لئے آمادہ ھوگئے —

شجاع الدولہ اب بے بس اور بے سہارا رہ گئے - ناچار تنہا فرنگیوں کے پاس گئے - انھوں نے لحاظ کرکے ھر چیز سے دست برداری کی اور اُن کے صوبے ان کو واپس کر دیے اور خود عظیم آباد چلے گئے - جب حجاب رفع ھوگیا تو خلعت وزارت پہن کر اپنے مستقر (اودھ) میں آگئے —

یہاں دکھنی بہت سی فوج لیکر جواھر سنگھ کی سرحد پر پہنچے اور بہت سے دیہات تباہ و برباد کر ڈالے - جواھر سنگھ جو بہت دلیر آدمی ھے، قلعوں سے نکلا اور آٹھ نو ھزار سکھوں کو جو اُن دنوں اُس ضلع میں آے ھوے تھے، نوکر رکھا اور مقابلے میں آیا - بد بخت دکھنی شکست کھا کر فرار ھوے - اُن کے قریب پانسو آدمی اور ایک سردار گرفتار ھوا - ملھار غیرت مند تھا، اُسے جو شکست پر شکست ھوئی تو فرط اندوہ غم سے تین چار منزل جاکر مرگیا —

اسی عرصے میں رگھناتھ راؤ جو دکھنیوں کا ایک بڑا سردار ھے، بہت سی فوج لیکر پہنچا اور جواھر سنگھ کی سرحد کے اُس طرف ایک زمیندار سے جا بھڑا - اور اُس علاقے میں فتنہ اور فساد بپا کر دیا - زمیندار نے جواھر سنگھ کو لکھا کہ اگر دکھنیوں نے مجھے پائمال کر دیا تو یقین ھے کہ تمھارے ملک پر بھی دست درازی کریں گے - آپ کو اپنی سرحد پر آنا واجب ھے اور میری بھی بھلائی اسی میں ھے - یہ جوان ایک بڑا لشکر لیکر دریاے چنبل کے اِس طرف آیا - ابھی دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے پڑے تھے کہ شاہ کے آنے کی خبر مشہور ھوئی - شاہ کے نام سے دکن کے سرداروں کے اوسان خطا ھوتے تھے - فوراً اوسا راے کی رھائی پر (جو ملھار کی جنگ میں قید ھو گیا تھا) صلح کرلی اور اپنے وطن کو چل دئے -

جواہر سنگھ نے بعض نمک حراموں کی جو دکھنیوں سے مل گئے تھے واجبی گوشمالی کی اور اس کے بعد اکبرآباد چلا آیا - راجہ (ناگرمل) اپنے قلعوں سے اُس کی ملاقات کے لئے آیا اور اس تقریب سے مجھے اپنے والد اور عم بزرگوار کی قبروں کی زیارت کا موقع مل گیا - وہاں پندرہ روز رہ کر واپس آگئے - اس دفعہ بھی شاہ درانی ستلج کے اس طرف سکھوں کے ہاتھوں پریشان ہو کر واپس چلا گیا—

اس کے بعد میر صاحب نے جواہر سنگھ اور مادھو سنگھ پسر جے سنگھ کی لڑائی کا حال لکھا ہے کہ کس طرح دکھنی راجپوتوں کی طرف ہو گئے اور جواہر سنگھ نے سکھ نوکر رکھ لئے اور آپس کی لڑائی سے ملک تباہ ہوا - اتفاق سے مادھو سنگھ بیمار پڑا اور مر گیا اور لڑائی کا خاتمہ ہو گیا - اسی زمانے میں جواہر سنگھ اکبرآباد گیا - وہاں کسی ناکس نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ میں اس کا کام تمام کر دیا - اس کا بھائی راو رتن سنگھ جانشین ہوا - لیکن وہ بہت سیہ کار اور شراب خوار تھا - خلق خدا پر بہت ظلم کرتا تھا - آخر ایک مہوس کے ہاتھوں مارا گیا - اس کا خورد سال بیٹا کیہری سنگھ سردار ہوا اور کار و بار نوکروں کے ہاتھ میں ہے - اب کار پردازوں نے سورج مل کے چوتھے بیٹے نول سنگھ کو اس لڑکے کا نائب بنا دیا ہے - کام بہت بے اسلوبی سے چل رہا ہے - دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے—

نول سنگھ اور اس کے چھوٹے بھائی رنجیت سنگھ میں نفاق پیدا ہوتا ہے - نوبت لڑائی تک پہنچتی ہے - لیکن پندرہ سولہ روز تک جنگ ہونے کے بعد نول سنگھ کو مجبوراً صلح کرنی پڑتی ہے - لیکن یہ صلح بظاہر تھی، دلوں میں کینہ تھا - رنجیت سنگھ نے کچھ دنوں بعد دکھنیوں کو اپنے سے ملا لیا - مگر وہ ایسے کم ہمت اور ہراساں ہو رہے تھے کہ وہ کچھ لے لوا کے چل دئے - لیکن نول سنگھ کے نا تجربہ کار سردار ایسے وقت پر کہ دکھنی متھرا جانے کا قصد

کر رهے تھے' آکر اُن سے لڑنے لگے اور لڑے ایسی بے ترتیبی اور پریشانی کے ساتھ
کہ سو کہیں هیں دو سو کہیں - جو جہاں تھا تنہا تھا اور کوئی کسی کی داد کو
نہ پہنچتا تھا - آخر شکست کھائی اور بہت سا سامان اور آلات حرب اِن کے هاتھہ
آیا - ان لوگوں نے اسی کو غنیمت سمجھا اور نوں سنگھہ کے قلعوں کا رخ نہ کیا
بلکہ دریاے جون سے گزر کر دوآبہ میں آ پہنچے اور خیمے لگا دئے - جب اُن کے
قیام کو طول هوا تو نجیب‌الدولہ کو خیال هوا کہ یہ بلا بالا بالا نہ جاے گی' ایسا
نہ هو کہ شہر کو کچھہ نقصان پہنچے - اس نے فوج وغیرہ تیار کی اور عزم کر لیا
کہ دُھنیوں کو نکال کر رهوں گا اور شہر کی طرف نہ جانے دوں گا کہ اتنے میں
اس کا انتقال هو گیا —

جب جاٹوں کی فتنہ پردازی اور شرارت حد سے گزر گئی اور بود و باش
کا لطف جاتا رها تو راجہ ناگر مل نے ارادہ کیا کہ تمام بیس هزار گھروں کے ساتھہ
جو ان کی وجہ سے رهاں آباد هیں اور اکثر انھیں کے دامن دولت سے وابستہ هیں
یہاں سے اٹھہ کر چلے جائیں - اس طرف (جاٹوں) سے اجازت چاهی کیونکہ یہ بہت
مردم آزار تھے اور فساد کا اندیشہ تھا - لیکن جب یقین هو گیا کہ یہ اجازت
نہیں دیتے بلکہ سد راہ هوتے هیں تو خدا پر نظر کر کے جرأت کے ساتھہ مع اپنے
دو بیٹوں کے قلعے سے باهر آئے اور سارے قافلے کو همراہ لیکر کاماں میں داخل
هوے - یہ راجہ پرتھی سنگھہ پسر مادھو سنگھہ کا سرحدی شہر هے - هم تلخ کام
بھی بوجہ نوکری کے اس شہر میں اقامت گزیں هیں - دیکھئے آب و دانہ کہاں
کہاں لے جاتا هے —

ان دنوں یہ مشہور هے کہ رایات اقبال بادشاهی فرخ آباد میں سایہ افگن
هیں - راجہ نے مجھے حسام‌الدین کے پاس بھیجا' اُسے بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل
تھا - میں گیا اور تمام عہد و پیمان کئے - لیکن یہاں راجہ کا چھوٹا بیٹا مجھہ سے
خوش نہ تھا اس لئے کہ مجھہ سے اور بڑے بیٹے سے بہت ربط ضبط تھا - اس نے

برخلاف باپ کو یہ سمجھایا کہ دکھنیوں کے پاس جانا بہتر ہے - چنانچہ وہ بادشاہ کے لشکر میں نہ گئے اور شہر کی طرف روانہ ہوگئے ناچار میں بھی بہت رسوائی کے ساتھ اُن کے ہمراہ ہولیا - جب شہر پہنچا تو زن و فرزند کو عرب سرائے میں چھوڑا اور ان سے جدا ہوگیا —

اس اثنا میں سندھیا جو دکن کے بڑے سرداروں میں سے ہے ، پیشوائی کرکے بادشاہ کو اپنے ساتھ لایا اور شہر میں داخل ہوا - کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ سرداروں میں باہم یہ قرار پایا کہ بادشاہ کو لے کر ضابطہ خاں پسر نجیب‌الدولہ مرحوم پر حملہ کریں - بادشاہ نے ہرچند لیت و لعل کیا مگر کچھہ فائدہ نہ ہوا - اس تقریب سے میں بھی بادشاہ کے ہمراہ اُس طرف روانہ ہوا - ضابطہ خاں بے لڑے بھاگ گیا - اس کا مال و اسباب اور خانہ و ناموس ان کے ہاتھہ آیا - بادشاہ کو سوائے دو سو دبلے گھوڑوں اور چند پرانے خیموں کے کچھہ نہ دیا - بادشاہ کو یہ حرکت بہت ناگوار گزری - لیکن کرتے کیا ، نہ زور تھا نہ زر - جب ان پر زور نہ چلا تو حضور کے متصدیوں نے بعض اعزہ کی جاگیریں ضبط کرلیں - میں گدائی کے لئے اُٹھا اور لشکر شاہی کے ہر سر کردہ کے در پر جاتا تھا - چوں کہ شاعری کے سبب میری شہرت بہت تھی ، سب لوگ میرے حق میں بہت کچھہ رعایت کرتے تھے - میں نے حسام‌الدولہ کے چھوٹے بھائی وجیہ‌الدین خاں سے ملاقات کی ، اس نے میری شہرت اور اپنی اہلیت پر نظر کرکے میرے لئے قدرے قلیل کچھہ مقرر کر دیا اور بہت کچھہ دل دھی کی —

چوں کہ بادشاہ دکن کے سرداروں کی سر کشی سے خوش نہ تھے ، اُن کی مرضی کے بغیر شہر چلے گئے اور قلعہ میں داخل ہوگئے - یہاں آکر نجف خاں نے جو اپنے کو بادشاہی لشکر کا ایک سپاہی سمجھتا تھا ، بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ جاٹوں کے معاملات پر متصرف ہو جانا چاہئے - آخر بہت اصرار اور تقاضے سے ، حسام‌الدولہ کے مشورے کے بغیر کہ اُن میں اور دکھنیوں میں بہت ربط ضبط تھا ،

اس بڑے کام کی اجازت لی ' اور شہر اور بیرونجات کے دس پندرہ ہزار مفلوک الحال شخصوں کو لیکر اس مہم کا آغاز کیا اور شہر کے نزدیک کے بارہ محالات پر قابض ہوگیا - اسپر اسے بڑا غرہ ہوا - چونکہ نا تجربہ کار اور کم سن تھا بعض ناعاقبت اندیش مشیروں کے کہنے سے دکھنیوں سے لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ اب انہوں نے (دکھنیوں نے) باہم یہ مشورہ کیا کہ بادشاہ اس وقت مثل ایک گدا کے ہے اور اس زور و طاقت سے ہمارا مقابلہ کیا ہے ' اگر اُسے واقعی قوت بہم پہنچ گئی تو ہمارا حال ابتر ہوجائے گا - لہذا بہتر یہ ہے کہ شہر کی طرف کوچ کریں اگر لڑائی میں مارا گیا تو مارا جائے ورنہ اس گروہ کو پراگندہ کرکے اُسے فقیروں کی طرح اپنی نگرانی میں رکھیں گے کہ روٹی کھاتا رہے اور ہمارا دست نگر رہے —

جب یہ مشورہ ہوگیا تو ضابطہ خاں بخشی گری اور سہارنپور کے وعدے پر (جو اس سے لے کر بادشاہ کو دیدیا گیا تھا) خوشی خوشی اُن کا رفیق ہوگیا اور اسی طریقے سے جاٹ بھی اُن کے ساتھ ہوگئے - اب وہ اِن سب کو ساتھ لے کر چلے اور ایک ہفتہ میں فریدآباد کے برابر آگئے اور دریا کو جو اُس وقت پایاب تھا ' عبور کرکے اس طرف آ پہنچے - دو تین روز پڑے رہے ' آخر ایک روز جنگ ہوئی۔ اِس طرف سے نجف خاں ' بلوچیوں اور موسیو مدک فرنگی نے جو نجف خاں کے اغوا سے جاٹوں کی نوکری چھوڑ کر اس فلک زدہ فوج سے آ ملے تھے ' مقابلہ کیا۔ جب نمک حرام مغلوں نے دکھنیوں کی فوج کی کثرت دیکھی تو بھاگ نکلے - بیچارے غریب فوجی ناحق مارے گئے - حسام الدین خاں چند آدمیوں کے ساتھ ایک گھڑی رات تک ریتی میں کھڑا رہا اور اس کے بعد وہاں سے بادشاہ کے پاس چلا آیا - آدھی رات کے قریب نجف خاں بھی اپنی حویلی میں چلا آیا - پرانا شہر جو جستہ جستہ آباد تھا ' اس واقعہ سے پھر برباد ہوگیا - ہم غریبوں کو حافظ حقیقی نے اپنی حفاظت میں رکھا - صبح کو اس طرف کے بہادر میدان میں مقابلہ کی تاب نہ لائے اور شہر پناہ کے برابر مور چال تیار کی۔

وہ روز اس طرح کی لڑائی میں گزارا۔ اقبال بادشاہی نے کام کیا ورنہ قلعہ بھی اُڑ جاتا۔ اِس طرف والوں کی جنگ کی استعداد اور سلیقہ اُس روز معلوم ہوا جب دکھنیوں کی فوج کی آمد آمد سنی تو اِن کے ہوش و حواس جا رہے۔ توپ خانے والے آلات حرب مثلاً توپ، رھکلا، باروت وغیرہ کی تیاری میں مصروف ہوے۔ متصدیوں نے میر آتش کی، جو بہت سے زیادہ ٹھنڈا تھا، سو روپیہ تنخواہ مقرر کی۔ اس کی ہیئت اور قوت کو دیکھو تو معلوم ہو کہ آدمی ایسے ہوتے ہیں، لیکن وہ اس روز سے ایسا کسی کونے میں جا چھپا کہ جب تک جنگ رہی، کسی نے اُسے ندیکھا۔ آخر تیسرے روز حسام الدولہ سوار ہوکر گئے اور اُن کی مرضی کے موافق صلح کرکے آے۔ نیا شہر سلامت رہ گیا۔ اب دکنی مختار کے اشارے سے نجف خاں اور نمک حرام مغلوں کے باہر نکالنے کے درپے ہیں۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ القصہ سندھیا جو دکھنیوں کا تیسرا سردار ہے، جے پور کی طرف چلا گیا۔ دوسرے سردار دریا کے اُس طرف جانے کا قصد رکھتے ہیں۔ اغلب ہے کہ فرخ آباد کی راہ سے جھانسی جائیں اور شجاع الملک کے ملک میں شورش مچائیں—

چونکہ عام طور پر یہ افواہ تھی کہ جب دکنی کوچ کر جائیں گے تو نجف خاں وغیرہ سردار اور شورہ پشت مغل تنخواہ کا دعویٰ کریں گے اور بادشاہ کے دروازے پر دھرنا دیکر متصدیوں کو تنگ کریں گے، لہذا حسام الدولہ نے دکنیوں سے کہا کہ اِن ہنگامہ پردازوں اور نمک حراموں کو جس طرح ممکن ہو یہاں سے نکال باہر کردو۔ اب دکنیوں کے سردار اس کے درپے ہیں کہ اس قوم کو شہر سے نکال دیں۔ چنانچہ یہ تاکید کر دی گئی ہے کہ کوئی مغل شہر میں نہ رہنے پاے۔ جب اس معاملے میں طول ہوا اور حضور کے متصدی قلعے میں جاکر بیٹھ رہے اور شہر کے لوگ بند ہوگئے، تو یہ گروہ (مغل) بظاہر تو لاہوری دروازے تک ڈیرا کرکے بیٹھ گیا اور فتنہ و فساد کرنے لگا اور بباطن دکنیوں سے ملا رہا، کیونکہ ان سے مقابلے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ جب ہنگامہ آرائی سے کام نہ چلا اور دیکھا کہ ٹھیرنے میں جان کا اندیشہ

ہے تو ناچار باہر نکلنے پر آمادہ ہوے اور دکنیوں سے عہد و پیماں کئے - دو تین روز بعد نجف خاں اور مغلوں کے دوسرے سرغنے اپنے رفیقوں سمیت اُن کے لشکر میں چلے گئے - اہل دکن نے جو صاحب سلوک ہیں اور ظاہری مراعات کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں، اُن کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہیں کی - لیکن جو عزت کہ بادشاہ کی نوکری میں تھی وہ کہاں - چند روز میں یہ جماعت بےحقیقت پراگندہ ہو جائیگی اور جہاں جس کے سینگ سمائیں گے چلا جائیگا - مشہور یہ ہے کہ دکنی اس جم غفیر کو اکبرآباد تک اپنے ساتھ لیجائیں گے اور وہاں پہنچ کر اجازت دیدیں گے کہ جہاں جس کا جی چاہے چلا جاے - غرض کہ وہ وقت قریب ہے کہ مغلان شرارت بنیاد اور دکنیان سرمایۂ فساد یہاں سے چلے جائیں گے اور حضرت ظل سبحانی بذات قدسی صفات دو تین مصرروں کے ساتھ بے کھٹکے قلعۂ مبارک میں تشریف رکھیں گے - اگر دن میں سو بار حصار کے کنگرے پر سیر کے لئے بر آمد ہوں تو کون ہے جو اُن کے حجاب کا مانع ہو اور اگر بازار میں پیادہ پا تشریف لے جائیں تو حاجب کہاں ہے جو دور باش کہے - آثار ایسے نظر آتے ہیں کہ اہل حرفہ صحرا میں مارے مارے پھریں گے، سپاہی گدائی کا پیشہ اختیار کرلیں گے، ہر ایک اپنی راہ لیگا اور شہر میں خوب رونق ہوگی —

تازہ واقعہ یہ ہے کہ جب دکنی نجف خاں کو ہمراہ لیکر دریا کے اُس پار پہنچا، تو وزیر حال (شجاع الدولہ) نصرانیوں کی مدد سے اپنے صوبے سے یلغار کرکے فرخ آباد پہنچا - دکن کے سردار مقابلے کی تاب نہیں رکھتے تھے، تین ماہ قیل و قال میں گزار دیے اور آخر صلح کے خواہاں ہوے - وزیر نے، جو حقیقت میں ایک دلیر شخص تھا، اسے غنیمت سمجھا اور اُن کی درخواست قبول کرلی - آخر کار نجف خاں کو حضور کا مختار کار کرکے اپنے صوبے کو چلا گیا - دکنی اور مشرقی دونوں اپنے اپنے اقتدار اُس کے سپرد کرکے اپنے اپنے مقام کو چلے گئے - جب نجف خاں شہر میں داخل ہوا تو حسام الدولہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا - دو تین روز تک گھر میں بیٹھا رہا -

اس کے بعد بادشاہ نے اُسے بلا بھیجا اور چند سالہ حساب کے کاغذات طلب کئے اور قلعہ ھی میں رکھا - مجدالدولہ عبدالاحد خاں پسر عبدالمجید خاں کو جو خاص بادشاھی کارپردازوں میں سے تھے' راجہ ناگر مل کے تغیر سے خلعت دیوانیء خالصہ عنایت ھوا اور بادشاھی کام پر مقرر کئے گئے- حسام‌الدین خاں کو' جو مختارالملک تھے' بادشاھی رقم اور منلوں کی تنخواہ کی بابت میں آٹھ لاکھ روپیہ کے عوض فتح خاں درانی کے حوالہ کر دیا - اب مغل مختار ھیں' چاھے ماریں چاھے زندہ رکھیں—

عبدالاحد خاں جو دیوان خالصہ ھوگیا تھا اور بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل رکھتا تھا' مختار تھا' جو چاھتا تھا کرتا تھا- کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی- بادشاھی فوج کی حالت تباہ' بادشاہ خود بے دستگاہ- شہر اور چند دیہات کی آمدنی پر بسر اوقات محال- جاٹ' جن سے مراد سورج مل کی اولاد ھے' حضرت خواجہ قطب‌الدین بختیار کاکی کی درگاہ تک (جو شہر سے تین چار کوس کے فاصلے پر ھے) قابض تھے- نجف خاں بادشاہ سے عرض کرتا تھا کہ حضرت اس طرح زندگانی بسر کرنے سے کیا حاصل! اگر یہ ملک جو جاٹوں کے تصرف میں ھے' ھاتھہ آجاے تو پوری نہیں تو کچھہ تو زندگی خوشی سے بسر ھو جائیگی- بادشاہ جواب میں فرماتے' کیا تم خواب دیکھہ رھے ھو- آدمی ایسی بات کیوں کہے جو اُس کی حیثیت سے زیادہ ھو- وہ کہتا' اگر ایسا ھوجاے تو حضرت مجھے کیا دیں گے- بادشاہ نے فرمایا تیسرا حصہ میں لے لونگا اور باقی تمہیں بخش دونگا--

اِس قوم (جاٹوں) کی کم بختی جو آئی تو ایک روز اُن کی فوج گڑھی کے میدان میں جو درگاہ خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے قریب ھے' آگئی اور شرارت کرنے لگی- نجف خاں اپنے آدمی لیکر' جن کے پاس پورا سامان بھی نہ تھا' مقابلے کو آیا- جاٹ اس قدر مغرور تھے کہ انھوں نے پروا بھی نہ کی- آپسمیں جنگ ھونے لگی- شام تک لڑتے رھے- بادشاھی آدمیوں نے رات کھڑے کھیتیوں کی بالوں اور بوٹوں پر بسر کی- صبح ھوتے جاٹ وھاں سے نکل کر بلم گڈہ کے مضبوط قلعے میں جو شہر سے

بارہ کوس کے فاصلے پر ہے، جا بیٹھے - چند روز تک توپ اور دھلکے کی لڑائی ہوتی رہی - قلعے کے سردار نے کہا، کہ اس قلعے کے لے لینے سے جاٹوں کی جنگ ختم نہو گی، یہ قلعہ تم میں بغیر جنگ کے خالی کردوں گا - اصل لڑائی تو سرداروں سے ہے، اُن سے لڑو - نجف خاں باوجود کم سنی کے معقول بات کو مان لیتا تھا - اسی وقت قلعہ سے دست بردار ہوا اور اُسی سردار کے جو وہاں تھا، حوالے کر دیا، اور آگے چلا - جب ہوڈل کے قریب پہنچا جو جاٹوں کا قصبہ تھا تو کام مشکل نظر آیا یعنے وہاں ایک بڑی فوج مقابلے کے لئے کھڑی تھی - جاٹوں کا سردار نول سنگھ ایک بڑا لشکر اور توپ خانہ لیکر پہنچ گیا تھا - لڑائی سخت ہوئی اور بہت سے لوگ مارے گئے - بادشاہی آدمی باوجود ناتوں کے بڑی دلیری سے لڑے - بادشاہی اقبال سے اس بڑے لشکر کو شکست ہوئی - سمرونام فرنگی جو اُس طرف توپ اور رھکلاےکر بڑی جرأت سے دیر تک لڑتا رہا، آخر وہ بھی بھاگ گیا - نجف خاں، جس کی سرداری میں یہ مہم بخیر سر انجام پائی، مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا - جو کوئی اس ماجرے کو سنتا تھا، تعجب کرتا تھا، جاٹوں کا سردار اپنے حصار میں چلا گیا اور بیمار ہوکر بستر پر جا کر پڑ گیا - نجف خاں کے گرد لوگوں کا ہجوم ہوگیا اور وہ ایک بڑا رئیس بن گیا - چونکہ روپیہ پیسہ ہاتھ میں نہ تھا لوگوں کو زبانی باتوں سے خوش کرتا اور جانے نہ دیتا - جو آتا اُسے نوکر رکھ لیتا - چند روز میں ایک بڑا لشکر ہوگیا - دیکھا کہ اب باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا، اس لئے جرأت کر کے سرداروں کو جاٹوں کے معاملات پر بوجھنا شروع کیا - یہ تدبیر درست نکلی - خود ڈیگ کے قلعے میں جو وہاں سے بارہ کوس پہ تھا، جا بیٹھا - اس علاقے کا سردار جو بیمار تھا، اتفاق سے مر گیا - انہوں نے سورج مل کے چوتھے بیٹے رنجیت سنگھ کو اپنا سردار بناکر لڑنے پر آمادہ کیا - اس قلعے کے توپ خانہ کا داروغہ اِدھر کے سرداروں سے مل گیا - قلعے میں داخل ہونے کے رستے کا پتہ بتا دیا - لوگ گھس آئے اور شہر کو

لوٹ لیا۔ بیشمار اسباب اور توپ خانہ نجف خاں کے ہاتھ آیا۔ سات آٹھ روز کی غارت گری کے بعد قلعہ ایک سردار کے حوالہ کرکے دوسرے قلعہ کا قصد کیا جس کا نام کمھیر تھا۔ رنجیت جو اس قوم کا سردار ہوگیا تھا، قلعے کو خالی چھوڑ کر اور آلات جنگ ایک طرف پھینک کر بھرت پور کو جو ایک محکم قلعہ ہے، چلا گیا۔ یہ شہر بھی فتح ہوگیا اور بہت سا مال اسباب سپاہیوں کے ہاتھ آیا۔ ناچار جاٹوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور رنجیت کی ماں کشوری نے جو عقلمند عورت تھی، صلح کی درخواست کی۔ نجف خاں بھرت پور اُن کے حوالے کرکے اکبر آباد آیا جو فی الحقیقت دارالسلطنت ہے، اور جاٹوں کے قبضے میں تھا۔ یہاں بھی لڑائی ہوئی۔ اقبال نے یاوری کی اور تھوڑے ہی عرصے میں نقب کے ذریعہ قلعہ ہاتھ آگیا۔ جو سردار کہ وہاں جاٹوں کی طرف سے متعین تھا، اسے وعدہ وعید کر کے باہر نکال دیا۔ نجف خاں نے وہاں کے لوگوں سے سلوک کیا۔ صوبے پر قابض ہوگیا۔ جو درخواست کرتا، اس کی تنخواہ وہاں کے محالات سے مقرر کردیتا۔ چند ہی دنوں میں اُس تمام ملک کا مالک ہوگیا۔ تمام راجہ اور زمیندار مطیع ہوگئے—

جب نجف خاں اس تمام ملک کا مالک ہوگیا اور اس کا عروج شروع ہوا تو عبدالاحد خاں نے جو حضور کی ناک کا بال تھا اور کار و بار سلطنت کا مدار اُسی پر تھا، نجف خاں سے وعدے کے موافق ملک کے تیسرے حصے کا سوال کیا۔ اس نے حضور میں آکر عرض کی کہ تمام فوج جو میرے ساتھ ہے، ملک کی آمد فی اس کی تنخواہ میں چلی جاتی ہے حضرت ملک کے تیسرے حصے کی رقم مجھسے لے لیاکریں۔ بادشاہ کو اسپر اطمینان نہوا، کہا کہ اسی قدر ملک میرے لئے چھوڑ دو۔ اس کے جھوٹے وعدے عبدالاحد خاں کی زور آوری کے سامنے پیش نہ گئے۔ نا چار ملک کے تیسرے حصے کے محالات علیحدہ کردئے۔ میر بخشی گری کا خلعت عطا ہوا اور امیرالامرا کے منصب پر سر فراز ہوا۔ چند روز بعد حضور سے اجازت لے کر اکبر آباد واپس آگیا۔

یہاں عبدالاحد خاں نے سکھوں کو اپنے ساتھہ ملالیا اور اس جم غفیر کے اعتماد پر بادشاہزادہ فرخندہ اختر کو اپنے ساتھہ لیا اور راجۂ پٹیالہ پر لشکر کشی کی۔ نیت یہ تھی کہ اگر موقع ہو تو سکھوں کو لیکر نجف خاں پر چڑھ جاے۔ جاتا تو اُس طرف تھا اور خیال اِس طرف تھا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ امیرالامرا کے لشکر سے بہت سے آدمی ٹوٹ کر مختار (عبدالاحد خاں) کے ملازم ہوگئے۔ چونکہ تدبیر ریاست اور ملک داری سے ناواقف تھا، اس لئے اس کے کام ناتمام رہے۔ چندے یونہیں بسر کی پھر سکھوں کے مشورے سے راجہ سے صلح کر لی۔ جس قدر روپیہ پاس تھا خرچ ہو گیا۔ بادشاہ سے جو کچھہ رقم طلب کی تو انہیں ناگوار ہوا اور لکھا کہ جس طرح ہو تم وہیں رہو، میرے پاس روپیہ نہیں ہے —

وزیر اعظم امیر معظم نواب شجاع الدولہ کا اُس وقت طوطی بول رہا تھا۔ حافظ رحمت روہیلہ سے قرابت اور خصومت رکھتا تھا، اس سے لڑائی پر آمادہ ہو گیا۔ حریف (حافظ رحمت) فرنگیوں کو لکھتا رہتا تھا کہ وزیر نے جو اس قدر فوج جمع کر رکھی ہے یہ سب تمہارے خاطر ہے۔ چنانچہ گورنر بہادر جو پیشتر پرخاش کے ارادے سے آیا تھا، تو نواب وزیر تنہا اُس کے پاس چلا گیا اور کہنے لگا کہ میں صرف تمہارا پاس کرتاہوں اور کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا خواہ اس میں کچھہ ہوجاے، یاتو تم مجھے اپنے ہمراہ کلکتہ لےچلو یا میراملک میرے حوالے کردو۔ فرنگیوں نے جو وزیر کا یہ سلوک دیکھا تو وہ کڑہ اور الٰہ آباد بھی اس کو دیکر چلے گئے۔ اب زمانے کا رنگ بدلتا ہے۔ فرنگی اس کے ساتھہ ہو گئے اور دونوں نے مل کر روہیلوں پر یورش کی۔ ضابطہ خاں اور چند سردار دس بارہ ہزار کی جمیعت لیکر حاضر ہوے کہ ہم آپ کے دولت خواہ ہیں اور کسی حال میں سرتابی نہیں کر سکتے اُن کو فوج کے پیچھے کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ ہر چند بعض سرداروں نے کہا یہ لوگ غدار ہیں، انہیں پیچھے نرکھنا چاہئے، مگر وزیر بڑا دلاور تھا، اُس نے کچھہ پروا نہ کی۔ بڑا سخت معرکہ ہوا۔ ہزاروں کے وارے نیارے ہو گئے۔

اس جنگ میں صاحبزادہ آصف‌الدولہ نے جو اب وزیر اعظم ہیں، بڑی مستعدی اور جرأت سے کام کیا - حافظ رحمت بڑی بہادری سے لڑا اور آخر عین میدان جنگ میں کام آیا - وزیر نے اس کے سیر حاصل ملک پر قبضہ کر لیا - نجف خاں اس جنگ میں وزیر کے ساتھہ تھا - جنگ ختم ہونے پر پھر اکبرآباد واپس چلا گیا - فقیر ان ایام میں خانہ نشین تھا - بادشاہ اکثر طلب فرماتے تھے مگر میں کبھی نہ گیا - ابوالقاسم خاں پسر ابوالبرکات خاں صوبہ دار کشمیر اور عبدالاحد خاں کا چچازاد بھائی میرے ساتھہ بہت سلوک کرتا تھا، میں کبھی کبھی اس کی ملاقات کو جاتا تھا اور بادشاہ بھی کبھی کبھی کچھہ بھیج دیتے تھے —

اس فتح عظیم کے بعد نواب وزیر بڑی شان و شکوہ کے ساتھہ صوبے میں داخل ہوا - مگر آتے ہی آب و ہوا کے تغیر سے ایسا بیمار پڑا کہ مرکے اُٹھا - ہر چند اطبا اور فرنگیوں نے معالجے میں بے حد سعی کی مگر کچھہ فائدہ نہ ہوا - آخر خلف‌الصدق آصف‌الدولہ بہادر کو مسند وزارت پر بٹھایا اور خود اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا - لوگوں نے بہت ماتم کیا - اگر آسمان ہزار سال چکر کھائے تو بھی ایسا صاحب جرأت اور سراپا مروت سردار پیدا نہ ہوگا —

مختارالدولہ جس کے ہاتھہ میں وزارت اور صوبے کا کاروبار تھا ایک خواجہ سرا بسنت نامی کے ہاتھوں مارا گیا - اس کی جگہ حسن رضا خاں سرفرازالدولہ بہادر مقرر ہوئے - یہ سردار بہت باتمکین، صاحب اخلاق، متواضع اور کریم‌النفس ہے اور مجھی پر کیا بہت سوں پر اس کے الطاف و عنایات ہیں —

بادشاہ مختار کے روپیہ طلب کرنے پر ناخوش ہوگئے تھے، نجف خاں ذوالفقارالدولہ کو لکھا کہ جس طرح ہو سکے تم یہاں حاضر ہو جاؤ - بادشاہ کے ایما سے وہ دلیرانہ حضور کی طرف روانہ ہوا - عبدالاحد خاں نے جو یہ سنا کہ امیرالامرا آتا ہے، تو فوراً بادشاہ زادے اور سکھوں کے ساتھہ دوڑا ہوا آیا اور

نجف خاں سے دو روز پہلے شہر میں پہنچ گیا اور قلعے میں بندوبست کرکے بیٹھ گیا - ایک شور مچ گیا کہ ذوالفقارالدولہ آگیا - بادشاہ نے اسی مختار کو اُس کے استقبال کے لئے بھیجا - بڑے تزک و شان سے گیا اور ملاقات کی - دونوں ایک ہی ھاتھی پر سوار ہوے - اگرچہ جانتا تھا کہ عبدالاحد خاں منافق ہے مگر اچھی طرح پیش آیا اور باتوں میں لگائے رکھا - جب قلعے کے دروازے پر پہنچا تو اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ توپ، رہکلہ اور میری فوج بے تحاشا قلعے میں آجاے اور جا بجا کھڑی ہو جاے - دونوں میں دو اُنگل کا بھی فرق نہ تھا، وہ چاہتا تو مختار کا کام تمام کر دیتا، مگر بادشاہ کا خیال کیا کہ یہ بھی اُنھیں کا بندہ ہے جب تک بادشاہ کی مرضی نہ معلوم ہو، کچھ نہیں کرنا چاھئے - جب اس ہنگامے سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملازمت حاصل کی تو بادشاہ کو اس سے بز دل پایا اور معلوم ہوا کہ ان کا منشا ہے کہ اسے نہ چھوڑا جاے - وہاں سے اُٹھکر بازار میں آکر ٹھیر گیا اور عرضی بھیجی کہ میں نے حضور کے لحاظ سے دست اندازی نہ کی، اب میں جب تک عبدالاحد خاں کو ساتھ نہ لیجاؤں گا، یہاں سے نہ جاؤں گا - بادشاہ نے بظاہر گفت و شنود شروع کی، لیکن باطن میں یہی چاہتے تھے کہ وہ اسے لے جاے - جب مختار کے آدمی چھوڑ کر چل دئے اور سکھ بھی بے مروتی کر گئے، تو اس نے ناچار قول و قسم دئے کہ نجف خاں میرے ساتھ برائی نہ کرے اور میری عزت کا خواہاں نہ ہو - بادشاہ نے کہا، میں ضامن ہوں، تم بے کھٹکے چلے جاو - جب اس نے کوئی چارہ نہ دیکھا اور زمانے کا رنگ بدلا ہوا پایا تو ھاتھی پر سوار ہوکر قلعے سے نکلا - امیرالامرا بازار میں انتظار کر رہا تھا، اپنا ھاتھی اس کے ھاتھی کے برابر کرلیا اور اپنے گھر لے گیا اور اپنی نگرانی میں رکھا - چند روز لیت و لعل کرتا رہا کہ بادشاہ کے پاس آج جاتا ہوں - کل جاتا ہوں - اس کے بعد کہنے لگا کہ وہاں جا کر کیا ہو گا، بہتر یہی ہے کہ میرے پاس رہئے - اس کے مال و اموال میں دست اندازی نہ کی - بیس روپیہ روزانہ

اپنے ھاں سے مقرر کر دئے اور چند نوکر خدمت کے لئے متعین کر دئے اور خود حضور کے مالی و ملکی امور میں مصروف ہو گیا - رفتہ رفتہ اس کا رتبہ اتنا بڑھا کہ بڑے بڑے امیروں کو سلام اور مجرے کا موقع نہیں ملتا تھا - جس روز وہ حضور میں آتا تو دربار ہوتا ورنہ بادشاہ چند مصاحبوں کے ساتھہ بسر کرتے تھے - چونکہ جوان تھا اور دھلی طلسم خانہ، یاروں نے اُسے عیش و عشرت اور شراب نوشی پر لگا لیا، نیجہ یہ ھوا کہ قوت زائل ھو گئی، سل کے مرض میں مبتلا ھو گیا، بہت کچھہ علاج ھوا مگر کچھہ فائدہ نظر نہ آیا - جب مایوس ھو گیا تو حسرت سے یہ کہتا تھا کہ میں سوائے اس کے کچھہ نہیں چاھتا کہ زندہ رھوں - اس کی بیماری کے وقت زمانے کا رنگ ھی اور ھو گیا تھا - فقیر خانہ نشین تھا اور چاھتا تھا کہ شہر سے نکل جاے، لیکن بے سامانی کی وجہ سے معذور تھا - میری عزت آبرو کی حفاظت کے لئے نواب وزیرالممالک آصف‌الدولہ بہادر آصف‌الملک کے دل میں خیال آیا کہ میر میرے پاس چلا آے تو اچھا ھو - میری طلبی کے لئے نواب سالار جنگ پسر اسحاق خاں موتمن‌الدولہ، نواب اسحق خاں نجم‌الدولہ کے چھوٹے بھائی نے جو وزیر اعظم کے خالو ہوتے تھے، اُن قدیم تعلقات کی وجہ سے جو میرے خالو سے تھے کہا کہ اگر نواب صاحب از راہ عنایت کچھہ زاد راہ عنایت فرمائیں تو البتہ میر صاحب یہاں آ سکتے ھیں - نواب صاحب نے حکم دیا اور انھوں نے سرکار سے زاد راہ لیکر مجھے خط لکھا کہ نواب والا جناب آپ کو یاد فرماتے ھیں، جس طرح ھو سکے آپ یہاں آ جائیے - میں پہلے ھی سے دل برداشتہ بیٹھا تھا، خط کے آتے ھی لکھنؤ روانہ ھو گیا - چونکہ خدا کا یہی منشا تھا، میں بے یار و مددگار، بغیر قافلے اور رھبر کے فرخ آباد کے رستے سے گزرا - وھاں کے رئیس مظفر جنگ تھے، انھوں نے ھر چند چاھا کہ کچھہ روز وھاں ٹھیر جاؤں مگر میرے دل نے قبول نہ کیا - دو ایک روز کے بعد روانہ ھوکر منزل مقصود پر پہنچ گیا - اول سالار جنگ کے ھاں گیا، خدا انھیں سلامت رکھے، انھوں نے

میری بڑی عزت کی اور جو کچھ مناسب تھا، بندگان عالی کی جناب میں کہلا کے بھیجا - چار پانچ روز بعد اتفاقاً نواب عالی جناب مرغوں کی لڑائی کے لئے تشریف لائے - میں بھی وہاں تھا، ملازمت حاصل کی - معنی فراست سے دریافت فرمایا کہ میر تقی ہو ؟ - اور نہایت لطف و عنایت سے بغل گیر ہوے اور اپنے ساتھ نشست کے مقام پر لے گئے - اپنے شعر مجھے مخاطب کرکے سنائے - سبحان اللہ کلام الملوک ملوک الکلام - اس کے بعد فرط مہربانی سے مجھ سے فرمایش کی - اُس روز میں نے اپنی غزل کے صرف یاد شعر عرض کئے - رخصت کے وقت نواب سالار جنگ نے کہا کہ اب میر صاحب حسب الطلب حاضر ہوئے ہیں ، بندگان عالی مختار ہیں ، انہیں کوئی جگہ عنایت فرمائی جائے - جب مرضی مبارک ہو یاد فرمائیں - فرمایا کہ میں کچھ مقرر کرکے آپ کو اطلاع کروں گا - دو تین روز بعد یاد فرمایا ، حاضر ہوا اور جو قصیدہ میں نے مدح میں کہا تھا ، پڑھا - سماعت فرمایا اور کمال لطف کے ساتھ اپنے ملازموں کے سلسلے میں داخل فرمایا اور ہمیشہ میرے حال پر عنایت و مہربانی فرماتے رہے —

میرے یہاں آ جانے کے بعد نجف خاں جو بستر بیماری پر تھا ، انتقال کرگیا - حضور کے کاروبار میں درھمی واقع ہوئی - اس کے غلام نجف قلی خاں ، افراسیاب خاں اور دوسرے سردار سب اس کوشش میں تھے کہ ہم مختار بن جائیں - کچھ دنوں یہ کشاکش جاری رہی - آخر حضور نے مرزا محمد شفیع کو جو اُس کے بھائیوں میں سے تھا اور سکھوں کی تنبیہ کے لئے لشکر کشی کر رہا تھا ، طلب فرمایا - اس نے عبدالاحد خاں کو مثل چچا کے سمجھ کر قید سے رہا کیا اور دیوانی و خالصہ دلوائی اور خود مسند ریاست پر متمکن ہوا —

چونکہ سفاک اور جرار تھا ، ہر ایک اُس سے خائف رہتا تھا - نجف خاں کے غلاموں کی سرکشی سے بہت بیزار ہو نجف قلی خاں کو قید کر لیا - افراسیاب خاں بظاہر مرزا سے آملا - مگر اِس کی دولت چند روزہ تھی ، کچھ زیادہ دن نہ ہوے

تھی کہ لطافت خواجہ سرا جو وزیرالممالک کی طرف سے حضور میں رھتا تھا اور فی الجملہ کچھہ زور رکھتا تھا اور سمرو فرنگی کے اقربا میں سے ایک فرنگی ' اِن دونوں نے اس کے خلاف سازش کی کہ جس وقت ملے اس کا کام تمام کردیں- بادشاہ کو بھی اِن لوگوں نے سمجھا دیا تھا کہ یہ شخص بہت بے تمیز ھے-اس کی خبر اُسے بھی لگ گئی-عبدالاحد خاں کو اپنے ساتھہ لے کر شہر سے چل دیا-جب یہ حال معلوم ھوا تو کہیں اُس کا پتہ نہ ملا-بادشاہ نے شہر اور اطراف کے لوگوں کے نام شقے بھیجے کہ جہاں کہیں ملے اُسے نہ چھوڑیں اور حضور میں حاضر کریں-ایک شقہ بلم گدہ کے سردار کے پاس بھی پہنچا-اتفاقاً یہ وھیں جاکر ٹھیرا تھا-قلعے کے سردار نے وہ تحریر اُسے دکھای-بہت پریشان ھوا اور عبدالاحد خاں کو اس کے پاس چھوڑ کر خود وھاں سے بھاگا اور منزل دو منزل آگے جاکر ٹھیرا-اکبر آباد میں احمد بیگ ھمدانی سے جو وھاں مسلط تھا' عہد و پیماں کئے اور حضور کے مشیروں کے ساتھہ جنگ کرنے کے لئے مستعد ھوگیا اور بیس ہزار آدمی لے کر روانہ ھوا —

یہاں فرنگی ' خواجہ سرا اور دوسرے اعزا بادشاہ کو شہر سے باھر لائے اور لب دریا خیمے لگائے-حریف بھی بڑے طنطنے سے قریب پہنچا-جب بادشاہ نے دیکھا کہ اس کا پلہ بھاری ھے تو لطافت علی خاں خواجہ سرا اور فرنگی کو اس کے لانے کے لئے بھیجا-اس نے خواجہ سرا کو گرفتار کرلیا اور فرنگی کو قتل کر ڈالا-بادشاہ نے بڑی جرأت سے اپنی حفاظت کی-مگر جب اِن لوگوں نے دیکھا کہ ھمارا زور بھی نہیں چلتا تو گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا اور بہت سے لوگوں کو وعدے وعید سے اپنی طرف کرلیا-مگر جب یہ یقین ھوگیا کہ بادشاہ بغیر جنگ و جدل کے ھاتھہ نہیں آتے تو عبدالاحد خاں کو بیچ میں ڈالا اور بہت سے قول و قرار کئے اور اپنی بندگی کا اظہار کیا اور بادشاہ کو خیمے سے قلعے میں لائے-نجف قلی خاں ' افراسیاب خاں ' عبدالاحد خاں نے یک دل ھوکر بادشاھی کاموں میں دخل دینا شروع کیا-اگرچہ مرزا شفیع نے ھمدانی سے بہت سے وعدے وعید کئے

تھے، لیکن اُسے کچھ نہ دیا، چند توپیں اور رسالے لے کر اکبرآباد روانہ ہو گیا۔

چند روز بعد افراسیاب خاں اپنے معاملات پر چلا گیا۔ مرزا نے لڑکر نجف قلی خاں کو گرفتار کرلیا اور بیگم کے پاس (جو نجف خاں کی بہن تھی) بھیج دیا۔ عبدالاحد خاں گھر سے نکل کر حاضر ہوا اور اپنی چرب زبانی سے پیش پیش ہو گیا۔ بیگم نے نجف قلی خاں کی سفارش کر کے اُسے آزاد کر دیا۔ رفتہ رفتہ مرزا شفیع کا تسلط خوب بیٹھ گیا۔ شہر سے نکل کر ملک گیری کی طرف متوجہ ہوا۔ چوں کہ لوگوں کو اس کی طرف سے دل جمعی نہ تھی، افراسیاب ہمدانی کو لے کر آیا اور یہ قرار پایا کہ مرزا ہمدانی کی دلدھی کے لئے اُس کے خیمے میں آے۔ خیمے میں لاکر غداری سے اُسے قتل کر ڈالا۔ اس کے قتل کے بعد افراسیاب خاں کا دور دورہ ہوا۔ ریاست کا کام اس کے سپرد ہوا۔ ہمدانی پھر اپنے مقام پر چلا گیا یہ حضور میں امیرالامرا ہو کر بادشاہی مختار ہوئے۔

یہاں وزیر اعظم امیر مکرم گورنر بہادر کے استقبال کے لئے جو کلکتہ سے آرہے تھے، روانہ ہوے، کیوں کہ یہ تمام ملک وزیر ہی کا تھا۔ ساتھ بے شمار لشکر تھا۔ یہ سفر الہ آباد تک ہوا۔ صاحب مذکور کی آمد آمد کی خبر سن کر اس ضلع کے سردار بھی اُن کے دیکھنے کے لئے آے۔ ایک منزل آگے نواب گردوں جناب سے ملاقات کی۔ وہاں سے اپنے ساتھ لکھنؤ لے کر آے اور ہر منزل پر نئی نئی ضیافتیں نئے نئے خیمے اور خرگاہ، طرح طرح کے بیش بہا تحفے نظر آتے تھے۔ جب لکھنؤ پہنچے تو دولت خانے میں داخل ہوے۔ اس کی آرائش اور تکلف، فرش فروش، ساز و سامان کی افراط ایسی تھی کہ عقل دنگ ہوتی تھی۔ دن کو ضیافتیں اور رات کو پری رش حور لقا عورتوں کا ناچ اور گانا، آتش بازی اور چراغاں کا لطف رہتا تھا (یہاں میر صاحب نے انواع و اقسام کے کھانوں اور تکلفات کا ذکر کیا ہے)۔ غرض یہ شاہانہ اور پر تکلف دعوت چھ ماہ تک رہی اور یہ مدت باہم

گفت و شنود، مشورت و صحبت میں تھی—

جس وقت یہ خبر حضور میں پہنچی تو امرا میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی فکر ہوئی - عبدالاحدخاں نے اپنے آدمی یہاں بھیجے اور فرنگیوں سے ساز باز شروع کیا - افراسیاب خاں وغیرہ کو گمان ہوا کہ فرنگی یہاں بھی آئیگا - چونکہ زبردست ہے، بادشاہ کو اپنی نگرانی میں رکھیگا اور پھر ہماری خبر لے گا، مصلحت اس میں ہے کہ بادشاہ کو اکبرآباد لے جائیں اور لشکر جمع کرکے مرہٹوں کو جو راناے گوہدوالہ کے تابع ہیں، اپنے ساتھہ ملالیں اور پھر فرنگی کو پیغام دیں - اگر جنگ کا اتفاق ہو تو خیر جنگ سہی ورنہ اس دبدبے سے ہم جہاں اور جیسی حالت میں ہیں اس میں تو کچھہ فرق نہ آئیگا - چنانچہ بادشاہ کو لے کر اکبر آباد چلے اور رستے میں عبدالاحدخاں کو قید کرلیا—

جس وقت اکبرآباد پہنچے، بادشاہزادہ جوان بخت وہاں سے بھاگ کر نواب وزیر اور فرنگی کے پاس آگیا - انہوں نے مذ طربانہ مرہٹوں سے عہد و پیمان کئے اور مرہٹوں نے ان کی طرفداری کی - شہزادہ کے بھیجنے کی گفت و شنود درمیان میں آئی - یہاں فرنگی زبانی باتوں سے خوش کرتا رہا، کیونکہ اُسے اپنے ملکی کاموں کے اچھے نکلتہ جانا مقصود تھا - چند روز کے بعد وہ بادشاہزادے کو اپنے همراہ لے گیا - وزیرالممالک سے رخصت کے وقت نواب والا جناب کے ملازموں کو اس قدر بے حساب انعام دیا کہ قیاس میں نہیں آتا - ہر ایک کو ہاتھی، گھوڑے، تبائیں، سرپیچ عنایت کئے، چونکہ صاحب دریا کے رستے جارہے تھے، اس لئے وزیر اپنے دارالحکومت کو چلے آے - مرہٹوں اور افراسیاب نے محمد بیگ ہمدانی سے جھگڑا شروع کیا - وہ بھی اُن سے نہیں دبا اور لڑنے مرنے کو آمادہ ہوگیا - اسی اثنا میں مرزا شفیع کے بھائی میر زین العابدین نے خنجر سے افراسیاب خاں کا کام تمام کردیا - اب حضور میں کوئی سردار نہیں ہے، بادشاہ بے زور ہیں اور غالباً مرہٹوں کا دور دورہ ہو جائیگا—

اِن سانحات کے بعد مرہٹوں اور احمد بیگ ہمدانی میں لڑائی چھڑ گئی - جب اُس پر قابو نہ پایا تو دھوکے سے قید کر لیا - اسی عرصے میں صاحب نے بادشاہزادے کو جسے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے، واپس کر دیا - اسی اطراف رہیں گے یا بادشاہ کے پاس چلے جائیں گے - فی الحال تو نواب عالی جناب کے زیر سایہ رہتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اسپر عمل کرتے ہیں —

فقیر یہاں نواب عالی منزلت کے ساتھ ہے اور دعا گوئی میں بسر کرتا ہے - بندگان عالی شکار کے لئے بہرائچ تک گئے، میں بھی ہمرکاب تھا - شکار نامہ موزوں کیا - دوسری دفعہ پھر شکار کے لئے سوار ہوے اور کوہ شمالی کے دامن تک تشریف لے گئے - اگرچہ لوگوں کو اس دور دراز سفر کے نشیب و فراز سے بہت تکالیف ہوئی لیکن ایسا شکار، ایسی فضا اور ایسی ہوا کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی - تین ماہ کے بعد دارالحکومت کو واپس آے - میں نے دوسرا شکار نامہ کہہ کر حضور میں پڑھا - شکار نامے کی دو غزلیں انتخاب فرماکر خود بدولت نے بطور مخمس تضمین فرمائیں اور خوب تضمین کی - ایک غزل کی زمین بہت پسند آئی، دوسری غزل لکھنے کی فرمایش کی - وہ بھی میں نے بفضل الہی کہی، زبان مبارک سے تعریف فرمائی - اور سخنوری کی داد دی - اِن دنوں تغیر آب و ہوا سے عشرۂ محرم کے بعد مزاج عالی ناساز ہوگیا - علاج معالجہ ہوا، مرض نے طول کھینچا - بہت کچھ خیر و خیرات ہوئی اور ہر شخص صحت کے لئے دست بدعا تھا - حکیم مطلق اور شافی برحق نے شفا دی اور ہم سب پر احسان کیا -

جب بادشاہ کے حضور میں، نجف خاں کے غلاموں میں سے جو مسلط تھے کوئی نہ رہا، تو مرہٹے جو قریب تھے مسلط ہوگئے - بادشاہ نے مرہٹوں کو مختار کر دیا اور نجف خاں کے آدمیوں کو ذلیل کیا - اکثر انھیں سے مشورہ کرتے ہیں اور تمام امور انھیں کے حوالے کردئے ہیں - مرہٹوں کی فوج شاہجہاں‌آباد بھی گئی اور مشہور ہے کہ وہاں بھی تسلط حاصل کیا - سکھ جو اطراف شہر میں تاخت و تاراج

کرتے رهتے تھے وہ بھی دم بخود هیں کیونکه مرهٹوں سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتے - بادشاہ شہراکبرآباد کے باهر خیمه زن تھے' چند روز کے بعد دهلی چلے گئے- عبدالاحدخاں کو علی گڈه میں' جو نجف خاں کی بہن کے تصرف میں هے اور جہاں نجف خاں کے آدمی وهیں قلعے میں جمع هیں' مقید کر دیا - مرهٹے مالک الملک هیں' جو چاهتے کرتے هیں' بادشاہ کو کچھه دست برداشته دیدیتے هیں اور جہاں چاهتے هیں لے جاتے هیں - چنانچه شهر میں صرف ایک مہینه رهے' پھر علی گڈه لے گئے - وهاں دس پندرہ روز جنگ رهی' آخر بیگم سے عهد و پیمان کرکے اور نجف خاں کے مال میں سے کچھه لیکر وهاں سے چل دئے - وهاں سے بادشاہ کو راجپوتوں کے پاس لے گئے - چند روز کے بعد راجپوتوں سے صلح کرکے بادشاہ دهلی آگئے اور مرهٹے شہر اکبر آباد میں رہ گئے—

چونکه راجپوتوں کا خیال مرهٹوں کے سر سے نہیں گیا تھا' انهوں نے پھر اُس طرف فوج کشی کی - راجاؤں نے همدانی کو جو نجف خانی سردار تھا' اپنا رفیق بنا لیا - لڑائی هوئی - همدانی بڑی دلیری سے لڑا اور مارا گیا - اس کی جگه اس کا همشیر زادہ مرزا اسمعیل سردار هوا - یه بھی بڑی بهادری سے لڑا اور مرهٹوں کو شکست فاش هوئی - ان کا سامان اور آلات جنگ سب رہ گئے اور اپنی جان کو غنیمت سمجھه کر بھاگ کر اکبرآباد پہنچے - یہاں بھی مرزا اسمعیل پہنچا اور انهیں شهر سے نکال کر خود قلعه بند هوگیا - قلعے کی جنگ نو طول هوا - مرهٹوں نے اپنا فائدہ دوسری طرف دیکھا اور چلے گئے—

بادشاہ شهر سے نکل کر نجف قلی خاں کی طرف جو حصار کی جانب تھا' چلے - بهت جنگ هوئی - آخر نجف قلی خاں سے کچھه لیکر شهر آگئے - ان ایام میں غلام قادر پسر ضابطه خاں نے' جو اپنے باپ کے بعد سهارنپور پر متصرف تھا' بهت زور پکڑا - سکھوں کی فوج همراہ لیکر اکثر محالات شاهی کو جو دو آبے کے درمیان تھے' قابض هوگیا اور قریب آ پہنچا - بادشاہ سے بھی کچھه طلب کیا مگر

بادشاہ نے صاف جواب دے دیا - دریا کے اُس پار مورچال باندہ کر لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا - کچھہ اوپر ایک مہینے تک لڑائی رہی - بادشاہ کے پاس نہ فوج تھی اور نہ زور، تاہم بڑی جرأت سے اڑے رہے اور اس بلا کو دفع کیا - وہ وہاں سے اُتھا اور اکبرآباد کے اطراف تک اپنا تسلط جما لیا - یہاں مرزا اسمعیل بیگ قلعے میں محصور تھا - مرزا نے جو اس کی قوت دیکھی تو اس سے دستار بدلی اور باہم عہد پیمان ہوے کہ مل کر مرہتوں سے لڑائی کریں گے چند روز کے بعد مرہتے، جو چنبل کے اُس پار کا ارادہ رکھتے تھے یلغار کر کے پہنچے - ان دنوں شاہزادہ صاحب عالم یہیں تھے، لیکن انہوں نے تغافل کیا اور جنگ تنہا مرزا اسمعیل کے سر پڑی - یہ اس دلیری سے لڑا کہ مرہتے بھاگ کر گوالیار چلے گئے - چند روز کے بعد ایک دوسری فوج لے کر پھر لڑنے کے لئے آپہنچے اور دس پندرہ روز تک اکبر آباد کے باہر لڑائی ہوتی رہی - اس لڑائی میں مرزا اسمعیل کو شکست ہوئی - غلام قادر خاں تماشای رہا - مرزا بھاگ کر غلام قادر کے پاس آیا - دیکھا کہ یہ اپنی احتیاط میں مصروف ہے اور میری طرف متوجہ نہیں، چند روز رہ کر اپنے ملک کی طرف چلا گیا —

بادشاہ کے ناظر نے جو غلام قادر کو بیٹا کہتے تھے، اُسے لکھا کہ بادشاہ میرا کہنا نہیں سنتے یعنی مرہتوں کا ساتھہ نہیں چھوڑتے، تم یہاں آجاؤ - یہ دونوں شہر گئے - بادشاہ بے زور تھے - ناظر نمک حرام کے مشورے سے قلعہ کا انتظام کر کے بادشاہ کو اُتھا لیا اور اُن کے ساتھہ وہ سلوک کیا جو نہیں کرنا چاہئے تھا - سارے قلعہ کو غارت کردیا - بادشاہزادوں کے ساتھہ وہ کیا جو نا کردنی تھا - بہت سا روپیہ اس کے ہاتھہ آیا - بادشاہ کی آنکھیں نکالیں اور دوسرے کو بادشاہ بنادیا - جب پورا تسلط ہوگیا تو ناظر کو بھی قید کر لیا - شہر پر ایک آفت آگئی - جب غلبہ حد سے زیادہ بڑہ گیا، تو مرزا اسمعیل سے ذراسی بات پر بگاڑ کرلیا اور کسی چیز کے دینے میں کوتاہی کی - اُس

عزیز نے مرهٹوں سے صلح کرلی - اس اثنا میں مرهٹوں کی فوج قریب پہنچی اور بعض سردار تو شہر میں بهی داخل هوگئے - روهیله (غلام قادر) قلعه بند هوگیا اور رات کے وقت خضری دروازے کے راستے اپنی فوج و اسباب، زروماں، بادشاهزادوں، ناظر اور اُس کے لواحقوں کو ساتهه لیکر نکل گیا اور شاهدرے کے نزدیک حصار باندھ کر مقیم هوا - مرهٹوں نے یه بیحائی دیکهه کر دریا کے اُس پار لڑائی شروع کی - کبهی یه غالب آتے اور کبهی وه ملعون - جب اس طرح ایک مهینے کا عرصه گزر گیا تو دکن سے ایک سردار علی بهادر نامی آیا اور روهیلوں سے سر گرم پیکار هوا - دو تین لڑائیوں کے بعد بڑی جرأت سے اسے گرفتار کیا - مال واسباب اور شاهزادوں کو اس سے لیا اور اسے قید کر کے رکها - بادشاه اُسی شاه عالم (نابینا) کو مقرر کیا اور قلعه جاٹوں کے حواله کردیا - مرهٹے بادشاه کو سو روپیه روز دیتے هیں اور سارے ملک پر قابض هیں - اُس ملعون (غلام قادر) کو بڑی ذلت سے قتل کیا - اب بادشاه مرهٹے هیں، جو چاهتے هیں کرتے هیں - دیکهئے یه رنگ کب تک رهتا هے - اس کے بعد میر صاحب لکهتے هیں —

"القصه جهاں عجب حادثه گاهیست، چه مکانها خراب گشتند، وچه خوباں از هم گزشتند - چه باغها ویراں شدند، چه بزمها افسانه شدند - چه گلها افسردند و چه جواناں مردند - چه مجلسها شکستند، چه قافلها رخت بستند - چه عزیزاں ذلت کشیدند و چه مردماں بجاں رسیدند - ایں چشم عبرت بیں چها دید و ایں گوش شنوا چها شنید —

هر کاسهٔ سر ز افسری می گوید　　هر کهنه خرابه از درے می گوید
دنیا ست فسانه پارهٔ ماگفته‌ایم　　وآں پاره که ماند دیگرے می‌گوید

دریں مدت کم ایں یک قطرهٔ خوں که دلش می نامند انواع ستم کشید وهمه

خوں گردید"—

اس زمانے میں میرا مزاج نا ساز رہتا تھا۔ یاروں کی ملاقات ترک کردی تھی۔ بڑھاپا آپہنچا اور عمر عزیز ساٹھ سال ہو گئی۔ اکثر اوقات بیمار رہتا ہوں کچھ دنوں آنکھ کے درد کی تکلیف اٹھائی۔ ضعف بصر کی وجہ سے عینک لگائی۔ ہاتھ ملتا تھا اور اس شعر پر نظر کر کے نظر بازی ترک کردی—

محتاج عینک گشت فکر خویش کن
بر نفس دارند روز واپسیں آئینہ را

دانتوں کے درد کا کیا ذکر کروں۔ حیران تھا کہ آخر علاج کہاں تک کئے جاؤں۔ آخر دل کڑا کر کے ایک ایک کو جڑ سے اکھڑوادیا—

روزی خود را برنج از درد دنداں می خورم
ناں بخوں تر می شود تا پارۂ ناں می خورم

غرض کہ ضعف قویٰ، بے دماغی، ناتوانی، دل شکستگی اور آزردہ خاطری سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ زندہ نہ رہوں گا اور زمانہ بھی رہنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ بس آرزو اتنی ہے کہ خاتمہ بخیر ہو—

اس کے بعد میر صاحب نے چند لطیفے لکھے ہیں جو یہاں ترک کئے جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اُن میں سے بعض بہت فحش ہیں۔ اس سے اُس زمانے کا مذاق معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ میر صاحب سے متین اور مہذب بزرگ ایسے گندے لطیفے اپنی قلم سے کیوں لکھتے—

اس کتاب سے میر صاحب کے حالات پر کیا روشنی پڑتی ہے

چونکہ یہ کتاب اپنے حالات اور اپنے زمانے کے واقعات کے متعلق میر صاحب

نے خود لکھی ہے، لہذا میر صاحب کی زندگی کے متعلق کوئی دوسرا بیان اس سے زیادہ مستند نہیں ہو سکتا - بعض واقعات جو غلط طور پر مشہور ہو گئے ہیں یا مشتبہ ہیں وہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد صاف ہو جاتے ہیں - ان چند واقعات کا ذکر مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے —

۱ - آب حیات میں نیز گلزار ابراہیمی میں میر صاحب کے والد کا نام میر عبداللہ لکھا ہے - میر صاحب نے اس کتاب میں ہر جگہ میر علی متقی تحریر فرمایا ہے اور کہیں میر عبداللہ نہیں لکھا —

۲ - بعض لوگوں نے اِن کی سیادت میں شبہ کیا ہے جس کا ذکر آب حیات میں مذکور ہے - لیکن میر صاحب اپنے والد کا نام ہر جگہ میر علی متقی لکھتے ہیں اور اپنے والد اور دوسروں کی زبانی اپنا نام میر محمد تقی لکھا ہے - یہ غلط ہے کہ جب انھوں نے میر تخلص کیا تو اُن کے والد نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو، ایک دن خواہ مخواہ سید ہو جاؤ گے - کیونکہ والد کی وفات کے وقت ان کی عمر دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی اور اس وقت نہ شعر کہتے تھے اور نہ شعر گوئی کا خیال تھا - شعر کا ذوق دلی میں آکر پیدا ہوا —

۳ - میر صاحب بلا شبہ شیعہ مذہب کے تھے، لیکن اس کتاب میں اپنے والد کے متعلق لکھا ہے کہ " روزے در خدمت شیخ سوال کرد کہ بندہ انچہ عقاید خود درست کردہ ام بخدمت عالی واضح است، اما در حق حاکم شام چہ فرمایند" - اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو انھوں نے شیعہ مذہب ترک کر دیا تھا یا غالباً بعض عقائد کی اصلاح کر لی تھی - بہر حال میر صاحب کے حالات اور تعلقات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب ایسا تنگ نہ تھا جو کسی دوسرے کے لئے ناگواری کا باعث ہو - ان کے والد بڑے درویش تھے اور یہ خود درویش منش واقع ہوئے تھے اور ابتدا میں درویشوں ہی میں تربیت پائی - اس لئے ان کا مشرب وسیع اور دل صاف تھا —

۴ - نکات‌الشعرا کے پڑھنے کے بعد ہر سلیم‌الطبع شخص اُسی نتیجے پر پہنچے گا جو مولانا محمد حبیب‌الرحمن خاں صاحب شروانی نے اپنے مقدمۂ نکات‌الشعرا میں خان آرزو اور میر صاحب کے تعلقات کے متعلق لکھا ہے - میر صاحب نے ان کا بڑے ادب سے ذکر کیا ہے اور ان کی فصاحت و بلاغت اور قادر کلامی کی بڑی تعریف کی ہے اور مرزا معز فطرت موسوی خاں کے ذکر میں انہیں اپنا اُستاد اور پیر و مرشد کہا ہے - اسی بنا پر مولانا شروانی نے آزاد کے اس قول پر سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ نازک مزاجی کی وجہ سے کسی مسئلہ پر بگڑ کر الگ ہو گئے - لیکن اس کتاب (ذکر میر) کے دیکھنے کے بعد آزاد کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے - میر صاحب خان آرزو کی بد سلوکی اور بے مروتی کے بیحد شاکی ہیں اور کہیں خان صاحب کی شاگردی کا ذکر نہیں کرتے، بلکہ لکھا ہے کہ "چندے پیش او ماندم و کتابے چند از یاران شہر خواندم" البتہ ایک صاحب میر جعفر کا نام لکھا ہے جو پٹنے کے رہنے والے تھے، اُن سے فارسی پڑھی اور جب وہ اپنے وطن کو چلے گئے تو کچھ دنوں بعد اُن کی ملاقات میر سعادت علی سے ہوئی جو امروہے کے باشندے تھے - ان صاحب نے میر صاحب کو فارسی کی طرز پر ریختے میں شعر لکھنے کی ترغیب دی - حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی کے شاگرد نہیں، وہ شاعر پیدا ہوئے تھے —

۵ - میر صاحب کی بد دماغی اور نازک مزاجی کو بڑے مبالغے سے بیان کیا گیا ہے - لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ نازک مزاج ضرور تھے - راجہ ناگر مل جو اُن کا بڑا قدردان تھا، اس کی رفاقت محض اس وجہ سے چھوڑ دی کہ جو معاہدہ وہ اس کے ایما سے بادشاہی امرا سے کر کے آئے تھے، اس پر اس نے عمل نہیں کیا - ایک امیر بڑے شوق سے انھیں لے جاتا ہے اور عزت و احترام کے ساتھہ اپنے پاس رکھتا ہے، مگر اس کے کلام کو قابل اصلاح نہیں سمجھتے اور سب پر خط کھینچ دیتے ہیں - بادشاہ بڑے اشتیاق سے بار بار بلاتے ہیں مگر یہ نہیں جاتے -

اصل یہ ہے کہ انھیں اپنی وضع کا بڑا پاس تھا اور جب فقر و فاقہ درپے ہو تو وضعداری نبھانے میں نازک مزاجی آھی جاتی ہے - انھوں نے فقر و درویشی کی آغوش میں پرورش پائی تھی' صبر و قناعت ان کی گھٹی میں تھی' اس لئے ہر کس و ناکس کے آگے ہاتھہ پھیلا نا عار سمجھتے تھے' مگر عزیز و اقربا کی بے مروتی اور طوطا چشمی اور زمانے کی نا قدردانی اور نا ہمواری کی وجہ سے انھیں جگہ جگہ مارے مارے پھرنا پڑا' تاہم انھوں نے کبھی اپنی وضع کو ہاتھہ سے نہ جانے دیا اور جہاں رہے عزت سے رہے - اُن کے کلام کی شہرت سارے ملک میں تھی اور نواب آصف‌الدولہ بہادر نے جس شوق سے انھیں بلایا اور جس احترام سے وہ اُن سے ملے' یہ اس کا بین ثبوت ہے —

۲ - جب ہم میر صاحب کے حالات پڑھتے ہیں تو اُن کے کلام کی مایوسی اور درد کا راز سربسر کھل جاتا ہے - انھوں نے دلی کی بربادی' عزیزوں اور خاندانوں کی تباہی' آے دن کے انقلاب اور اغیار کی دستبرد اور غارتگری کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس سے جو داغ اُن کے دل پر تھا وہی اُن کے کلام میں چمکتا ہوا نظر آتا ہے - بعض اوقات جو واردات اُن کے قلب پر گزری تھی' اس کا ہو بہو نقشہ اُن کی نظم میں موجود ہے - مثلاً خان آرزو کی بے مروتی اور دل آزار سلوک اور اپنی بے نوائی اور بے بسی کا اُن کے قلب پر بڑا صدمہ تھا اور وہ بہت ہی دل شکستہ اور دل گرفتہ رہتے تھے - اسی غم و غصہ میں اُن پر ایک جنون کی سی حالت طاری ہو گئی اور انھیں چاند میں ایک عجیب صورت نظر آنے لگی جس سے اُن کی وحشت اور دیوانگی اور بڑھ گئی - اس حالت کو ہم انھیں کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں —

"در شب ماہ پیکرے خوش صورت با کمال خوبی از جرم قمر انداز طرف من می کرد و موجب بیخودی می شد - بہر طرف کہ چشمم می افتاد برآں رشک پری می افتاد - بہر جا کہ نگاہ می کردم تماشاے آں غیرت حور می کردم -

در و بام و صحن خانۂ من ورق تصویر شدہ بود ' یعنی از حیرت افزائی از شش جہت رو می نمود-گاھے چوں ماہ چہاردہ مقابل ' گاھے سیرگاہ او منزل دل-اگر نظر بر گل مہتاب می افتاد آتشے در جان بے تاب می افتاد-ہر شب با و صحبت ' ہر صبح بے او وحشت-دمے کہ سفیدۂ صبح می دمید' از دل گرم آہ سرد می کشید ' یعنی آہ می کرد و انداز ماہ می کرد-تمام روز جنوں می کردم ' دل در یاد او خوں می کردم-کف بر لب چوں دیوانہ و مست ' پارھاے سنگ در دست-من افتان و خیزاں ' مردم از من گریزاں-تا چار ماہ آں گل شب افروز رنگ تازہ می ریخت و از فتنہ خرامی ھا قیامت می انگیخت-ناگاہ موسم گل رسید ' داغ سودا سیاہ گردید ' یعنی چوں پر یدار شدم ' مطلق از کار شدم-صورت آں شکل وھمی در نظر ' خیال زلف مشکینش در سر-شایستۂ کنارہ گیری شدم ' زندانی و زنجیری شدم —''

اب اس کے بعد میر صاحب کی مثنوی " خواب و خیال " پڑھئے ' اس قلبی واردات کی تصویر اور اس خواب کی تفسیر نظر آتی ھے-ھم یہاں اُس مثنوی کو طوالت کے خوف سے نقل نہیں کرتے ' لیکن اگر ناظرین اس کے پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے تو انہیں معلوم ھوگا کہ وہ محض خواب و خیال ھی نہیں بلکہ ایک واقعہ تھا جو اُن کے مایوس اور پر حزیں دل پر گزرا تھا—

یا جب جاٹوں کی سرکشی اور فتنہ پردازی سے تنگ آکر راجہ ناگر مل بیس ھزار گھروں سمیت ' جن میں زیادہ تر انہیں کے وابستہ تھے ' اپنا عزیز مقام چھوڑ کر کاماں جاتے ھیں ' تو میر صاحب نے ایک مخمس لکھی ھے جس میں اپنی پریشان حالی کا رونا رویا ھے-وہ وقت حقیقت میں ایسا ھی تھا-اس کے آخری دو بند یہ ھیں—

دل سر بسر خراب ھے ' تعمیر کیا کروں — آشفتگیء حال کی تعبیر کیا کروں
خوننابہاے چشم کی تعبیر کیا کروں — زردیء رنگ چہرہ کی تحریر کیا کروں

آیا جو میں چمن میں ، خزاں ہوگئی بہار

حالت تو یہ کہ مجھکو غموں سے نہیں فراغ دل سوزش درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ ہے نام مجلسوں میں مرا میر بے دماغ

از بسکہ بے دماغی نے پایا ہے اشتہار

۷-ذکر میر پڑھنے سے ایک بات صاف نظر آتی ہے کہ اُس زمانے میں ہندو مسلمان کا کوئی سوال ہی نہ تھا-اُن کے تعلقات ایسے ہی تھے جیسے بھائیوں بھائیوں میں ہوتے ہیں-وہ لڑتے بھی تھے ، ملتے بھی تھے ، مگر اِس دوستی محبت یا لڑائی بھڑائی میں مذہب و ملت کا کوئی امتیاز نہ تھا-یہ آفت اس زمانے کی لائی ہوئی ہے ، جس میں ہندو مسلمان دونوں گرفتار ہیں ، اس کا برا انجام سب سمجھے ہوے ہیں مگر اپنے وہم کے ہاتوں لاچار ہیں-خود میر صاحب کئی راجاؤں کے متوسل تھے ، ان کی مروت اور انسانیت کا ذکر کس محبت اور عزت سے کرتے ہیں راجہ ناگر مل کی شرافت اور وضعداری دیکھئے ، جاٹوں کی چیرہ دستی اور مردم آزاری سے آزردہ ہوکر شہر چھوڑ کر جاتے ہیں تو اپنے ساتھہ بیس ہزار گھروں کو بھی جو انہیں کی وجہ سے آباد تھے اور اکثر اُن کے متوسل تھے اور جن میں ہندو مسلمان سب ہی تھے ، ساتھہ لے کر جاتے ہیں-میر صاحب لکھتے ہیں "راجہ نظر بر خدا کردہ انچہ لازمۂ سرداریست بکار بردہ با ہر دو پسر بجرأت تمام سوار شد و بیرون قلعہ آمدہ چناں ہمت با مداد غربا گماشت کہ ناموس نفرے ہم انجا نگزاشت از لطف دادار بے ہمال و بہ یمن نیت خوب در دو سہ روز مع ایں قافلۂ گراں داخل کاماں گشت "-اگرچہ اُس وقت ملک کی حالت بہت خراب و خستہ اور ابتر تھی ، عام و خاص ، بڑے چھوٹے ، نواب اور راجہ سب خود غرضی میں مبتلا اور ناعاقبت اندیشی میں گرفتار تھے ، مگر پرانی وضع داریاں برابر چلی جارہی تھیں-بزم ہو یا رزم ، غم ہو یا شادی ، معاملات ہوں یا مطائبات ، اُن میں وہ تنگ دلی اور تعصب نہ تھا ، جس کا جلوہ ہمیں آج کل نظر آتا ہے-بد اخلاقی اُن میں

بھی تھی، بد معاملگی اُس وقت بھی تھی، غداری اور بے وفائی سے وہ زمانہ بھی خالی نہ تھا، مگر وہ مہا عیب جسے مذہبی تعصب کہتے ہیں، اس سے اُن کے سینے پاک تھے —

۸ - اس کتاب سے میر صاحب کی عمر اور زمانے کا بھی پتہ لگتا ہے - جب اُن کے "عم بزرگوار" کا انتقال ہوا اور رنج و غم سے اِن کی حالت بہت نڈھال ہوئی، تو اُن کے والد اِن کو سمجھانے لگے، اس میں یہ بھی فرمایا "کہ ماہ من! نہ طفل ھالۂ، الحمداللہ کہ دہ سالۂ -" اور اُسی سال خود میر علی متقی کا بھی انتقال ہو گیا - گویا والد کی وفات کے وقت ان کی عمر دس سال کی تھی یا زیادہ سے زیادہ گیارہ سال ہوگی باپ کے مر جانے سے اس چھوٹی سی عمر میں فکر معاش ہوئی جس کی تلاش میں وہ اکبرآباد اور اس کے اطراف میں بہت کچھ پھرے - جب مایوسی ہوی تو شاھجہاںآباد دھلی کا قصد کیا - نواب صمصام الدولہ امیرالامرا نے ان کے باپ کے حقوق کے خیال سے میر صاحب کا ایک روپیہ روز مقرر کر دیا - اور یہ روزینہ نادرشاہ کے حملے تک ملتا رہا - اس جنگ میں نواب کے مارے جانے سے بند ہو گیا - نادر کا حملہ سنہ ۱۱۵۱ ھجری میں ہوا تھا - اس کتاب کے اختتام پر میر صاحب نے اپنی عمر ساٹھ سال بتائی ہے - اور کتاب کی تاریخ اس قطعہ سے نکالی —

مسمی باسمی شد اے با ھنر کہ ایں نسخہ گردد بعالم سمر
ز تاریخ آگہ شوی بیگماں فزائی عدد بست و ھفت ار براں

کتاب کا نام "ذکر میر" ہے جس کے عدد ۱۱۷۰ ہوتے ہیں اس میں ۲۷ ملائے تو ۱۱۹۷ ہوے - اس میں سے اگر ساٹھ منہا کئیے تو ان کی پیدائش کی تاریخ تقریباً سنہ ۱۱۳۷ ھجری ہوئی - اس حساب سے نادر کے حملے کے وقت ان کی عمر کوئی پندرہ برس کی ہوتی ہے - اس حادثے کے بعد وہ پھر دھلی جاتے ہیں اور اپنے خالو خاں آرزو کے مہمان ہوتے ہیں - ایک مدت کے بعد جب راجہ ناگر مل کے ھمراہ اکبرآباد جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو لکھتے ہیں کہ تیس

سال بعد وطن میں آنا ہوا- یعنے اُس وقت اُن کی عمر پینتالیس چھیالیس برس ہو گی—

آبحیات میں لکھا ہے کہ میر صاحب نے دلی سنہ ۱۱۹۰ میں چھوڑی- لیکن گلشن ہند (اور گلزار ابراہیم) میں اُن کے لکھنؤ جانے کی تاریخ سنہ ۱۱۹۷ لکھی ہے- اور لکھا ہے کہ اُس وقت مرزا محمد رفیع سودا اس جہان فانی سے عالم باقی کو سدھار چکے تھے- سودا کا انتقال سنہ۱۱۹۵ میں ہوا- اس بنا پر صاحب گلشن ہند کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے-اس حساب سے میر صاحب کے لکھنؤ پہنچنے اور ذکر میر کے ختم ہونے کا ایک ہی سنہ ہوتا ہے- اور اس وقت ان کی عمر ساٹھہ تھی- ان کی وفات کا سنہ ۱۲۲۵ ہجری ہے اور یہ سنہ ناسخ کے مصرعۂ وفات "واویلا مرد شہ شاعراں" سے نکلتا ہے- اگر سنہ پیدائش ۱۱۳۷ اور سنہ وفات ۱۲۲۵ قرار دیا جاے تو میر صاحب کی عمر ۸۸ یا ۸۹ برس ہوتی ہے-آزاد نے جو لکھا ہے کہ سو برس کی عمر پائی وہ اس حساب سے صحیح نہیں معلوم ہوتا—

۹-علاوہ اِن امور کے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے یہ کتاب تاریخی لحاظ سے بھی خاص وقعت رکھتی ہے-جو جو حالات اور واقعات اُس وقت اُن کے سامنے گزرے ہیں وہ اُنہوں نے من و عن سب لکھہ دئے ہیں، جس میں کسی رو رعایت یا طرفداری کا شائبہ نہیں ہوسکتا-اور اس سے اُس زمانے کے بعض واقعات کی تصدیق یا تردید ہوسکتی ہے- اس بحث کو ہم کسی دوسرے وقت کے لئے رکھتے ہیں—

یہ نسخہ جو ہمیں ملا ہے، سنہ ۱۲۲۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۰۸ ع کا لکھا ہوا ہے، اور میر صاحب کی زندگی ہی میں لکھا گیا، اور اُن کے اصل نسخے سے نقل کیا گیا ہے-معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب مشہور نہ ہونے پائی اور یہ محض اتفاق ہے کہ زمانے کی دستبرد سے یہ نسخہ باقی رہ گیا اور یہی وجہ ہے کہ کسی تذکرے میں اس کا ذکر نہیں ہے—

شام

از

(جناب غلام طیب صاحب بی۔اے 'بی۔ٹی اورنگ آباد کالج)

پھر شام ہوئی سورج ڈوبا پھر دل میں عجب ہنگامہ ہے
پھر سوگ بھری ہے سے لبریز یہ فطرت کا پیمانہ ہے

ہے گرمی بزم کی ختم ہوئی اب حسرت و یاس کی باری ہے
اک مستی بادۂ غم کی پھر ہر برگ و شجر پر طاری ہے

مغرب میں چھپا لی قدرت نے وہ شمع جو تھی جان عالم
سناٹا دشت و کوہ میں ہے دریا میں ہے بجتا ساز الم

اب سرخی و رنگینیء شفق تاریکی سے بدلی جاتی ہے
اور رات اندھیری چپکے سے دنیا پہ اترتی آتی ہے

ہیں ابر کے ٹکڑے سوگ بھرے اور رنگ شفق میں ماتم کا
افلاک پہ سستی چھائی ہے ارر راج ہے دھرتی پر غم کا

دن بھر کی چل پھر سے دنیا اب ڈوب گئی ہے پسینے میں
اک لہر ہے سستی کی دوڑی ہر کوہ و کاہ کے سینے میں

اعمال میں فطرت کے دیکھو آرام بھی ہے اور کام بھی ہے
اس کارگہ قدرت میں کہیں انسانوں کا سرسام بھی ہے

اشجار کو اک چپ سی ہے لگی خالی ہے ہوا پر والوں سے
یہ کونسا رنگ فطرت ہے پوچھے کوئی اوپر والوں سے

سنسان فضا ھے چپ ھیں بن دیواروں پہ سکتہ چھایا ھے
دریا میں عروج پستی ھے ساحل کو پسینہ آیا ھے
ھر چیز میں ھے سستی سی بھری اشجار ھیں سوتے سر ڈالے
منزل پہ مسافر سستا کر ھے دیکھ رھا اپنے چھالے
چرواھوں کے پاؤں بھی بھاری ھیں وہ صبح کی تانیں بھول گئے
جو بازو صبح کو تنتے تھے وہ سستیٔ شام میں جھول گئے
ھر حرکت میں ٹھہراؤ سا ھے ھر چیز میں اک خاموشی ھے
ھر سمت خمار غم چھایا ھر ھستی پر مدھوشی ھے

ھر چیز میں ھے سستی لیکن اک دل ھے میرا طوفاں بھرا
کچھ سوچ ھے اسمیں کچھ الجھن کچھ حشر کا ھے سامان بھرا
اے شام مبارک ھو تجھکو یہ دعوت جذبات مضطر
ھے چاھنے والا دنیا میں اک تیرا بھی بادیدۂ تر
سوتے ھوے قلب کو آنا تیرا کوڑا ھے بیداری کا
اور تونے اُٹھایا ھے بیڑا دنیا کی الم برداری کا
آتے ھی تیرے بھر جاتے ھیں قلب کے خالی پیمانے
جاگ اٹھتی ھے یاد خفتہ جاگ اٹھتے ھیں سب افسانے
تو آتی ھے یاں سینے کا ھر داغ دیا بن جاتا ھے
اور سوز دروں سے طفلک دل رہ رہ کے پچھاڑیں کھاتا ھے
تو بجلی کوٹ کے بھر دیتی ھے ننھے سے پروانے میں
تو شمع جلا دیتی ھے دل کے سونے خلوت خانے میں
اے شام تجھے دنیا کیا جانے صبح سے تو بہتر ھے کہیں
وہ دل کو بھلاوا دیتی ھے احساس سے روشن تیری جبیں

داروے الم کے متوالے آتے ھیں ترے میخانے میں
دیکھے کوئی عظمت تری آکر شاعر یا پروانے میں

یہ غار حرا کی منزل ھے یاں عارف ھی رہ سکتا ھے
جو بندۂ عشرت ھو وہ کب یہ زخم جگر سہ سکتا ھے

تو محرم راز خودی ھے اور آئینۂ ذھن گم گشتہ
ھنگام ھے تو خود بینی کا آگاھی قلب خود رفتہ

جب شام کے دھندلے پن میں دنیا پر سناٹا رھتا ھے
تب کروٹ لے کر چپکے سے دل اپنی کہانی کہتا ھے

احساس خودی ھوتا ھے اجاگر شام کے سونے منظر میں
اور ھستی اپنی صاف نظر آتی ھے ذھن خود سر میں

اے شام بہار قلب ھے تو انسان کی عظمت تجھہ سے ھے
باقی دل طیب میں ابتک احساس کی دولت تجھہ سے ھے

تو جائزۂ ماضی لے کر تیاری صبح کی کرتی ھے
بھٹکے ھوے لوگوں میں احساس ترقی پیدا کرتی ھے

تو ناظر قلب ناداں ھے اور کیف میں تیرے بیداری
دنیا پہ ھے چھایا رعب ترا، منظر میں ھے تیرے خودداری

ھے رنگ قیامت کا سا تیرے منظر ماتم پوشی میں
ھنگامے صدھا پنہاں ھیں اے شام تیری خاموشی میں

گہرائی تری بے تھاہ ھے اور خاموشی تیری لاینحل
اے قاصد عالم بالا تونے آکے مچادی اک ھل چل

خاموش ادا ھے حسن کی تو یا جاذب سوز محبت ھے
اے شام خدارا بتلادے تو کسکی نگاہ حسرت ھے

کیوں تو ھے سوگ میں یوں ڈوبی کیوں جوگ لیا کیوں چپ سی ھے
کیوں دنیا کے ھنگاموں کا خاموش تماشا کرتی ھے

ھم بھی تیری طرح زمانے میں نا واقف صبح مسرت ھیں
کچھہ بس نہیں چلتا ھے اپنا پابند اصول فطرت ھیں

ھم پستی کے باشندے ھیں تو ساکن عالم بالا ھے
گو ظلمت تیرا جوھر ھے پر فطرت تیری اعلیٰ ھے

ھم کو بھی دکھا دے راہ کوئی اک مطلع روشن بننے کی
اے شام کوئی ترکیب بتا مٹی سے کندن بننے کی
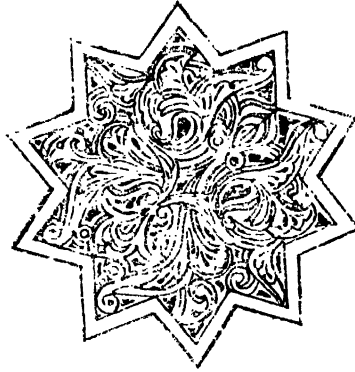
داستان رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی

از

(سید انشاالله خاں مرحوم)

(سید انشاالله خاں کی وہ داستان جس میں ایک لفظ بھی عربی فارسی کا نہیں آنے دیا، مشہور تو بہت ہے مگر ملتی کہیں نہ تھی۔ اکثر احباب دریافت فرماتے تھے اور دیکھنے کے شایق تھے۔ آخر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی پرانی جلدوں میں اس کا پتہ لگا۔ مسٹر کلنٹ پرنسپل لا مارٹین کالج لکھنؤ کو اس کا ایک نسخہ موتی محل لائبریری میں دستیاب ہوا تھا جسے انہوں نے سوسائٹی کے رسالے میں طبع کرا دیا۔ سنہ ۱۸۵۲ ع میں ایک حصہ طبع ہوا اور دوسرا حصہ سنہ ۱۸۵۵ ع میں —

یہ بھی سید انشاءالله خاں کی ایک جدت طبع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں عربی فارسی کا کوئی لفظ نہیں آیا لیکن اس زمانے کے لحاظ سے زبان ایسی صاف نہیں جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ قصے کہانی کا لکھ لینا اب بھی ممکن ہے لیکن سنجیدہ اور علمی مضامین کا ایسی زبان میں لکھنا بہت دشوار ہے۔ بہر حال سید مرحوم کی، جو اپنی بعض خوبیوں کے لحاظ سے یکتا تھے، ایک عجیب یادگار ہے جس کا محفوظ رکھنا ہمارا فرض ہے —

افسوس ہے کہ کاتب نے لکھنے میں جا بجا غلطیاں کی ہیں جہاں تک ہوسکا تصحیح کر دی گئی ہے اور بعض غیر مانوس الفاظ کے معنے بھی لکھ دیے گئے تاہم دو ایک لفظ ایسے رہ گئے ہیں جو سمجھ میں نہیں آے اگر کوئی دوسرا نسخہ مل گیا تو تصحیح کر دی جاے گی — ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں اوس اپنے بنانے والے کے سامنے، جس نے ہم سب کو بنایا اور بات کی بات میں وہ سب کر دیکھایا جس کا بھید کسی نے نہ پایا —

آتیاں جاتیاں، جو سانسیں ہیں
اوسکے بن دھیان سب یہ پھانسیں ہیں

یہ کل کا پتلا جو اپنے اوس کھلاڑی کی سدھ رکھے تو کھٹائی میں کیوں پڑے؟ اور کڑوا کسیلا کیوں ہو؟ اوس پھل کی مٹھائی چکھہ جو بڑوں سے بڑائی اگلوں نے چکھی ہے —

دیکھنے کو آنکھہ دی اور سننے کو یہ کان دئے - ناک بھی اونچی سب میں کردی، سورتوں کو جی دان دئے - مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں، جو اپنے کمہار کے کرتب کچھہ بتا سکے؟ سچ ہے، جو بنایا ہوا ہو، سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے؟ اور کیا کہے؟ یوں جس کا جی چاہے پڑا بکے - سر سے لگا پاوں تک جتنے رونگٹے ہیں، جو سب کے سب بول اوٹھیں اور سراہا کریں اور اتنے برسوں اسی دھیان میں رہیں جتنی ساری ندیوں میں ریت اور پھول پھلیاں کھیت میں ہیں، تو بھی کچھہ نہ ہو سکے —

اس سر جھکانے کے ساتھہ دن رات جپتا ہوں اوس داتا کے پھونچے ہوے پیارے کو، جس کے لئے یوں کہا ہے "جو تو نہ ہوتا، میں کچھہ نہ بناتا" اور اوس کا چچیرا بھائی، جس کا بیاہ اوسی کے گھر ہوا، اوسی کی سرت • مجھے لگی رہی ہے - میں پھولا اپنے آپ میں نہیں سماتا اور جتنے اون کے لڑکے بالے ہیں اونہیں کے یہاں پرچاو + ہے اور کوئی ہو، کچھہ میرے جی کو نہیں بھاتا - مجھے اس گھرانے کے چھٹ ‡ کسی نے بھاگ اوچک چور ٹھگ سے کیا پڑی؟ جیتے مرتے

• دھیان + محبت ‡ سوا

اونھیں سبھوں کا آسرا اور اون کے گھرانے کا رکھتا ھوں تیسوں گھڑی —

ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا

ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھ آئی - کوئی کہانی ایسی کہیئے جس میں ھندوی چھٹ اور کسی بولی سے پٹ * نہ ملے - تب جاکے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے - باھر کی بولی اور گنواری کچھہ اوس کے بیچ نہو - اپنے سننے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے پرانے دھرانے بوڑھے گھاگ یہ کھٹراگ لاے سر ھلا کر مونہ بنا † کر ناک بھوں چڑھا کر آنکھیں پھرا کر لگے کہنے' یہ بات ھوتی دکھائی نہیں دیتی - ھندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکھا پن نہ ٹھوس جاے - جیسے بھلے لوگ اچھوں سے اچھے آپس میں بولتے چالتے ھیں جوں کا توں وھی ڈول رھے اور چھانہہ کسی کی نہ پڑے' یہ نہیں ھونے کا! میں نے اون کی ٹھنڈی سانس کی پھانس کا ٹھوکا کھا کر جھنجلا کر کہا - میں کچھہ ایسا اڑوکھا ‡ بولا نہیں' جو رائی کو پربت کر دکھاوں اور جھوٹ سچ بول کے اونگلیاں نچاوں اور بے سری بے ٹھکانے کی اولجھی سلجھی باتیں سجاؤں - جو مجھسے نہ ھو سکتا' تو بھلا یہ بات منہ سے کیوں نکالتا؟ جس ڈھب سے ھوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا —

اب اس کہانی کا کہنے والا یہاں آپ کو جتاتا ھے اور جیسا کچھہ لوگ اوسے پکارتے ھیں کہہ سناتا ھے - دھنا ھاتھہ منہ پر پھیر کر آپ کو جتاتا ھوں - جو میرے داتا نے چاھا تو وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کود پھاند اور لپٹ جھپٹ دکھاوں جو دیکھتے ھی آپ کے دھیان کا گھوڑا' جو بجلی سے بھی بہت چنچل' اچھلاھٹ میں ھرنوں کے روپ میں ھے' اپنی چوکڑی بھول جاے —

گھوڑے پر اپنے چڑھ کے آتا ھوں میں
کرتب جو ھیں سب دکھاتا ھوں میں

---

* بالکل † (ن) تھتھا ‡ (ن) بڑ بولا

اوس چاهنے والے نے جو چاها تو ابهی
کہتا جو کچهه هوں کر دیکهاتا هوں میں

اب آپ کان رکهه کے سنمکهه* هو کے ٹک ادهر دیکهئے کس ڈهب سے بڑه چلتا هوں اور اپنے اِن پهول کی پنکهڑی جیسے هوٹوں سے کس روپ کے پهول اوگلتا هوں —

کہانی کا اوبهار اور بول چال کی دولهن کا سنگار

کسی دیس میں کسی راجه کے گهر ایک بیٹا تها-اوسے اوس کے ماں باپ اور سب گهر کے لوگ کنور اودی بهان کرکے پکارتے تهے-سچ مچ اوسکے جوبن کی جوت میں سورج کی ایک سوت آملی تهی-اوس کا اچها پن اور بهلا لگنا کچهه ایسا نه تها جو کسی کے لکهنے اور کہنے میں آسکے-پندره برس بهر کے سولهے میں پانو رکها تها-کچهه یوهیں سی اوسکی مسیں بهیگتی چلی تهیں-اکڑ مکڑ اوس میں بہت سی سمارهی تهی' کسی کو کچهه نه سمجهتا تها-پر کسی بات کے سوچ کا گهر گهاٹ پایا نه تها اور چاو کی ندی کا پاٹ اون نے دیکها نه تها-ایک دن هریالی دیکهنے کو اپنے گهوڑے پر چڑه کے اٹکهیل پنے اور لڑکپن کے ساتهه دیکهتا بهالتا چلا جاتا تها-اتنے میں ایک هرنی جو اوسکے سامنے آئی' تو اوس کا جی لوٹ پوٹ هوا-اس هرنی کے پیچهے سب کو چهوڑ چهاڑ کر گهوڑا پهینکا-کوئی گهوڑا اوس کو پاسکتا تها؟ جب سورج چهپ گیا اور هرنی آنکهوں سے اُوجهل هوئی' تب تو یه کنور اودی بهان بهوکها پیاسا اور اوداسا جامائیاں اور انگڑائیاں لیتا هکا بکا هو کے لگا آسرا ڈهونڈهنے - اتنے میں کچهه امریاں دهیان چڑهیں' اودهر چل نکلا. تو کیا دیکهتا هے؟ چالیس پچاس رنڈیاں+ ایک سے ایک جوبن میں اگلی‡ جهولا ڈالے هوے پڑی جهول رهی هیں اور ساون گاتیاں هیں-جو اُنهوں نے اوس کو دیکها'

---

* روبرو' سامنے + عورتیں ‡ بڑه کر

تو کون ؟ تو کون ؟ کر چنگھاڑ سی پڑ گئی - اُن سبھوں میں سے ایک کے ساتھہ اس کی آنکھہ لڑ گئی —— دوھا

کوئی کہتی تھی یہ اوچکا ھے کوئی کہتی تھی ایک پکا ھے

وھی جھولنے والی لال جوڑا پہنے ھوے جس کو سب رانی کیتکی کہتے تھے

اُس کے بھی جی میں اس کی چاہ نے گھر کیا - پر کہنے سننے کو بہت سے ناہ نوہ کی - اِس لگ چلنے کو بھلا کیا کہتے ھیں ؟ یک نہ یک * جو تم جھٹ سے ٹپک پڑے - یہ جانا جو یہاں رندیاں اپنی جھول رھی ھیں - اجی تم جو اس روپ کے ساتھہ بیدھڑک چلے آے ھو ' ٹھنڈی ٹھنڈی چھانہہ چلے جاو - تب انہوں نے سوس † کے ملولا ‡ کہا کے کہا کہ اتنی رکھائیاں ندیجیے - میں سارے دن کا تھکا ھوا ایک پیڑ کی چھانہہ میں اوس کا بچاؤ کرکے پڑ رھوں گا - بڑی تڑکے دھوندلکے اوٹھہ کر جدھر کو منہ پڑے گا چلا جاوں گا - کسی کا لیتا دیتا نہیں - ایک ھرن کے پیچھے سب لوگوں کو چھوڑ کر گھوڑا پھینکا تھا ' جب تلک اُجالا رھا ' اوسی کے دھیان میں تھا - جب اندھیرا چھا گیا اور جی بہت گھبرا گیا ' ان امریوں کا آسرا ڈھونڈھکر یہاں چلا آیا ھوں - کچھہ روک ٹوک تو نہ تھی جو ساتھا ٹھنک جاتا اور رک رھتا ' سر اوٹھائے ھانپتا ھوا چلا آیا - کیا جانتا تھا پدمنیاں پڑی جھولتی ' پینگیں چڑھا رھی ھیں - پر یوں بدی تھی ' برسوں میں بھی جھولا کروں گا - یہ بات سن کر جو لال جوڑے والی ' سب کی سر دھری تھی اون نے کہا - ھاں جی بولیاں ٹھولیاں نہ مارو - اِن کو کہہ دو جہاں جی چاھے اپنے پڑ رھیں اور جو کچھہ کھانے پینے کو مانگیں انہیں پہونچا دو - گھر آے کو کسی نے آج تک مار نہیں ڈالا - منہ کا ڈول گال تمتمائے اور ھونٹھہ پپڑاے اور گھوڑے کا ھانپنا اور جی کا کانپنا اور گھبراھٹ اور تھرتھراھٹ اور ٹھنڈی سانسیں بھرنا اور نڈھال ھوکر گرے پڑنا اِن کو سچا کرتا ھے - بات بنی ھوئی ان سچوئی ※ کی کوئی چھپتی ھے ؟ پر ھمارے اور اُن کے بیچ میں کچھہ

---

* یکایک † فکر کرکے ‡ رنج ' غم ' افسوس ※ جو سچ نہ ھو

اوٹ سے کپڑے لتّے کی کردو- اتنا آسرا پا کے سب سے پرے کونے میں جو پانچ سات چھوٹے چھوٹے پودے سے تھے اون کے چھانہہ میں کنور اردی بھان نے اپنا بچھونا کیا- سرھانے ساتھہ دھر کے چاھتا تھا سو رھے ' پر نیند کوئی چاھت کے لگاوٹ میں آتی تھی ؟ پڑا پڑا اپنے جی سے باتیں کر رھا تھا- اتنے میں کیا ھوتا ھے ؟ جو رات سائیں سائیں کرنے لگتی ھے اور ساتھہ والیاں سب سو رھتی ھیں ' رانی کیتکی اپنی سہیلی مدن بان کو جگا کر یوں کہتی ھے- ارے او تو نے کچھہ سنا ھے؟ میرا جی اس گھر آگیا اور کسی ڈول سے نہیں تھم سکتا- تو سب میرے بھیدوں کو جانتی ھے' اب جو ھونی ھو سو ھو- سر رھتا رھے جاتا ھے جاے ' میں اوس کے پاس جاتی ھوں- تو میرے ساتھہ چل ' پر تیرے پانو پڑتی ھوں کوئی سننے نہ پاوے- ارے یہ میرا جوڑا میرے اوس بنانے والے نے ملا دیا- میں اِسی لئے جیسے اِن امریوں میں آئی تھی- رانی کی مدن بان کا ھاتھہ پکڑے وھاں آن پہونچتی ھے' جہاں کنور اودی بھان لیٹے ھوے کچھہ سوچ میں پڑے پڑے بڑ بڑا رھے تھے- مدن بان آگے بڑھہ کے کہنے لگی- تمھیں اکیلا جان کے رانی آپ آئی ھیں- کنور اودی بھان یہ سن کے اوٹھہ بیٹھے اور یہ کہا کیوں نہ ھو؟ جی سے جی کو ملاپ ھے- کنور اور رانی دونو چپ چاپ بیٹھے تھے- پر مدن بان دونوں کے بدن گُدگُدا رھی تھی- ھوتے ھوتے اپنے اپنے پتے سب نے کھولے- رانی کا پتا یہ کھلا- راجہ جگت پرکاس کی بیٹی ھیں اور اُن کی ما رانی کام لتا کہلاتی ھیں- ایک مہینے پیچھے ما باپ نے اُن کے کہدیا ھے' امریوں میں جاکر جھول آیا کرو- آج وھی دن تھا سو تم سے مٹ بھیڑ ھوگئی- بہت مہاراجوں کے کنوروں کی باتیں آئیاں پر کسی پر اُن کا دھیان نہ چھڑھا- تمھارے دھن بھاگ' جو تمھارے پاس سب سے چھپ کر میں جو اُن کی لڑکپن کی گوئیاں * ھوں مجھے ساتھہ اپنے لیکے آئیں ھیں-

---

* سہیلی

آپ هی تم کہانی کہو جو تم کس دیس کے کون هو - اُنہوں نے کہا میرا باپ راجه سورج بهان اور ما رانی لچھمی باس هے' آپس میں جو گھتّه جوڑا هوجاے' تو انوکھی اچرج اور اچنبھے کی بات نہیں - یو هیں آگے سے هوتا چلا آیا هے - جیسا منهه ویسی تھپڑ' جوڑ توڑ تتول لیتے هیں - دونوں مہا راجوں کو یه چت* چاهی بات اچھی لگے گی - پر هم تم دونو کے جی کا گھتّه جوڑا چاهیے - اِس میں مدن بان بول اوٹھی - سو تو هوا - اپنی اپنی انگوٹھیاں هیر پھیر کرلو اور آپس میں لکھوتی+ ابهی لکھدو - پھر کچھه هچر مچر نه رهے - کنور اودے بهان نے اپنی انگوٹھی رانی کیتکی کو پنہا دی اور رانی کیتکی نے انگهوٹهی کنور کی انگلی میں ڈال دی اور ایک دهیمی سی چٹکی بهی لے لی - اس میں مدن بان بول اوٹھی - جو سچ پونچھو تو اتلی بهی بهت بڑی اتنا بهڑ چلنا اچھا نهیں میرے سر چوٹ هے - اب اوٹھه چاو اور اُن کو سونے دو اور روئیں پڑے رونے دو - وه بات جب ٹهیک ٹهاک هوچکی تهی' پچھلی پهر سے رانی تو اپنی سهلیوں کو لیکے جدهر سے آئی تهی اُدهر چلی گئی اور کنور اودی بهان اپنے گهوڑے کی پیٹهه لگ کر لوگوں سے مل کر اپنے گهر پهونچے - کنور جی کا روپ کیا کهوں کچھه کهنے میں نهیں آتا - کهانا نه پینا نه لگ چلنا' کسی سے کچھه کهنا نه سننا - جس دهیان میں تهے اوسی میں گهوٹهے رهنا گهڑی گهڑی کچھه کچھه سوچ سوچ سر دهننا - هوتے هوتے اس بات کا لوگوں میں چرچا پهیل گیا - کسی کسی نے مها راج اور مها رانی سے کها' کچھه دال میں کالا هے - وه کنور اودی بهان جن سے تمهارے گهر کا اوجالا هے اِن دنوں کچھه اُس کے برے تیور اور بے ڈول آنکهیں دیکهائی دیتی هیں - گهر سے باهر تو پانو نهیں دهرتا - گهر والیاں جو کسی ڈول سے بهلاتی هیں تو اور کچھه نهیں کرتا ایک اونچی سانس لیتا هے اور بهت کسی نے چهیڑا تو چهپر کهٹ پر جاکے اپنا مونهه لپیٹ کے آٹهه آٹهه آنسو پڑا روتا هے - یه سنتے هی ماں باپ کنور کے پاس دوڑے آے - گلے لگایا

---

* منشا کے مطابق' حسب مراد + تحریر

مونهه چوما پانو پر بیٹهے کے گر پڑے هاتهه جوڑے اور کہا-جی کی بات هے سو کہتے کیوں نہیں؟ کیا دکهه پڑا جو پڑے پڑے کراهتے هو؟ راج پات جس کو چاهو دے ڈالو-کہو تم کیا چاهتے هو-تمہارا جی کیوں نہیں لگتا؟ بهلا، وہ هے کیا، جو هو نہیں سکتا، مونهه سے بولو جی کهولو جو کہنے میں کچهه سوچکتے* هو ابهی سانکهه بهیجیو-جو کچهه لکهو گے جوں کی توں وهیں کر تمهیں دیجاوئیں گے جو تم کہو کنویں میں گر پڑو تو هم دونو ابهی گر پڑتے هیں، جو کہو سر کاٹ ڈالو تو ابهی سر کاٹ ڈالتے هیں-کنور اودی بهان وہ جو بولتے هی نہ تهے اُنهوں نے لکهه بهیجنے کا آسرا پاکے اتنا بولے-"اچها آپ سدهارئے هاں میں لکهه بهیجتا هوں پر میرے اوس لکهه بهیجنے کو میرے مونهه پر کسی ڈهب سے نہ لانا، نہیں تو میں شرماؤں گا-اسی لئے مکهه† بات هوکے میں نے کچهه نہ کہا" اور یہ لکهه بهیجا- "اب جو میرا جی ناک میں آگیا اور کسی ڈهب نہ رها گیا اور آپ نے مجهے سو سو روپ سے کهولا اور بہت سا ٹٹولا، تب تو لاج چهوڑ کے هاتهه جوڑ کے مونهه کو پهوڑ کے گگیا کے یہ لکهتا هوں-جگ میں چاہ کے هاتهوں کسی کو سکهه نہیں هے-بهلا، وہ کون هے جس کو دکهه نہیں-وہ اُس دن جو میں هریالی دیکهنے کو گیا تها، وهاں جو میرے سامنے ایک هرنی کنوتیاں اوٹهاے هوے هولی تهی اُس کے پیچهے میں نے گهوڑا بگ چهٹ پهینکا جب تک اوجالا رها اُسی کے دهن میں پهینکا گیا- جب اندهیرا هوگیا اور سورج ڈوبا جی میرا بہت اُوداس هوا-امریاں تاک کے میں اون میں گیا-تو اون امریوں کا پتا پتا میرے جی کا گاهک هوا، وهاں کا یہ شغله‡ هے، کچهه رنڈیاں جهولا جهول رهیں تهیں-اون سب کی سر دهری کوئی رانی کیتکی مہا راج جگت پرکاس کی بیٹی هے اونهوں نے یہ انگوٹهی اپنی مجهے دي اور میری انگوٹهی اونهوں نے لی اور لکهاوٹ بهی لکهه دی-سو یہ انگوٹهی اون کی لکهاوٹ

---

* گهبرانا † زبانی ‡ کام کاج، دستور

سمیت میرے لکھے ہوے کے ساتھہ پہونچتی ہے-آپ دیکھہ لیجئے اور جس میں
بیٹے کا جی رہ جاے وہ کیجئے-مہا راج اور مہا رانی اوس بیٹے کی لکھی ہوے
آنی* سے یوں لکھتے ہیں-ہم دونوں نے اوس انگوٹھی اور لکھاوٹ کو اپنے آنکھوں سے
ملا-اب تم کچھہ کڑھو مت-رانی کیتکی کے ما باپ تمھاری بات مانتے ہیں تو
ہمارے سمدھی اور سمدھن ہیں دونو راج ایک جاگھہ ہو جائیں گے اور جو کچھہ
ناہ نوہ کو ٹھیرے گی تو جس ڈول سے بن آویگا ڈھال تلوار کے بل تمھاری دلہن
ہم تم سے ملا دیں گے آج سے اوداس مت رہا کرو کھیلو کودو بولو چالو آنندیں† کرو-
اچھی گھڑی سبھہ مہورت سوچ کے تمھارے سسرال میں کسی بامہن کو بھیجتے ہیں
جو بات چیت چاہے ٹھیک کرلاوے-بامہن جو سبھہ گھڑی دیکھہ کر ہڑ بڑائی سے گیا تھا
اوس پر بڑی کڑی پڑی-سنتے ہی رانی کیتکی کے باپ نےکہا اون کے ہمارے ناتا نہیں
ہونے کا ارن کے باپ دادے ہمارے باپ دادوں کے آگے سدا ہاتھہ جوڑ کے باتیں کرتے
تھے اور جو ٹک تیوری چڑھی دیکھتے تھے بہت ڈرتے تھے کیا ہوا جو اب وہ بڑہ گئے اور
اونچے پر چڑہ گئے-جس کے ماتھے ہم بائیں انگوٹھے سے ٹیکا لگاویں وہ مہاراجوں کا راجہ
ہو جاے کس کا منہ جو یہ بات ہمارے منہ پر لاے-بامہن نے جل بھن کے کہا اگلے بھی
اسی بچار میں تھے اور بھری سبھا میں یہی کہتے تھے-ہم میں اون میں کچھہ
کھونٹ کی میل تو نہیں ہے-پھر کنور کی ہٹ سے کچھہ ہماری نہیں چلتی،
نہیں تو ایسی اوچھی بات کب ہمارے منہ سے نکلتی؟ یہ سنتے ہی مہاراج نے
بامہن کے سر پر پھولوں کی چھڑی پھینک ماری اور کہا جو بامہن کے ہتیا کا
دھڑکا نہ ہوتا تو تجکو ابھی چکی میں دلوا ڈالتا-اس کو لے جاؤ اور ایک اندھیری
کوٹھری میں موند رکھو-جو اس بامہن پر بیتی سو سب کنور اودی بھان کے
ما باپ نے سنتے ہی لڑن کی ٹھان اپنے ٹھاٹھہ باند کر دل بادل جیسے گھر آتے ہیں
چڑہ آیا-جب دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہونے لگی رانی کیتکی ساون بھادوں

---

* حیا　　+ خوش رہو، مزے کرو

کے روپ سے رونے لگی اور دونوں کے جی پر یہ آگئی۔ یہ کیسی چاہت ہے جس میں لوہو برسنے لگا اور اچھی باتوں کو جی ترسنے لگا۔ کنور نے چپکے سے یہ لکھ بھیجا۔ " اب میرا کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے دونوں مہاراجوں کو آپس میں لڑنے دو۔ کسی ڈول سے جو ہوسکے تو تم مجھے اپنے پاس بلا لو، ہم تم دونوں مل کے کسی اور دیس کو نکل چلیں جو ہونی ہو سو ہو۔ " ایک مالن جس کو پھول کلی کر پکارتے تھے اوس نے اوس کنور کی چٹھی کسی پھول کی پنکھڑی میں لپیٹ سپیٹ کے رانی کیتکی تک پہونچا دی۔ رانی نے اُوس چٹھی سے آنکھیں اپنی ملیں اور مالن کو ایک تھال بھر کے موتی دئیے اور چٹھی کی پیٹھ پر اپنے منہ کی پیک سے یہ لکھا " اے میرے جی کے گاہک جو تو مجھے بوٹی بوٹی کر چیل کوے کو دے ڈالے تو بھی میری آنکھیں چین کلیجہ سکھ ہووے پر یہ بات بھاگ چلنے کی اچھی نہیں، ڈول سے بیٹا بیٹی کے باہر ہے۔ جی تجھے پیارا نہیں ایک تو کیا جو کروڑ جی جاتے رہیں پر بھاگنے کی کوئی بات ہمیں تو اچھی نہیں۔'' یہ چٹھی پیک بھری جو کنور تک جا پہنچتی ہے وہ کئی ایک سونے کے ہیرے موتی پکھراج کے کھچا کھچ بھرے ہوے تھال نچھاور کرکے لٹا دیتا ہے اور چٹھی سے اُس کی بیکلی چوگنی پچگنی ہوجاتی ہے۔ اوس چٹھی کو اپنے گورے ڈنڈ پر باندہ لیتا ہے—

آنا جوگی مہندر گر کا کیلاس پہاڑ سے اور ہرن ہرنی کر ڈالنا کنور اودی بھان اور اُس کی ما باپ کا

جگت پرکاس اپنے گرو کو جو کیلاس پہاڑ پر رہتا تھا، یوں لکھ بھیجتا ہے، کچھ ہماری سہائی * کیجئے مہا کٹھن ہم بپتا ماروں کو پڑی ہے راجہ سورج بھان کو اب یہاں تک باوبھک نے لیا ہے جو انہوں نے ہم سے مہا راجوں سے ناتے کا ڈول کیا ہے۔ کیلاس پہاڑ اڈال چاندی کا ہے۔ اوس پر راجہ جگت پرکاس کا گرو مہندر گر جس کو اندر لوگ سب کہتے تھے دھیان گیان میں کوئی نوے لاکھ

---

* مدد

اتیتون* کے ساتھ ٹھاکر کے بھجن میں دن رات رها کرتا - سونا روپا تانبے رانگے
کا بناتا اور گٹکا مونھہ میں لیکے اُڑتا - ورے رهے اس کی اور باتیں اِس ڈهب کی
دهیان میں تھیں جو کچھہ کہنے سننے سے باهر هیں - مینهہ سونے روپے کا برسا
دیتا اور جس روپ میں چاهتا هو جاتا سب کچھہ اس کے آگے ایک کھیل تھا اور
گانے میں اور بین بجانے میں مہادیو جی چھٹ سب اوس کے آگے کان پکڑتے تھے -
سرسی † جس کو پنڈو کہتے هیں اون نے بھی اِسی سے کچھہ کچھہ گنگنانا سیکھا تھا
اُس کے سامنے چھہ راگ چھتیس راگنیاں آٹھہ پہر روپ مدهوں ‡ کا سا دهرے هوے
اُس کی سیوا میں هاتھہ جوڑے کھڑے رهتے تھے وهاں اتیتوں کو یہ کہکر پکارتے
تھے بھیرونگر بھسبھاس گرهنڈولگر میکھہ ناتھہ کدار ناتھہ دیپک داس جوتی
سروپ داس سارنگ روپ اور اتیتیاں اس ڈهب سے کہلاتی تھیں گوجری رساوری
گوری مالسری بلاول، جب چاهتا تھا ادهر میں سنگاس پر بیٹھہ اُوڑائے پھرتا تھا اور
نوے لاکھہ اتیت گٹکے اپنے اپنے منہ لئے هوئے گیروے بسترے $ پہنے جٹا بکھیر اس کے
ساتھہ هوتے تھے - جس گھڑی راجہ جگت پرکاس کی چٹھی ایک بھگو ؟ لے پہنچتا هے
جوگی مہندر گر ایک چنگھاڑ مار کر دل بادلوں کو تھلکا دیتا هے - بگھنبر پرتھہ بھبوت
اپنے منہ کو مل کچھہ کچھہ پڑهنت کرتا هوا باو کے گھوڑے کی پیٹ پر لاگا اور سب
اتیت مرگ چھالوں پر بیٹھے هوے گٹکے منہ میں لئے هوئے بول اوٹھے گورکھہ جاگا -
ایک آنکھہ کی جھپک میں وهاں آن پہنچتا هے جہاں دونوں مہاراجوں میں لڑائی
هو رهی تھی - پہلے تو ایک کالی آندهی آئی پھر اولے برسے پھر اک آندهی آئی
کسی کو اپنی سدهہ نہ رهی هاتھی گھوڑے اور جتنے لوگ اور بھیڑ بھاڑ راجہ سورج

* فقیروں، درویشوں   † پنگل (عروض) میں ایک بحر کا نام هے -
میرے خیال میں کاتب نے غلطی سے سرسوتی کو سرسی لکھہ دیا هے - سرسوتی علم
اور موسیقی کی دیبی هے   ‡ متوالوں $ لباس
؟ بھاگا هوا - پناہ گزیں

بھان کی تھی کچھہ نہ سمجھا گیا کدھر گئے اونہیں کون اُتھا لیگیا اور راجہ جگت پرکاس کے لوگوں پر اور رانی کیتکی جی کے لوگوں پر کیوڑے کی بوندوں کی ننھی ننھی پھارسی پڑنے لگی - جب یہ سب کچھہ ہو چکا تو گرونے اپنے اتیتوں سے کہہ دیا اودی بھان' سورج بھان' لچھمی باس ان تینوں کو ہرن بنا کے کسی بن میں چھوڑ دو اور جو اُن کے ساتھی ہوں اُن سبھوں کو توڑ پھوڑ دو - جیسا کچھہ گروجی نے کہا جھت پت وہی کیا - بپت کا مارا کنور اودی بھان جی اور اُس کا باپ مہاراجہ سورج بھان جی اور اُس کی ما مہارانی لچھمی باس ہرن ہرنی بن بن کے ہری ہری گھاس کئی برس تک چکتے رہے اور اوس بھیڑ بھڑکے کا کچھہ تھل بیڑا نہ ملا ہو کدھر گئے اور کہاں - یہاں رہنے دو ---

پھر سب نے اب رانی کیتکی کے باپ اور مہاراجہ جگت پرکاس کی سہتی * اُن کے گھر کا گھر گرو جی کے پانو پر گرا اور سب نے سر جھکا کر کہا مہاراج یہ آپ نے بڑا کام کیا ہم سب کو رکھہ لیا جو آپ آج آ نہ پہنچتے تو کیا رہا تھا سب نے مر مٹنے کی تھان لی تھی ان پاپیوں سے کچھہ نہ چلیگی یہ جان لی تھی- راج پات سب ہمارا نچھاور کر کے جس کو چاہے دے ڈالئے ہم سب کو اتیت بنا کے اپنے ساتھہ لیجئے راج ہم سے نہیں تھمتا - سورج بھان کے ہاتھہ سے آپ نے بچایا اب کوئی اُن کا چچا چندر بھان چڑھ آویگا تو کیونکر بچنا ہوگا اتنی آپ میں تو سکت نہیں پھر ایسی راج کا پھٹے منہ' کہاں تک آپ کو ستایا کریں- یہ سن کے جوگی مہندرگر نے کہا تم سب ہمارے بیٹا بیٹی ہو اننداین کرو بناو سکھہ چین سے- ایسا وہ کون ہے جو تمہیں آنکھہ بھر اور ڈھب سے دیکھہ سکے - یہ بگھمبر† اور بھبوت ہم نے تمہیں دیا جو کچھہ ایسی گاڑ‡ پڑے تو اس بگھمبر میں سے ایک رونگٹا توڑ کر آگ پر دھر کے پھونک دیجو وہ رونگٹا پھونکنے نہ پاویگا جو ہم آن پہنچیں گے - رہا بھبوت سو اس لئے ہے جو کوئی چاہے اسے انجن کرے وہ سب

---

* سمہت   † شیر کی کھال   ‡ سختی' مشکل

کچھہ دیکھہ لے اور اُسے کوئی نہ دیکھے جو چاھے کرلے - گرو مہندرگر جن کے پانو پوجیئے اور دھن مہاراج کہئے اُن سے تو کچھہ چھپاو نہیں' مہاراجہ جگت پرکاس اُن کو مورچھل کرتے ھوے رانیوں کے پاس لے گئے - سونے روپے کے پھول گود بھر بھر سب نے نچھاور کئے اور ماتھے رگڑے - انھوں نے سب کی پیٹھیں تھونکیں - رانی کیتکی نے بھی ڈنڈوت کی اور جی ھی جی میں بہت سی گرو جی کو گالیاں دیں - گرو جی سات دن سات راتیں راجہ جگت پرکاس کو سنگاسن میں بٹھا کر اپنی اُس بگھمبر پر اُس ڈول سے کیلاس پہاڑ پر آ دھمکے - راجہ جگت پرکاس اپنے اگلے ڈھب سے راج کرنے لگے —

رانی کیتکی کا مدن بان کے آگے رونا پچھلی باتوں کا دھیان کر کے

ھاتھہ جی سے دھونا اپنی بولی کے دوھوں میں —

رانی کو بہت بے کلی تھی
کب سوجھتی وہ بری بھلی تھی
چپکے چپکے کراھتی تھی
جینا اپنا نہ چاھتی تھی
کہتی تھی کبھی اری مدن بان
ھے آٹھہ پہر مجھے وھی دھیان
یاں پیاس کسے بھلا کسے بھوکھہ
دیکھوں ھوں وھی ھرے ھرے روکھہ
ٹپکی* کا ڈر ھے اب یہ کبھی
چاھت کا گھر ھے اب یہ کبھی
امریوں میں اُن کا وہ اُترنا
اور رات کا سائیں سائیں کرنا

---

* یہ لفظ سمجھہ میں نہیں آیا کہ کیا ھے —

اور چپکے سے اُتھ کر میرا جانا
اور تیری وہ چاہ کا جتانا
اُن کی وہ اُتار انگوتھی لینی
اور اپنی انگوتھی اُن کو دینی
آنکھوں میں میری وہ پھر رھی ھے
جی کا جو روپ تھا وھی ھے
کیوں کر اُنھیں بھولوں کیا کروں میں
ماں باپ سے کب تلک تروں میں
اب میں نے سنا ھے اے مدن بان
بن بن کے هرن هوے اوده بهان
چرتے هوں گے هری هری دوب
کچھه تو بھی پسیج سوچ میں توب
میں اپنی ڈُٹی هوں چوکری بھول
مت مجھکو سونگھا یہ تھتھ ھے * پھول
پھولوں کو اُتھا کے یہاں سے لے جا
سو تکرے هوا میرا کلیجا
بکھرے جی کو نہ کر اکتّھا
ایک گھاس کا لا کے رکھه دے گتّھا
هریالی اُسی کی دیکھه لوں میں
کچھه اور تو تجھکو کیا کہوں میں
ان آنکھوں میں ھے بھرک هرن کی
پلکیں هوئی جیسی گھاس بن کی

---

* شوخ رنگ کے پھول

جب دیکھئے تھڈھا رہی ہیں

اوسیں آنسو کی چھا رہی ہیں

یہ بات جو جی میں گڑ گئی ہے

ایک اوس سی مجھہ پہ پڑگئی ہے

اسی ڈول سے جب اکیلی ہوتی تھی تب مدن بان کے ساتھہ ایسے موتی پروتی تھی —

بھبوت مانگنا رانی کیتکی کا اپنی ماں رانی کام لتا سے آنکھہ مچول کھیلنے کے لئے اور روتھہ رہنا اور راجہ جگت پرکاس کا بلانا اور پیار سے کچھہ کہنا اور وہ بھبوت دینا

ایک رات رانی کیتکی نے اپنی ماں کام لتا سے بھلاوے میں ڈال کے یہ پوچھا گرو جی گسائیں مہندر گر نے جو بھبوت باپ کو دیا تھا وہ کہاں رکھا ہوا ہے اور اس سے کیا ہوتا ہے - ان کی ماں نے کہا واری تو کیوں پوچھتی ہے - رانی کیتکی کہنے لگی آنکھہ مچول کھیلنے کے لئے چاہتی ہوں جب اپنی سہلیوں کے ساتھہ کھیلوں اور چور بنوں تو کوئی مجھکو پکڑ نہ سکے - رانی کام لتا نے کہا وہ کھیلنے کے لئے نہیں ہے ایسے لٹکے کسی برے دن کے سنبھال اپنے کو ڈال رکھتے ہیں - کیا جانے کوئی گھڑی کیسی ہے کیسی نہیں - رانی کیتکی اپنی ماں کی اس بات سے اپنا منہ تھتھا کے روٹھہ گئی اور دن بھر کھانا نہ کھایا - مہاراج نے جو بلایا تو کہا مجھے رچ * نہیں - تب رانی کام لتا بول اُٹھیں اجی کچھہ تم نے سنا بیٹی تمہاری آنکھہ مچول کھیلنے کے لئے وہ بھبوت گرو جی کا دیا ہوا مانگتی تھی میں نے نہ دیا اور کہا لڑکی یہ لڑکپن کی باتیں اچھی نہیں کسی برے دن کے لئے گرو جی دے گئے ہیں - اس پر مجھہ سے روٹھی تھی بہتیرا بہلاتی پھسلاتی ہوں مانتی نہیں -

---

* اشتھا

مہاراج نے تہہ بھبوت کیا سمجھہ سے اپنا جی بھی اس سے پیارا نہیں اس کی ایک ذرّی بھر کے بھول جانے پر ایک جی تو کیا جو لاکھہ جی ہوں تو دے ڈالئیے ' رانی کیتکی کو ڈبیا میں سے تھوڑا بھبوت دیا - کئی دن تلک آنکھہ مچول اپنے ماں باپ کے سامنے سہیلیوں کے ساتھہ کھیلتی سب کو ہنساتی رہتی جو سو سو تھال موتیوں کے نچھاور ہوا کئے - کیا کہوں ایک چہل تھی جو کہئے تو کروڑوں پوتھیوں میں جیوں کے تیوں نہ آ سکے —

رانی کیتکی کا چاہت سے بیکل ہوا پھرنا

اور مدن بان کا ساتھہ سے نہیں کرنا

ایک رات رانی کیتکی اُسی دھیان میں اپنی مدن بان سے کہہ اُٹھی میں نگوڑی لاج سے کٹ مرتی ہوں تو میرا ساتھہ دے - مدن بان نے کہا کیوں کر - رانی کیتکی نے وہ بھبوت کا لینا اُسے جتایا اور یہ سنایا سب یہ آنکھہ مچول اور چہلیں میں نے اس دن کے لئے کر رکھیں تھیں - مدن بان کہنے لگی میرا کلیجہ تھر تھرانے لگا اے بی ماں تم اپنی آنکھوں میں اس بھبوت کا انجن کر لو گی اور میرے بھی لگا دو گی تو ہمیں تمہیں کوئی نہ دیکھے گا اور ہم تم سب کو دیکھیں گے پر ایسے ہم کہاں سے جی چلے ہیں جوبن * لٹے جوبن پیرے بھٹکا کریں اور ہرنوں کے سینگوں میں دونوں ہاتھہ ڈال کے لٹکا کریں اور جس کے لئے یہ سب کچھہ ہے سو وہ کہاں اور ہوے تو کیا جانے جو یہ رانی کیتکی جی اور یہ مدن بان نگوڑی نوچی کھسوٹی اُن کی سہیلی - چولھے اور بھاڑ میں جاے یہ چاہت جس کے لئے ماں باپ راج پاٹ سکھہ نیند لاج کو چھوڑ کر ندی کے کچھاڑوں میں پھرنا پڑے سو بھی بے ڈول جو وہ اپنی روپ میں ہوتے تو بھلا تھوڑا بہت کچھہ آسرا تھا - نہ جی یہ ہم سے نہ ہو سکے گا ' مہاراج جگت پرکاس اور مہارانی کام لتا کا ہم جان بوجھہ کر گھر اُجاڑیں اور بھگا کے اُن کی بیٹی جو اکلوتی لاڈلی ہے اس کو لے جاویں اور جہاں تہاں اُسے

---

* یہاں بھی کاتب سے کچھہ غلطی ہوگئی ہے جو عبارت بے ربط ہے —

بھتکا بناس پتی کھلاویں اور اپنے چونتے کو ہلاویں - اے جی اُس دن تمھیں یہ بوجھہ نہ آئی تھی جب تمھارے اور اُس کے ماں باپ میں لڑائی ہو رہی تھی اُس نے اس مالن کے ہاتھہ تمھیں لکھہ بھیجا تھا بھاگ چلیں تب تو اپنی منہ کے پیک سے اُس کی چٹھی کی پیٹھہ پر جو لکھا تھا سو کیا بھول گیا - تب تو وہ تاؤ بھاؤ کھایا تھا اب جو وہ کنور اودی بھان اور اُن کے ما باپ جنے بن بن ہرن ہرنی ہوے کیا جانے کہ ہرنیوں کے اُن کی دھیان پراتی * کر بیٹھی جو کسی نے تمھارے گھرانے بھر میں نہیں کی - اُس بات پر ماٹی ڈال دو نہیں تو پچھتاؤ گی اور اپنا کیا پاؤ گی - مجھسے تو کچھہ نہ ہو سکے گا - تمھاری کچھہ اچھی بات ہوتی ہو تو جیتے جی میرے منہ سے نہ نکلتی پر یہ بات میرے پیٹ میں نہیں پچ سکتی - تم ابھی الھڑ ہو تم نے کچھہ دیکھا نہیں جو اسی بات پر تمھیں سچ مچ ڈھلتا دیکھوں گی تو تمھارے ماں باپ سے کہکر وہ بھبوت جو موا نگوڑا بھوت مچھندر کا پوت ابدھوت دیگیا ہے ہاتھہ مروڑ وا کے چھنوا لوں گی - رانی کیتکی نے یہ رکھائیاں مدن بان کی سنکر ٹال دیا اور کہا جس کا جی ہاتھہ میں نہو وہ ایسی ایسی لاکھوں سوچتی ہے پر مجھے آدر † کرنے سے بہت سا پھیر ہے، یہ بھلا کوئی اندھیر ہے، جو ماں باپ کو چھوڑ ہرنوں کے لئے پڑی دوڑتی پھروں - پر اری تو بڑی باولی چڑیا ہے جو تو یہ بات ٹھیک ٹھاک کر جان لی اور مجھہ سے لڑنے لگی —

رانی کیتکی کا بھبوت آنکھوں میں لگا کر گھر سے نکل جانا اور چھوٹے بڑوں کا تلملانا

دس پندرہ دن پیچھے ایک رات رانی کیتکی بن کہے مدن بان کے وہ بھبوت آنکھوں میں لگا کر گھر سے باہر نکل گئی - کچھہ کہنے میں نہیں آتا جو ماں باپ پر ہوئی - یہ بات ٹھہرائی گرو جی نے کچھہ سمجھہ کر رانی کیتکی کو اپنے پاس

* یہاں بھی عبارت بے ربط ہو گئی ہے   † ادب، عزت

جو تم پر هووے تو اُس کا ایک رونگٹا پھونک دیجو - تمهارے گھر کی یه گت هوگئی اب تک تم کیا کر رهے تھے اور کس نیندوں سو رهے تھے - پر تم کیا کرو وہ کھلاڑی جو روپ چاهے سو دیکھاوے جو جو ناچ چاهے سو نچاوے بھبوت لڑکی کو کیا دینا تھا - اودی بهان اور سورج بهان اُس کے باپ کو اور لچھمی باس کو میں نے کیا تھا میرے آگے اُن تینوں کو جیسے کا تیسا کرنا کچھه بڑی بات نه تھی - اچھا هوئی سو هوئی اب چلو اُٹھو اپنے راج پر براجو اور بیاہ کا ٹھاٹھه کرو اب تم اپنی بیٹی کو سمیٹو ' کنور اودی بهان کو میں نے اپنا بیٹا کیا اور اس کو لیکے میں بیاهنے چڑھوں گا - مهاراج یه سنتے هی اپنے راج کی گدی پر آ بیٹھے اور اس گھڑی کهدیا سارے چھتوں کو اور کوٹھوں کو گوٹے سے منڈھ لو اور سونے روپے کے روپہلے سنهرے سب جھاڑ اور پهاڑوں پر باندھ دو اور پیڑوں میں موتی کی لڑیاں گوندھو اور کهدو چالیس دن چالیس رات تک جس گھر ناچ آٹھه پهر نه رهے گا اُس گھر والے سے میں روٹھه رهوں گا اور جانوں گا یه میرے دُکھه سکھه کا ساتھی نهیں - چھه مهینے جد • کوئی چلنے والا کهیں نه ٹھهرے اور رات دن چلا جاے اُس هیر پھیر میں وہ راج سب کهیں تھا یهی تول هوگا —

جانا مهاراج اور مهارانی اور گسائیں مهندر گر کا
رانی کیتکی کے لینے کے لئے

پھر گرو جی اور مهاراج اور مهارانی مدن بان کے ساتھه وهاں آپهنچے جهاں رانی کیتکی چپ چاپ سو کھلچی بیٹھی تھی - گروجی نے رانی کیتکی کو اپنے گود میں لیکے کنور اودی بهان کا چڑھاوا چڑھا دیا اور کها تم اپنے ماں باپ کے ساتھه اپنے گھر سدھارو اب میں اپنے بیٹے کنور اودی بهان کو لئے هوے آتا هوں - گروجی گسائیں جن کو تندرت هے سو تو وں سدھارتے هیں آگے جو هوگی سو کهنے میں آوے گی ' یهاں کی یه دھوم دھام اور پھیلاوا دھیان کیجے - مهاراجه جگت پرکاس نے

• جب

اپنے سارے دیس میں کہا یہ پکار دیں جو یہ نہ کرے گا اُس کی بری گت ہوئی۔
گانو میں آمنے سامنے تر پولئے بنا بنا کے سوھے * کپڑے اُن پر لگا دو اور گوٹ دھنک
کی اور گوکھرو روپہلی سنہری اور کرنیں اور ڈانک ٹانک ٹانک رکھو اور جتنے بڑے
پیپل کے پرانے پرانے پیڑ جہاں جہاں ہوں اُن پر گو ٹوٹ کے پھولوں کی ستھری †
ہری بھری ایسی جس میں سر سے لگا جڑ تک اُن کی تھلک اور جھلک پہنچے باندھ
دو۔ جوتکہ پودوں لی ار لگان ‡ سوھے جوڑے پہنے ' سو پانوں میں ڈالیوں نے توڑے
پہنے ' بوٹی بوٹی نے پھول پھل کے گہنے جو بہت نہ تھے تو تھوڑے تھوڑے پہنے ' جتنی
ڈھڈھے اور ہریاول میں لہلہے پات تھی اپنے اپنے ہاتھہ میں چھچی مہندی کی رچاوٹ
سجاوٹ کے ساتھہ جتنی سماوٹ میں سما سکے کرلی اور جہاں تک نول § بیاھی
دلہنیں نہ تھیں پھلیوں کے اور سہاگنیں نئی نئی کلیوں کے جوڑے پنکھریوں کے
پہلے ہوئی تھیں سب نے اپنی اپنی گود سہاگ پتاڑ کے پھول اور پھلوں سے بھرلی
اور تین برس کا پیسا جو لوگ دیا کرتے تھے اُس راجہ کے راج بھر میں جس جس
ڈھب سے ہوا کھیتی باڑی کرکے ہل جوت کے اور کپڑا لتا بیچ کھوچ کے سو سب اُن
کو چھوڑ دیا ' اپنے گھروں میں بناؤ کے ٹھاٹھہ کریں اور جتنے راج بھر میں کوئیں
تھے کھنڈ سالوں کی کھنڈ سال لے جا اُن میں اونڈیلیں گئیں اور سارے بنوں میں
اور پہاڑ تلیوں میں لالٹینوں کے بہار جھم جھماھٹ راتوں کو دیکھائی دینے
لگے ' اور جتنی جھیلیں تھیں اُن سب میں کسم اور ٹیسو اور ھار سنگار تیر گیا
اور کیسری بھی تھوڑی تھوڑی گھولنے میں آگئی اور پننگ سے لگا جڑ تک جھاڑ
جھنکاڑوں میں پتے اور پتیوں کے بندھی چھتی تھی اور روپہلے سنہرے ڈانک
گوند لگا لگا کے چپکا دی اور کہہ دیا گیا جو سوھی پگڑی اور سوھی پاگی بن کوئی
کسی ڈول کسی روپ سے نہ پھرے چلے۔ اور جتنے گوئے نچوئے بھانڈ بھگیتی ڈھاڑی
اور سنگیت ناچتے ہوے ہو سب کو کہہ دیا جن جن گانوں میں جہاں جہاں ہوں اپنے اپنے

---

* لال † سہج ‡ یہ لفظ سمجھہ میں نہیں آیا لکھنے میں غلطی ہوگئی ہے § نئی

ٹھکانوں سے مل کر اچھے اچھے بچھونے بچھا کر گاتے گاتے دھومیں مچاتے ناچتے کودتے رہا کریں—

ڈھونڈھنا گوسائیں مہندر گر کا کنور اودے بھان اور اس کے ماں باپ کو اور نہ پانا اور بہت سا تلملانا راجہ اندر کا اُس کی چٹھی پڑھ کے

یہاں کی بات اور چہلیں جو کچھ ہیں سو یہیں رہنے دو اب آگے یہ سنو۔ جوگی مہندر گر اور اُس کے نوے لاکھ اتیتوں نے سارے بن کے بن چھان مارے کہیں کنور اودی بھان اور اُس کے ماں باپ کا ٹھکانا نہ لگا، تب اُن نے راجہ اندر کو چٹھی لکھہ بھیجی۔اُس چٹھی میں یہ لکھا ہوا تھا تینوں جنوں کو میں نے ہرن اور ہرنی کر ڈالا تھا اب اُن کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں کہیں نہیں ملتے اور میری جتنی سکت تھی اپنے سے کرچکا ہوں اور اب میرے منہ سے نکلا کنور اودی بھان میرا بیٹا اور میں اُس کا باپ سسرال میں سب بیاہ کے ٹھاٹھہ ہو رہے ہیں اب مجھہ پر نپٹ گاڑھ * ہے جو تم سے ہوسکے سو کرو۔راجہ اندر گرو مہندر گر کے دیکھنے کو سب اندراسن + سمیت آپ آن پہنچتا ہے اور کہتا ہے جیسا آپ کا بیٹا تیسا میرا بیٹا آپ کے ساتھہ میں سارے اندر لوک کو سمیت کے کنور اودی بھان کو بیاہنے چڑھوں گا۔گسائیں مہندر گر نے راجہ اندر سے کہا ہماری آپ کی ایک ہی بات ہے پر کچھہ ایسی سوجھائیے جس میں وہ اودی بھان ہاتھہ آویں یہاں جتنے گوئیے اور گاین ہیں ان سب کو ساتھہ لیکے ہم اور آپ سارے بنوں میں پھریں کہیں نہ کہیں ٹھکانا لگ جاے گا—

ہرن اور ہرنیوں کے کھیل کا بگڑنا اور نئے سر سے کنور اودی بھان کا روپ پکڑنا

ایک رات راجہ اندر اور گسائیں مہندرگر نکھری ہوئی چاندنی میں بیٹھے

* مشکل   + اندر کا تخت۔اندر کا اکھاڑا

راگ سن رہے تھے کروڑوں ہرن آس پاس اُن کے راگ کے دھیان میں چوکڑی بھول سر جھکائے کھڑے تھے اُس میں راجہ اندر نے کہا کہ وہاں سب ہرنوں پر پڑھکے میرے سگت گرو کے بھگت بھوری منتری ایسری باچا ایک ایک چھینٹا پانی کا دو۔ کیا جانے وہ پانی کیا تھا پانی کے چھینٹے کے ساتھ ہی کنور اودی بھان اور ان کے ماں باپ تینوں جنے ہرنوں کا روپ چھوڑ کر جیسے تھے ویسے ہو جاتے ہیں۔ مہندرگر اور راجہ اندر اِن تینوں کو گلے لگاتے ہیں اور پاس اپنے بڑی آؤ بھگت سے بٹھاتے ہیں اور وہی پانی کا گھڑا اپنے لوگوں کو دیکر وہاں پہنچوا دیتے ہیں جہاں سر منڈاتے ہی اولے پڑے تھے۔ راجہ اندر کے لوگ جو پانی کے چھینٹے وہی ایسری باچا پڑھکے دیتے ہیں جو جو مرمٹے تھے سب اُٹھہ کھڑے ہوتے ہیں اور جو جو ادھموے ہو کے بھاگ بچے تھے سب سمٹ آتے ہیں۔ راجہ اندر اور مہندرگر کنور اودی بھان اور راجہ سورج بھان اور رانی لچھمی باس کو لیکر ایک اُڑن کھٹولے پر بیٹھہ کر بڑی دھوم دھام سے ان کے اپنے راج پر بٹھا کر بیاہ کے ٹھاٹھہ کرتے ہیں، پنسیریوں ہیرے موتی ان سب پر نچھاور ہوتے ہیں۔ راجہ سورج بھان اور اودی بھان اور اُن کی ماں رانی لچھمی باس چت چاہے آس پر پھولوں اپنے آپ میں نہیں سماتے اور سارے اپنے راج کو یہی کہتے جاتے ہیں جونرے* بھونرے کے منہ کھول دو اور جس جس کو جو جو اوگھٹ† سوجھے بول دو۔ آج کے دن سے اور کون سا دن ہوگا ہماری آنکھوں کی پتلیوں کا جس سے چین ہے اُس لاڈلے اکلوتے کا بیاہ اور ہم تینوں کا ہرنوں کے روپ سے نکل کر پھر راج بیٹھنا۔ پہلے یہ چاہئے جن جن کی بیٹیاں بن بیاہیاں کنواریاں بالیاں ہوں اُن سب کو اتنا کردو جو اپنی جس جس چاؤ چوچ سے چاہیں اپنی اپنی گریاں سنوار کے اُٹھاویں اور جب تلک جیتی رہیں ہمارے یہاں سے کھایا پیا پکایا ریندھا کریں اور سب راج بھر کی بیٹیاں سدا سہاگنیں بنی رہیں اور سوہے راتے‡ چھٹ کبھی کوئی کچھہ

---

* کھتے ۔ تہ خانے † مشکل ‡ سرخ

نہ پہنا کریں اور سونے روپے کے کواڑ گنگا جملی سب گھروں میں لگ جائیں۔
سب کوٹھوں کے ماتھوں پر کیسر اور چندن کے ٹیکے لگے ہوں اور جتنے پہاڑ
ہمارے دیس میں ہوں اتنے اتنے ہی روپے سونے کے پہاڑ آمنے سامنے کھڑے ہوجائیں
اور سب ڈانگوں * کی چوٹیاں موتیوں کے مانگ سے بن مانگے بھر جائیں اور پھولوں
کے گہنے اور بند نواروں سے سب جھاڑ پہاڑ لدے پھندے رہیں اور اس راج سے لگا
اُس راج تک ادھر میں چھت سی باندہ دو جپا جپا کہیں نہ رہے جہاں بھیڑ بھڑکا
دھوم دھڑکا نہ ہو۔ چاہئے پھول اتنے بہت سارے کھنڈ جائیں جو ندیاں جیسی
سچ مچ پھول کی بہتیاں ہیں یہ سمجھا جاے اور یہ ڈول کر دو جدھر سے دولہا کو
بیاہنے چڑھیں سب لالڑی اور ہیرے اور پکھراج کی ادھر اُدھر کنول کی ٹٹیاں
بن جائیں اور کیاریاں سی ہو جائیں جن کے بیچوں بیچ سے ہو نکلیں اور کوئی
ڈانگ اور پہاڑ تلے کا اُتار چڑھاؤ ایسا دیکھائی نہ دے جس کی گرد پکھروٹوں اور
پھلوں سے بھری بھتولی نہ ہو —

راجہ اندر کا ٹھاٹھہ کرنا اودی بھان کے بیاہنے کے لئے

راجہ اندر نے کہدیا وہ رنڈیاں چلبلیاں جو اپنے مدہ میں اُڑ چلیاں ہیں ان
سے کہدو سولہ سنگار باں بال گج موتی پروو' اپنے اپنے اچرچ اور اچنبھے کے اُڑن
کھٹولوں کے اِس راج سے اُس راج تک ادھر میں چھت سی باندہ دو پر کچھہ ایسے
روپ سے اوڑ چلو جو اڑن کھٹولوں کی کیاریاں اور پھلواریاں سی سیکڑوں کوس
تک ہوجائیں اور اوپر ہی اوپر مردنگ' جلترنگ' ملہ چنگ' گھونگھرو' تبلے'
کت تال اور سیکڑوں اس ڈھب کے انوکھے باجے بجتے آئیں اور اُن کیاریوں کے بیچ
میں ہیرے پکھراج اُن بلدھے موتیوں کے جھاڑ اور لال ٹینوں کی بھیڑ بھاڑ کی
چھم چھماھٹ دیکھائی دے اور اُنھیں لال ٹینوں میں سے ہتپھول' پھلجھڑی' جاھی'
جوھیاں' کرم گیندا' چنبیلی اس ڈھب سے چھٹے کہ دیکھتوں کی چھاتیوں کے کواڑ

* پہاڑ کی چوٹی

کھل جائیں اور پتاخے جو اچھل چھل کے پھوٹیں اُن میں سے ھنستی سپاری اور بولتی پکھروتی ڈھل ڈھل پڑیں اور جب تم سب کو ھنسی آوے تو چاھے اس ھنسی کے ساتھہ موتی کی لڑیاں جھڑیں جو سب کے سب اُن کو چن چن کے رجکے راجی ھو جاویں۔ ڈومنیوں کے روپ میں سارنگیاں چھیڑ چھیڑ سوھیلے گاؤ' دونوں ھاتھہ ھلاؤ' انگلیاں نچاؤ' جو کسی نے نہ سنی ھو وہ تاؤ بھاؤ آؤ جاؤ راؤ چاؤ دکھاؤ۔ ٹھڈیاں کپکپاؤ اور ناک بھویں تان تان بھاؤ بتاؤ' کوئی پھوٹ کر رہ نہ جاؤ' ایسا جاؤ جو لاکھوں برس میں ھوتا ھے' جو جو راجہ اندر نے اپنے منہ سے نکالا تھا آنکھہ کے جھپک کے ساتھہ وھی ھونے لگا اور جو کچھہ اُن دونوں مہاراجوں نے ادھر اُدھر کہدیا تھا سب کچھہ اُسی روپ سے ٹھیک ٹھاک ھوگیا۔ جس بیاھنے کی یہ کچھہ پھیلاوٹ اور جماوٹ اور رچاوٹ اوپر تلے اس جمگھٹ ساتھہ ھو کہ اُس کا اور کچھہ پھیلاوا کیا کچھہ ھوگا یہ دھیان کرلو—

ٹھاٹھہ گسائیں مہندرگر کا

جب کنور اودی بھان اس روپ سے بیاھنے چڑھے اور وہ باھمن جو اندھیری کوٹھری میں موندا ھوا تھا اُس کو بھی ساتھہ لے لیا اور بہت سے ھاتھہ جوڑے اور کہا باھمن دیوتا ھمارے کہنے سننے پر نہ جاؤ تمھاری جو ریت ھوتی چلی آئی ھے بتاتے چلو۔ ایک اُڑن کھٹولے پر وہ بھی ریت بتانے کو ساتھہ ھوا۔ راجہ اندر اور گسائیں مہندرگر ایراپت* ھاتھی پر جھومتے جھامتے دیکھتے بھالتے سارا اکھاڑا لئے چلے جاتے تھے۔ راجہ سورج بھان دولہ کے گھوڑے کے ساتھہ مالا جپتا ھوا پیدل تھا۔ اتنے میں ایک سناٹا ھوا سب گھبرا گئے اُس سناٹے سے وہ جو جوگی کے نوے لاکھہ اتیت سب کے سب جوگی بنے ھوے موتیوں کے لڑیوں کی سیلی گلوں میں ڈالی کاتیاں اُسی ڈھب کی باندھے مرگ چھالوں اور بگھمبروں پر تھے انھوں کے جیوں میں جتنی امنگیں چھا رھی تھیں وہ چوگنی پچگنی ھوگئیں۔ سکھپال

* اندر کے ھاتھی کا نام

اور چنڈولوں پر اور رتھوں پر جتلی رانیاں مہارانی لچھمی باس کے پیچھے چلی آتی تھیں سب کو گدگدیاں سی ہونے لگیں اس میں کہیں بھرتری کا سانگ آیا ' کہیں جوگی جے پال اکھڑے ہوے ' کہیں مہادیو جی اور پاربتی جی دیکھائی پڑی ' گورکھ جاگے ' کہیں مچھندر ناتھ بھاگے کہیں مچھ کچھ بارا سنگھا ہوے ' کہیں پرسرام کہیں باون روپ کہیں ہرناکس اور نرسنگھ ' کہیں رام لچھمن سیتا سامنے آئے ' کہیں راون اور لنکا کا بکھیڑا سارے کا سارا دیکھائی دینے لگا ' کہیں کنھیا جی کا جنم اشٹمی ہونا اور باسدیو کا گوکل لئے جانا اور اُن کا اُس روپ سے بڑھ چلنا اور گائیں چرانی اور مورلی بجانی اور گوپیوں رانی سے دھومیں مچانی اور کبجا کا بس کر لینا اور وھی کریل * کی کھینچیں —

هنسی پت چیر گھاٹ

بلدرا بن سیوا کنج برسانے سیں رهنا اور اُس کنهیا سے جو جو کچھ ہوا تھا سب کا سب جیوں کا تیوں آنکھوں میں آنا اور جانا اور سولہ سو گوپیوں کا تلملانا سامنے آگیا۔اُن گوپیوں میں سے اودھو کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوپن کے اُس کہنے نے سب کو رولا دیا جو اس ڈھب سے بول کے روندھے ہوے جی کو کھولتی تھی —

کبت

جب جہاز کریل کے کنجن کان ہر دوار جیون ما جاو بسے
مگدھوت کے دھام بنائی کہنے مہراجن کے مہاراج بھئے
تبھ مور مکٹ اور کامریا کچھوا اور ھی ناتے جورے
دھرے روپ نئی اور گیاں چرائیو بھول گئے
اچھا بنا گھاتوں کا

جتلے گھاٹ دونوں راج کے ندیوں میں تھے پکے چاندی کے تھکے سے ہوکر لوگوں کو ہکا بکا کر رہے تھے نواڑے ' بھو لئے ' بجرے ' لچکے ' مور پنکھی ' سونا مکھی '

* یہاں بھی کاتب نے کچھ غلطی کی ہے —

سیام سندر، رام سندر، اور جتنی ڈھب کے ناویں تھیں سنہری روپ سے سجی سجائی کسی کسائی سو سو لچکیں کھاتیاں آتیاں جاتیاں لہراتیاں پڑی پھرتیاں تھیں۔ اُن سب پر یہی گوئے کنچنیاں، رام جنیاں، ڈومنیاں، کھچا کھچ بھری اپنے اپنے کرتب میں ناچتی، گاتی بجاتی، کودتی پھاندتی، دھومیں مچاتیاں، انگڑائیاں جمہائیاں، انگلیاں نچاتیاں اور ڈھلی پھرتیاں تھیں اور کوئی ناؤ ایسی نہ تھی جو سونے روپے کے پتروں سے منڈی ہوئی اور اساوری* سے ڈھکی ہوئی نہ ہو اور بہت سی ناؤں پر ہنڈولے بھی اُسی ڈھب سے، ان پر گائینیں بیٹھی جھولتی ہوئیں سوہیلی کدارا اور باگیسری کانٹھہ میں گا رہیں تھیں۔ دل بادل ایسے نواڑوں کے سب جھیلوں میں بھی چھا رہے تھے —

آ پہنچنا کنور اودی بھان کا بیاہ کے ٹھاٹھہ کے ساتھہ

دلہن کی ڈیوڑھی پر

اس دھوم دھام کے ساتھہ کنور اودی بھان سہرا باندھے جب دلہن کے گھر تلک آن پہنچا اور جو ریتیں اُن کے گھرانے میں ہوتی چلی آتیاں تھیں ہونے لگیاں، مدن بان رانی کیتکی سے ٹھٹھولی کرکے بولی اب سکھہ سمیٹے بھر بھر جھولی، سر نہو ڑائے کیا بیٹھی ہو، آؤ نہ ٹک ہم تم مل کے جھروکوں سے انہیں جھانکیں - رانی کیتکی نے کہا اری ایسی نلجی باتیں ہم سے نہ کر، ایسی ہمیں کیا پڑی جو اس گھڑی ایسی کڑی جھیل کر ریل پیل میں اٹھیں اور تیل پھلیل میں بھری ہوئی اُن کے جھانکنے کو جا کھڑی ہوں۔ مدن بان اِس رکھائی کو اُوڑن گھائی کے انٹیوں میں کر بولی —

---

* ریشمی کپڑا

دوھے اپنی بولی کے

دوھا

یوں تو دیکھو وا چھڑے جی وا چھڑے جی وا چھڑے
ہم سے اب آنے لگی ھیں آپ یوں مہرے کڑے
چھان مارے بن کے بن تھے آپ نے جن کے لئے
وہ ھرن جو بن کے مدہ میں ھیں بنے دولہ کھڑے
تم نہ جاو دیکھنے کو جو اُنہیں کچھہ بات ھے
جھانکتے اس دھیان میں ھیں اُن کو سب چھوٹے بڑے
ھے کہاوت جی کو بھاوے یوں ھی پر منڈیا ھلاے
لے چلیں گے آپ کو ھم ھی اسی دھن پر اڑے
سانس ٹھنڈی بھرکے رانی کیتکی بولی کہ سچ
سب تو اچھا کچھہ ھوا پر اب بکھیڑے میں پڑے

واری پھیری ھونا مدن بان کا رانی کیتکی پر اور اس کی باس کا سونگھنا اور آنندی پن سے

اُس گھڑی کچھہ مدن بان کو رانی کیتکی کے سانجے کا جوڑا اور بھویں اور انکھڑیوں کا لے جانا اور بکھرا بکھرا جانا بھلا لگ گیا تو رانی کیتکی باس سونگھنے لگی اور اپنی آنکھوں کو ایسا کرلیا جیسے کوئی کسی کو اُنگھنی لگتی ھے، سر سے لگا پائوں تک واری پھیری ھوکے تلوے سہلانے لگی-رانی کتکی جھٹ سے دھیمے سے ھنس کے لچکے کے ساتھہ سے اُٹھی-مدن بان بولی میرے ھاتھہ کے ٹھوکے سے وہ ھی پانو کا چھالا دکھہ گیا ھوگا جو ھرنوں کے ڈھونڈا ڈھونڈہ میں پڑگیا تھا ایسی دکھتی چٹکی کی چوٹ سے مسوس کر رانی کیتکی نے کہا کانٹا اڑا توڑا اور چھالا پڑا پر نگوڑی تو کیوں میرا پنچھالا ھوئی—

سراہنا رانی کیتکی کے جوبن کا

رانی کیتکی کا بھلا لگنا لکھنے پڑھنے سے باہر ہے وہ دونوں بھووں کی کھچاوٹ اور پتلیوں میں لاج کی سماوٹ اور نکیلی پلکوں کی رُوندا ہٹ اور ہنسی کی لگاوٹ، دنتڑیوں میں مسیوں کے اوداہٹ اور اتنی سی رکاوٹ سے ناک اور تیوری چڑھا لی اور سہلیوں کا گالیاں دینا اور چل نکلنا اور ہرنیوں کے روپ سے کرچھا ایں * مار پرے اوچھلنا کچھہ کہنے میں نہیں آتا —

سراہنا کنورجی کے جوبن کا

کنور اودی بھان کے اچھے پن میں کچھہ چل نکلنا کسی سے ہونسکے ہولی رہی۔ ان کی اوبھار کے دنوں کا سہانا پن اور چال ڈھال کا اچھن † پچھن، اُٹھتی ہوئی کونپل کی پھبن اور مکھڑے کا گدرایا ہوا جوبن جیسے بڑے تڑکے ہری بھری بھاروں کی گود سورج کی کرن نکل آتی ہے یہی روپ تھا ان کی بھیگتی مسوں سے رس کا ٹپکا پڑنا اور اپنی پرچھائیں دیکھہ کر اکڑنا، جہاں تہاں چھانھہ اُس کا ڈول ٹھک ٹھاک اُن کے پانوں تلے جیسے دھوپ تھا —

دولہا اودی بھان کا سنگاسن پر بیٹھنا

دولہا اودی بھان سنگاسن پر بیٹھا ادھر ادھر راجہ اندر اور جوگی مہندر گر جم گئے۔ دولہ کا باپ اپنی بیٹے کے پیچھے مالا لئے کچھہ کچھہ گنگنانے لگا اور ناچ لگا ہونے اور ادھر میں جو اوڑن کھٹولے اندر کے اکھاڑے کے تھے سب کے سب اُس روپ سے چھت باندھے شہر کا، کئی مہارانیاں دونوں سمدھنیں آپس میں ملیاں جلیاں اور دیکھنے دا کھنے کو کوٹھوں پر چندن کے کواڑوں کے اڑتلوں میں آبیٹھیان سانگ سنگیت بھنڈ تال ہس ‡ ہونے لگا جتنے راگ اور راگنیاں تھیں یمن کلیاں، جھنجھوٹی، کانڑا کھماچ، سوھنی، برج بھاگ، سوھرت، کانگڑا بھیرویں، کھٹ لات

● کودنا اچھلنا　† حسن　‡ ہنسی دل لگی

بھیروں روپ مکری ہوئی سچ مچ کے جیسے گانے والے ہوتے ہیں اپنے اپنے سب میں گانے لگے اور گانے لگیاں، اس ناچ کا جو بھاؤ تاؤ رچاوٹ کے ساتھہ ہوا کس کا منہ جو کہہ سکے جتنے کہ سکھہ چین گھر تھے مادھو بلاس، رس دھام، کش نواس، مچھی بھون، چندر بھون سب کے سب لپی * سے لپتی اور سچے موتیوں کے جھالروں اپنی اپنی گانٹھہ سمیٹتے ہوئے ایک پھبن کے ساتھہ متوالوں کے روپ سے جھوم جھوم بیٹھنے والوں کے منہ چوم رہے تھے - بیچوں بیچ ان سب گھروں کے ایک آرسی + دھام بنایا تھا جس کی چھت اور کواڑ اور آنگن میں آرسی چھت کہیں لکڑی اینٹ (؟) پھر کے پت ایک انگلی کے پورے بھر نہ تھی - جالی کا جوڑا پہنے ہوئے چودھویں رات جب گھڑی چھہ ایک رہ گئی، تب رانی کیتکی نے دلہن کو اس آرسی بھون میں بیٹھا کر دولہہ کو بلا بھیجا - کنور اودے بہان کنھیا بنا ہوا سر پر مکت دھرے سہرا باندھے اسی تڑاوے ‡ اور جمگھٹ کے ساتھہ چاند سا مکھڑا لئے جا پہنچا - جس جس ڈھب سے باہمن اور پنڈت کہتے گئے اور جو مہاراجوں میں ریتیں چلی آتیاں تھیں اُسی ڈول سے اُسی روپ سے بھونری گٹھہ جوڑا سب کچھہ ہو لیا —

دوھے اپنی بولی کے

اب اودی بہان اور رانی کیتکی دونوں ملے
آس کے جو پھول کملائے ہوئے تھے پھر کھلے
چین ہوتا ہی نہ تھا جس ایک کو اس ایک بن
رہنے سہنے سو لگے آپس میں اپنے رات دن
ای کھلاڑی یہ بہت تھا کچھہ نہیں تھوڑا ہوا
آن کر آپس میں جو دونوں کا گٹھہ جوڑا ہوا

* اس میں بھی کچھہ غلطی ہوگئی ہے   + آئنہ خانہ   ‡ نمود و نمائش

چاہ کے ڈوبے ہوے اے میرے داتا سب تریں

دن پھرے جیسے انہوں کے ایسے اپنے دن پھریں

وہ اڑن کھٹولے والیاں جو ادھر میں چھت باندھے ہوے تھرک رہی تھیں بھر بھر جھولیاں اور مٹھیاں ہیرے اور موتیوں سے نچھاور کرنے کے لئے اوتر آئیاں، اڑن کھٹولے جوں کے توں ادھر میں چھت باندھے ہوئے کھڑے رہے۔ دولہ دولہن پر سے ساتھ ساتھ ہیرے واری پھیرے ہوتے ہیں بس پس گیاں اور ان سبھوں کو جن کی سے لگ گئی راجہ اندر نے دلہن کے منہ دیکھائی میں ایک ہیرے کا اکہال چھپرکھٹ اور ایک پیڑھی پکھراج کی دي اور ایک پا اجاتکا (؟) پرانا جس سے جو مانگے سو ھی ملے دلہن کے سامھنے لگا دیا اور ایک کام دھین گائے کی پٹھیا بھی اُس کے نیچے باندھ دی اور اکیس لونڈیاں اُنہیں اڑن کھٹولے والیوں سے چن کے اچھی سے اچھی ستھری گانی بجاتیاں ستی پروتیاں سگھڑ سے سگھڑ سونپیں اور اُنہیں کہدیا رانی کیتکی چھٹ اُن کے دولہا سے کچھ بات چیت نہ رکھیو، تمھارے کان پہلے سے مروڑے دیتا ہوں نہیں تو سب کے سب پتھر کی مورتیں بن جاؤگی اور اپنا کیا پاؤگی - اور گسائیں مہندر گرجی نے باون تولے پاو رتی جو ستی ہیں اُس کے اکیس مٹکی آگے رکھہ کے کہا یہ بھی ایک کھیل ہے جب چاہیے تو بہت سا تانبا گلا کے ایک اتنی سی اُس کی چھوڑ دیجئے گا کنچن ہو جاے گا - اور جوگی نے یہ سبھوں سے کہدیا جو لوگ اُن کے بیاہ میں جاگے ہیں ان کے گھروں میں چالیس دن رات سونے کی (؟) تتلیوں کے روپ میں برسیں اور جب تک جئیں کسی بات کو پھر نہ ترسیں نو لاکھہ ننانوے گائیں سونے روپے کی سنگھوٹیوں کی، جڑاؤ گہنا پہنے ہوئے، گھنگرو، جھنجھاتیاں، بامھنوں کے دان ہوئیں اور سات برس کا پیسا سارے راج کو چھوڑ دیا۔ بائیس سے ہاتھی

---

* سونا

اور چھتیس سے اوپر لدے ہوئے روپوں کے لٹادئیے-کوئی اُس بھیڑ بھاڑ میں دونوں راج کا رہنے والا ایسا نہ رہا جس کو گھوڑا جوڑا روپوں کا توڑا سونے کی جڑاو کڑوں کی جوڑی نہ ملی اور مدنبان چھت دولہ دلہن پاس کسی کا ہواؤ* نہ تھا جوبن بلائے چلی جائے، بن بلائے دوڑی آئے تو وہی آئے ہنسائے-رانی کیتکی کے چھیڑنے کو اُن کے کنور اودی بھان کو کنور کنور اجی کہہ کے پکارتی تھی اور اُسی بات کو سو سو روپ سے سنوارتی تھی—

دوھے اپنی بولی کے

گھر بسا جس رات اُنھوں کا تب مدن بان اُس گھڑی
کہہ گئی دولہ دلہن کو ایسی سو باتیں کڑی
باس پاکر کیوڑے کی کیتکی کا جی کھلا
سچ ہے ان دونوں جنوں کو اب کسی کی کیا پڑی

(دلہن نے اپنے گھونگٹ سے کہا)

جی میں آتا ہے تیرے ہونٹوں کو مل ڈالوں ابھی
بل بے اے رنڈی ترے دانتوں کی مسی کی دھڑی

* ہمت

مرزا جی کا حقہ- ایک گیت

از

(جناب محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی - اے)

(۱)

بھلا حقہ کے کیا کہنے ہیں حقہ کا ہاں پوچھنا کیا ہے -

کہنے کو بے جان ہے حقہ -

اس رمز کو وہ ہی جانے ہے جان جو اس پر دیتا ہے -

زندہ دل انسان ہے حقہ -

وقت سی شے کو بہلاتا ہے -

گُڑ گڑ گڑ گیت یہ گاتا ہے -

" آرام کا دن کو سہارا ہوں

راتوں کو چین کا تارا ہوں

دکھ سکھ میں دوست تمہارا ہوں

سب کے من کا میں پیارا ہوں

دم سے میرے دم آتا ہے -

شانتی آتی غم جاتا ہے "

(۲)

محنت خدمت خود کرتا ہوں آپ ہی تازہ کرتا ہوں
راحت کا سامان ہے حقہ
تمباکو خانہ ساز مرا آپ چلم بھی بھرتا ہوں
عاشق ہوں اور جان ہے حقہ
ہاتھ میں جب یوں دل آتا ہے
گُڑ گڑ گڑ گیت یہ گاتا ہے
"آرام . . . . "

(۳)

برسات میں ساون کی جھڑی ہو گھر میں چڑھی ہو اپنے کڑھائی
سوندھا سوندھا مزیدار ہو حقہ
سوکھی ستھری ایک جگہ ہو اور پلنگڑی کھنچی کھنچائی -
بدلی سا دھواندھار ہو حقہ
دھواں ہوا میں لہراتا ہے -
گُڑ گڑ گڑ گیت یہ گاتا ہے -
"آرام . . . . "

(۴)

چلے کا کڑ کڑاتا جاڑا بڑی بڑی سی بہار راتیں -
گرمی صحبت یار ہے حقہ
نیچے گبھا سر پر کنتوپ اوڑھے رزائی سونچ کی باتیں
اک مونس افکار ہے حقہ
ایک نشہ سا چھا جاتا ہے

گُڑ گڑ گڑ گیت یہ گاتا ہے

" آرام . . . . "

(۵)

گرمی میں جب لو چلتی ہے ہر چیز کا وہ تپنا جلنا

دل سوز یاران ہے حقہ

جسم پہ تہ بند وسمہ کر کے باندھ کے تھا تا پنکھا جھلنا

اک آرام جان ہے حقہ -

ہمدردی میں گرما تا ہے

گُڑ گڑ گڑ گیت گاتا ہے

" آرام . . . . "

(۶)

روشن دل کی طرح فکر سخن میں یہ مضمون سمجھاتا ہے

بے مثل یہ استاد ہے حقہ

بادل کی طرح کڑک کڑک کر لفظوں کا منہ برساتا ہے

خود ہی دیتا داد ہے حقہ

خود ہی شعر کہلواتا ہے -

گُڑ گڑ گڑ گیت یہ گاتا ہے

" آرام . . . . "

(۷)

اِک اور چلم میں بھرتا ہوں جس دم گھر سارا سوتا ہے

دمساز مصاحبان ہے حقہ -

منہ میں نے ' کچھہ بیداری سی کچھہ نیند کا عالم ہوتا ہے

تنہائی کی جان ہے حقہ
ایسے سہے پھر یہ گھل جاتا ہے
گڑ گڑ گیت یہ گاتا ہے''
"آرام . . . . "

(۸)

نیلا امبر، بکھرے تارے، حسن فطرت موجیں مارے
اک دیدۂ حیران ہے حقہ
سنسان سماں بھید کے سارے جھلمل جھلمل کر کے اشارے
گویا صاحب عرفان ہے حقہ
ہاں کچھ کھویا سا جاتا ہے
گڑ گڑ گڑ گیت یہ گاتا ہے
"آرام کا دن کو سہارا ہوں
راتوں کو چین کا تارا ہوں
دکھ سکھ میں دوست تمہارا ہوں
سب کے من کا میں پیارا ہوں
دم سے میرے دم آتا ہے
شانتی آتی غم جاتا ہے''

ادبی بات چیت*

۲ — روس

از
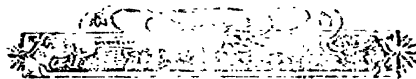
(جناب شاہد سہروردی صاحب)

آج کل یورپ کے رسالوں میں جدید روسی ادبیات کے کار ناموں کے تذکرے آئے دن ہوا کرتے ہیں۔ ابھی کچھہ دن ادھر مجھے ایک ہندوستانی رسالے کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ رسالہ علوم و فنون میں دلچسپی لیتا ہے لیکن بے احتیاطی کے ساتھہ، چنانچہ اس میں میں نے زمانۂ حال کی روسی زندگی اور اس ملک کے نئے ادبی مظاہرات کے متعلق جو بیانات پڑھے وہ بہت کچھہ گنجلک اور مبہم تھے۔ سوء اتفاق سے روس کی جدید ادبیات (جسے بنظر سہولت میں سوویٹ ادبیات کے نام سے یاد کروں گا) تمام تر روسی زبان میں ہے، خود یورپی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے بمشکل نظر آتے ہیں، لہذا اس کے متعلق کسی رائے کا اظہار کرنا صرف اس مختصر حلقہ تک محدود ہے جو روسی زبان سے آشنا ہے، اور محض فرسودہ سیاسی مسائل کے خلاصے ہی سمجھنا نہیں جانتا، بلکہ روسی زبان کی پیچیدگیوں، اور نزاکتوں سے واقف ہے اور اس کے فسانی اور لسانی سرمایہ پر بھی نظر رکھتا ہے۔ یورپ میں ان سب باتوں کے جاننے والے بہت کم تعداد میں ہیں، اور ہندوستان میں تو اس سے بھی کم ہونگے۔ پس جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہندوستانی

---

* اصل مضمون انگریزی میں تھا۔ اردو ترجمہ جناب سید وہاج الدین صاحب لکچرار عثمانیہ کالج اورنگ آباد نے کیا ہے —

پریس میں اس قسم کے بیانات کے شایع ہونے کا سبب "تہذیب عمومی" (Proletarian Culture) کا پرو پیگنڈا ہے' یہ پرو پیگنڈا اب سے آٹھ برس پہلے سے (یعنے جس وقت سے کہ روس میں اس نئے دور حکومت کا آغاز ہوا) پھل پھول رہا ہے - اب اتنی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آٹھ سال کی مدت کسی فن یا علم کے رنگ اور طرز میں تغیر پیدا کرنے کے لئے بہ مشکل کافی ہو سکتی ہے' اور پھر یہ پچھلے آٹھ سال! جن میں زیادہ تر خانہ جنگی' وسائل نقل و حمل' صنعت اور تعلیم کی بد نظمی' تباہ کن قحط' قتل و غارت' اور شدید ملکی اور خارجی پروپیگنڈا کا زور شور رہا ہے!! انقلاب کے زمانے میں تو فن کی نئی اشکال کا تجویز کرنا بھی دشوار ہوتا ہے' چہ جاے کہ انہیں پیدا کرنا - پس یہ کہنا کہ سوویٹ ادبیات سے فن میں کوئی جدید اہم اضافہ ہوا ہے سہل ہے- سردست ہم انقلاب سے پہلے کی روسی ادبیات پر ایک سرسری نظر ڈالیں گے' آگے چلکر سوویٹ ادبیات کی خصوصیات پر مفصل بحث کی جائیگی —

غالباً میرا یہ خیال غلط نہیں ہے کہ ہندوستان کے لوگ یورپ کے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں روس سے نسبتاً کم واقف ہیں - اس میں شک نہیں کہ وہاں اشتراکی پرو پیگنڈا کرنے والے موجود ہیں جنہیں دوسروں کے پڑھائے ہوے سبق زبانی یاد ہیں' لیکن جب خود یہ لوگ روس کو نہیں جانتے تو وہاں کے حالات دوسروں کو کیونکر سمجھا سکتے ہیں ؟ ہماری اس ناواقفیت کے کئی سبب ہیں - پہلی بات تو یہ ہے کہ روس ہمیشہ سے ہندوستان کے پڑوس پر چھایا ہوا ہے' اور ہمارا اس ملک سے واقف ہونا سیاسی نقطہ نگاہ سے ہمیشہ بعید از مصلحت خیال کیا گیا ہے- ہماری نظروں کے سامنے' اس ملک کی تصویریں ہمیشہ داستانوں اور کہانیوں کی طرح پیش کی گئیں' کبھی ایسے کا سک دکھاے گئے جو دانتوں

سے چھرے پکڑے رهتے هیں ' کبھی ایسے مظالم کی داستان سنائی گئی جو پہلے کبھی سننے میں نہ آے تھے ' کبھی ایسے برفستانوں کا ذکر کیا گیا جن پر کسی کو یقیں نہ آئے ' اور کبھی جبر و تشدد کی روئداد یا بڑے بڑے عہدہ داروں پر بمب پھینکنے کے واقعات بتلائے گئے - انگلستان میں بھی روس کے متعلق لوگوں کی معلومات بہت نا کافی ہے - یہ ضرور ھے کہ ماھرین سیاسیات ' اخباروں کے نامہ نگار ' پروفیسر اور دوسرے حضرات اس ملک کے متعلق بہت کچھہ جانتے ھیں - لیکن عوام‌الناس یہ بالکل نہیں جانتے کہ دنیا کی تہذیب وشائستگی میں روس کا حصہ کیا ھے - جنگ سے کچھہ پہلے وھاں کے اهل علم افراد روس کے معاملات میں دلچسپی ظاهر کرنے لگے ' لیکن اصلی دلچسپی دوران جنگ میں اس وقت ھوئی جب " مسکووی (Muscovy) کا آبائی دشمن " (انگلستان = مترجم) حلیف ہو گیا - اس زمانے میں تو روس کے چرچے اتنے زیادہ هو گئے تھے کہ انگلستان میں سب سے پہلی مرتبہ روسی تصنیفوں کے ترجمے اور ان کی اشاعت اسی زمانے میں شروع هوئی ! اخباروں میں روسی مصنفوں کے جا و بے جا حوالے دئے جانے لگے اور لندن کے نوجوان آمنی بسوں میں مشکل روسی ناول یاد کرتے نظر آتے تھے - لیکن اس زمانے میں بھی ناخواندہ اور غیر متعلق افراد کی واقفیت کا یہ عالم تھا کہ جب میں نے سنہ۱۹۱۶ع میں لندن کے ایک اعلی عہدہ‌دار سے ' جامعہ ماسکو میں روسی ادبیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پروانہ راهداری طلب کیا تو ان صاحب نے کمال متانت کے ساتھہ اپنی ایک تالی عینک (Monocle) آنکھہ پر لگائی اور مجھے شبہ کی نظروں سے گھور کر سوال کیا " کیا در اصل روسیوں کا بھی کوئی ادب ھے " !!

براعظم یورپ کے دوسرے ممالک روس کو انگلستان سے زیادہ جانتے تھے ' لیکن یہ بھی بہت زیادہ واقف نہ تھے - اطالیہ تو ابھی چند برس

پہلے تک اس ملک کی طرف سے غفلت برتتا رہا ' بعد کو جب وہاں مشرقی یورپ کی تحقیق کے لئے ایک ادارہ قائم ہوا تو روسی زبان کے پڑھنے کا شوق ہوا - البتہ فرانس میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد پہلے بھی موجود تھی جو یہ جانتے تھے کہ روسی زبان میں اعلیٰ درجہ کا ادب موجود ہے لیکن یہ لوگ خصوصیت کے ساتھہ صرف وہاں کے ایک نامور مصنف ترجی نیف (Turguenell) ہی کو جانتے تھے ' اس مصنف کی عمر کا بڑا حصہ براعظم یورپ اور خاص کر فرانس میں بسر ہوا ' اپنے ہم عصر فرانسیسی ادیبوں اور اصحاب فن میں سے یہ اکثر کا دوست بھی تھا ' اس کے زمانے سے لیکر آج تک جتنے فرانسیسی افسانہ نویس گزرے ہیں' ان سب پر روسی مصنف کے مختصر افسانوں کا بہت بڑا اثر پڑا ہے - جرمنی (جس کے پاس ترجمہ شدہ ادب کا ذخیرہ روس سے دوسرے نمبر پر ہے) اکثر مشہور روسی ادیبوں سے واقف تھا - اس ملک کو داس تو ئیس کی (Dostoievsky) کے ساتھہ جو روسی زبان کا سب سے زیادہ دقیق اور نازک خیال مصنف ہے ' اتنا شغف تھا کہ وہاں والے اسے Unser Dostoievsky (ہمارداس توئسکی) کہتے تھے ' جس طرح پہلے یہ لوگ شیکسپیر کو " ہمارا شیکسپیر " کہا کرتے تھے' اس میں پہلو یہ رکھا گیا تھا کہ انگریزی یا کسی دوسری قوم کے مقابلہ میں وہ شکسپیر کے مطالب کو زیادہ سمجھتے ہیں —

روسی ادبیات اور افکار کی طرف سے نا واقفیت کی کئی وجوہات تھیں - اہم ترین وجوہ تو خود روسی زبان کی دقت تھی ' پہلی بات تو یہ ہے کہ روسی زبان کے حروف تہجی دوسری یورپی زبانوں سے بالکل مختلف طور پر لکھے جاتے ہیں - یورپ کی اکثر و بیشتر زبانیں لاطینی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں ' مثلاً انگریزی' فرانسیسی' اطالوی ' هسپانوی ' اسکینڈنی نیوی چیک (Czek) وغیرہ ان سب زبانوں میں حروف کی تعداد برابر نہیں ہے'

کسی میں کم ہے کسی میں زیادہ ' مثلاً انگریزی زبان کا K فرانسیسی میں کوئی وجود نہیں رکھتا یا فرانسیسی زبان کا Cs (جسے Cedilla کہتے ہیں اور جس کی آواز عربی ث کی طرح ہوتی ہے) یا مثلاً ہسپانوی زبان کا ll جس کی آواز ذرا لمبی اور ملائم ہوتی ہے ' وعلی ہذا- اسی طرح سے ان سب زبانوں میں سب حروف کی آوازیں بھی یکساں نہیں ہیں- مثلاً انگریزی میں J کی ج کی آواز ہوتی ہے ' فرانسیسی میں ژ کی ہسپانوی میں ح کی (جسے عربی کی طرح حلق سے نکالتے ہیں) اور چیک (Czck) زبا ن میں اس کا تلفظ ی کی طرح کرتے ہیں- پولنڈی اور چیکی زبانیں عارضی طور پر لاطینی رسم‌الخط میں لکھی جاتی ہیں'لیکن حقیقت میں یہ روسی زبان کی طرح سلافی (Slavonic) اصل رکھتی ہیں ' اور چونکہ پوری سلافی زبان کو لاطینی رسم‌الخط میں ظاہر کیا گیا ہے ' اس لئے ان زبانوں میں اکثر حروف ایسے آجاتے ہیں جو خالص لاطینی اصل کی زبانوں میں نہیں پائے جاتے - حروف کا ایک اور مجموعہ بھی ہے- اس کو تیوتنی (Teutonic) کہتے ہیں - پرانی انگریزی سیکسنی زبان انہی حروف میں لکھی جاتی تھی اور جدید المانی کی اکثر کتابیں بھی اسی رسم‌الخط میں ہیں ' یہ حروف لاطینی حروف سے بہت مشا بہ ہیں' لیکن ان سے زیادہ جلی اور منقش ہوتے ہیں - یہی وجہہ ہے کہ جو ہندوستانی المانی زبان پڑھتے ہیں ان کے لئے شروع میں اس زبان کو روانی کے ساتھہ پڑھنا دشوار ہوتا ہے حروف کا تیسرا مجموعہ یونانی سلافی ہے - یہ سب قدیم یونانی کی طرح ہوتے ہیں ' لیکن چونکہ سلافی زبانوں میں اصوات کا زیادہ ذخیرہ ہے - اس لئے ان میں بھی کسی قدر ترمیم ہو گئی ہے - روسی ' بلغاری' سربی (جو لاطینی سلافی رسم‌الخط میں لکھی جاتی ہیں) اور پولینڈی ' چیک ' کروشی ' سلافی (جو لاطینی رسم‌الخط میں لکھی جاتی ہیں) سب کی سب

اسی، آخرالذکر گروہ سے تعلق رکھتی ہیں - زبانوں کا یہ مجموعہ ' نیز ھسپانوی زبان ' اور اس سے کسی قدر کم درجہ پر اطالوی زبان ' یہ سب کی سب اسلامی زبانوں یا مسلمانوں کی زبانوں سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔ مثلاً بلغاری اور سربی زبانوں پر ترکی کا' اور روسی اور پو لینڈی زبانوں پر تاتاری کا' بہت بڑا اثر پڑا ہے - چیک قوم چونکہ شمال میں آباد ہے اور تین صدیوں سے آسٹریا ھنگری کی سلطنت میں ضم ہے' اس لئے اس کی زبان المانی زبان سے بہت متاثر ہوئی ہے۔ سلافی زبانوں میں اگر دیکھا جائے تو سب سے زیادہ ادب روسی اور پولینڈی زبانوں میں موجود ہے۔ اور ان دونوں میں روسی زبان ذخیرے' جدت اور تنوع کی حیثیت سے بڑھی ہوئی ہے۔ چونکہ مذھباً پولینڈ کے باشندے ھمیشہ پرجوش رومن کیتھولک رہے ہیں' اس لئے ان کی زبان پر لاطینی تہذیب کا نقش زیادہ گہرا بیٹھتا ہے۔ اس کے برخلاف چونکہ روسیوں کا تعلق قدیم کلیسا سے رہا ہے۔ اس وجہ سے نیز اپنے تاریخی اور جغرافی حالات کی وجہ سے یہ لوگ اپنی جدت' زور اور وسیع النظری کے اعتبار سے تمام اقوام یورپ میں ایک نمایاں درجہ رکھتے ہیں۔

اس موقع پر میں قصداً اصلی موضوع بحث سے گریز کر کے' روسی قوم کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں' اس لئے کہ ان کی تہذیب کو سمجھنے کے لئے ان کی قومی خصائص سے واقف ہونا ضروری ہے۔ روسی قوم ایک مخلوط النسل قوم ہے' اور اس کی ابتدا کے متعلق بہت سے نظریئے ہیں - اتنا ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قوم شروع شروع میں شمالی یورپ کے کسی حصہ سے غالباً سویڈن سے اس ملک میں آئی' اسی طرح شاہزادہ رورک Rurick کے نام سے بھی ہم گوش آشنا ہیں جو جنوب کی طرف آیا' اور جس نے اپنے بیٹوں کی مدد سے روسی سلطنت کی بنا ڈالی اور اپنا دارالخلافہ خیوہ کو قرار دیا - اس حصۂ روس کو آج روس کوچک کہتے ہیں' اس کے مقابلہ میں روس کلاں ہے یعنی وہ حصہ جہاں خیوہ کے بعد سلطنت قائم ہوئی ' اور جس نے اپنا دارالخلافہ ماسکو قرار دیا تھا۔ ازمنۂ وسطیٰ میں روسیوں

اور تاتاریوں [مسلمان مغل] میں ھمیشہ جنگ رھا کرتی تھی ' چنانچہ تمام پرانے روسی گیتوں میں اس پر آشوب زمانے کے واقعات ' اور حریف سرداروں اور سپاھیوں کی جیوٹ اور شجاعت کے کارناموں کا ذکر آتا ھے - دونوں فریقوں میں بڑے بڑے سورما موجود تھے ' اور انکی رزم کی داستانیں آج تک گائی جاتی ھیں - اب سے چالیس برس پہلے روس کے ایک مشہور تاریخی شاعر کونت الگزی تالستائے نے تصنیف * ballad کی وضع کے کئی ڈرامے اور نظمیں لکھی ھیں - ان میں اُس زمانے کے واقعات درج ھیں' ان کی یاد آج تک باقی ھے - ماسکو کی صلیب اور قازان کے ھلال کی یہ جنگ بڑے عرصے تک ھوتی رھی ' بالآخر روسیوں نے فتح پائی اور مسلمانوں کو دریاے ولگا کی دوسری طرف ھٹادیا - روسی زبان پر اس دور کا زبردست اثر پڑا ھے - اس میں ایسے بہت سے الفاظ موجود ھیں جن کی اصل تاتاری مغلی زبان ھے - اسی طرح سے بہت سے الفاظ' عربی اور فارسی سے مستعار لئے گئے ھیں - تاتاریوں کے پڑھے لکھے سردار یہ زبانیں بولا کرتے تھے - علاوہ ازیں قفقاز ' داغستان اور ترکستان کے قبضے کی وجہہ سے بھی روسیوں کے ذخیرۂ الفاظ میں بہت کچھہ اضافہ ھوا ھے ' اس لئے کہ ان علاقوں کی آبادی زیادہ تر مسلمان تھی - نیز ترکی اور ایران کی حدیں بھی روس سے ملی ھوئی ھیں - اس کا اثر بھی زبان پر پڑا ھے - مثلاً دریاے ولگا کی ایک مشہور مچھلی سمگا (Semga) کہلاتی ھے جو فارسی زبان کا سمک اور عربی کا بالک (؟) ھے - اسی طرح سے ٹرنک کے لئے روسی الفاظ Sunduk اور Chemodan ھیں جو علی الترتیب عربی اصل صندوق اور فارسی جامہ داں سے بنے ھیں - اسی طرح سے Ambar (انبار) کا لفظ

---

* عہد مشروطہ کی ایرانی شاعری میں بھی Ballad کی وضع کی نظمیں ملتی ھیں اس کے لئے وھاں والوں نے اصطلاحی لفظ "تصنیف" بنایا ھے - مترجم

غلہ کے کھیتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - الفاظ کی اس نقل وحرکت کی ایک دلچسپ مثال درج ذیل ہے - روسی زبان میں اُبالنے کے لئے Vareet کا لفظ آتاہے جس سے مشہور لفظ Somavar سماور بنا ہے (خود = Soma, ابالنا=Var) نیز لفظ Povar بمعنی پکانے والا بھی اسی سے مشتق ہے - ترکوں نے اس آخری لفظ کو لیکر اپنے یہاں کا لاحقہ چی (بمعنی پیشہ، کام) لگا دیا ، (مثلاً گازت چی = اخبار فروش) اور لفظ پاورچی بنا لیا ، وہاں سے جب یہ لفظ ہندوستان پہنچا تو باورچی بن گیا، پ اور ب کا اس طرح آپس میں تبادلہ ہو جایا کرتا ہے - روسی زبان میں مغلی تاتاری الفاظ بھی بہت ہیں ، یہ چند مثالیں کافی ہونگی : Bashlik (سر کا لباس) ؛ Bashmak (جوتہ) ؛ Jemchuj اور اس کا واحد Jemchujina (بمعنی موتی) جس کا تلفظ ژیمچوژینا کیا جاتا ہے - تاتاری الفاظ کی وجہ سے روسی زبان میں ژ، ز، اور ش کی آوازیں کثرت سے داخل ہوئیں، اور انھوں نے اس زبان کو یورپ کی سب زبانوں سے زیادہ شیریں اور موسیقیت آمیز بنادیا ہے - الفاظ کی طرح خاندانوں کا خلط ملط بھی بہت کچھہ ہوا ہے ، چنانچہ روس کے اکثر اعلیٰ خاندانوں میں مغلوں کا خون موجود ہے - انہیں خاندانوں میں سے ایک خاندان Yusupoff تھا ، اس سے اور زار سے قرابت تھی - یہ ابتدا میں مسلمان تھا چنانچہ نام ہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ روسی لاحقہ اسلامی نام یوسف میں جوڑ دیا گیا ہے - علیٰ ھذا مسلمانوں پر بھی اس اختلاط کا بہت کچھہ اثر پڑا ، اور آج تک وہاں کے مسلمانوں کے ناموں میں باقی ہے ، مثلاً عبداللہ اِیف ، ابراھیم اُوت ، بیگ اِیف وغیرہ - روسی جب کبھی کسی کو مخاطب کرتے ہیں ، تو وہ خواہ کیسے ہی اعلیٰ سے اعلیٰ خاندان سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو اس کا ، اور اس کے باپ کا نام لیتے ہیں (پرنس ، کاونٹ اور گرانڈ ڈیوک اس سے مستثنیٰ ہیں) مثلاً یہ نام لئے جاتے ہیں Nikoli Alexandrobitch (نکولای ولد الگزینڈر ، آخری زار روس) یا Alexandra

Feodorovna (الگزینڈرا بنت فیودوروونا) روس کے مسلمانوں کے ساتھہ بھی یہی طریقہ برتا جاتا ھے ' مثلاً Musa Mohammadullah Beigiff جو ایک عالم متبحر ھیں اور ھندوستان بھی آچکے ھیں —

سلطنت روس نے پیٹر اعظم کے زمانہ میں منظم شکل حاصل کی ' اور چونکہ پیٹر یوروپی ' خصوصاً ولندیزی اور المانی خیالات سے متاثر تھا ' اس لئے اسی کے زمانہ میں یوروپی اثر روسی ادب میں سرایت کرنے لگا - اس بادشاہ نے بہت سی "اصلاحیں" بھی کیں جن میں نے [illegible] خصائص مٹادئے - اس نے مردوں کی داڑھیاں منڈوائیں اور عورتوں کا [illegible] عربی اور ترکی حرم ' سے باھر نکالا ' شمال میں سینٹ پیٹرس برگ دار الخلافہ مقرر کیا گیا ' اور جس قدر ماسکو مشرقی تھا ' اُسی قدر یہ شہر یوروپی تھا - سوویت حکومت کے قیام کے زمانے تک روس میں خارجی اور غیر ملکی اثر کے متعلق بڑی پر جوش بحثیں ھوا کرتی تھیں - خصوصاً ۱۸۴۰ کے قریب قریب کے زمانے میں تو روسی اہل علم دو فریقوں میں منقسم ھو چکے تھے ' ان میں سے ایک Zapadniki (مغرب پرست) اور دوسرا Slavionophili (اسلافی پرست یعنی قدیم سلافی روایات پر قائم) کہلاتا تھا - اس زمانے میں بحثوں کی خوب گرما گرمی رھا کرتی تھی ' اور کچھہ لوگ ایک فریق کا ' اور کچھہ دوسرے کا ساتھہ دیا کرتے تھے - اول الذکر گروہ ھر بات میں مغربی طریقے داخل کرنا چاھتا تھا ' اور ثانی الذکر قدیم روایات پر مستقل تھا - روس کے اکثر مشہور اھل قلم اسی آخری گروہ میں شامل تھے - اس کا اثر ' لباس ' اطوار و عادات ' گفتگو اور خاص کر مذھبی اور سیاسی خیالات پر بہت کچھ پڑا - آج تک اھل روس خود کو یوروپی خیال نہیں کرتے - جب کبھی وہ اس حصۂ یورپ کا ذکر کرتے ھیں جو ان کی سرحدوں کے اُس پار واقع ھے تو وہ اسے Zagranitsa (اُس پار) کہتے ھیں - لفظ Everopeitsy (یوروپی) انگریز ' جرمن ' فرانسیسی ' اطالوی ' اسکینڈی نیوی ' سب کے لئے استعمال ھوتا ھے - جب کوئی روسی اپنے سفر یورپ

کا ذکر کرتا ہے تو جو الفاظ وہ استعمال کرتا ہے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ سرحد کے اُس پار کے یورپی ملکوں میں ہو آیا ہے - اسی طرح سے روسی قلمرو سے باہر جو ایشیای آبادی ہے اُسے Aziati (اہل ایشیا) کہا جاتا ہے - غرض کہ یہ لوگ نہ یورپی ہیں نہ ایشیای بلکہ سب سے الگ تھلگ ایک بالکل دوسری ہی قوم ہیں ' جو طور طریقے ' کھانے پینے ' لباس ' زبان ' مذہب غرضکہ ہر چیز میں اپنے ذاتی خصائص رکھتی ہے - یہ لوگ ہندوؤں کی طرح خود کودنیا بھرسے الگ ایک خالص بے میل نسل سمجھتے ہیں ' حالانکہ علمی تحقیق اس خیال کی تردید کرتی ہے - Russki یا روسی کا لفظ صرف ان قدیم عیسای سلافی اقوام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو "روس کی مقدس سرزمین" میں آباد ہیں - دوسری قومیں جو روس میں آباد ہوگئیں ہیں جیسے یہودی مسلمان وغیرہ ' روسی نہیں کہلاتیں ' انہیں ان کی نسلوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے - مثلاً روسیوں کے بقول ' سلطنت روس کی ابادی Russki روسیوں ' اور Inoptdtsy (دوسری قوم کے لوگ جیسے یہودی ' خرگیز ' مغل ' باشکر ' تاتاری ' ارمنی ' قفقازی ' چراش وغیرہ) پر مشتمل تھی - اگرچہ یہودیوں کو چھوڑ کر ' باقی دوسری قوموں اور روسیوں میں کوئی معاشرتی امتیاز نہ کیا جاتا تھا ' اور تاتاری اور مسلمان اعلی اور ذمہ داری کے انتظامی اور فوجی عہدوں پر ممتاز ہوا کرتے تھے اور اعیان دربار میں شمار کئے جاتے تھے ' ——— مگر انہیں روسی سمجھا جاتا تھا لیکن کہا نہ جاتا تھا - یہ لوگ " روسی رعایا " کہلاتے تھے - یہ صرف لسانی امتیاز تھا - اس کا اثر کسی معاشرتی یا سیاسی مسئلہ پر نہ پڑتا تھا - سلطنت روس کی یہ مختلف قومیں مجموعی طور پر Rossiisski (اہل روسی) کہلاتی تھیں ' لیکن Russki (روسی) کا لفظ صرف قدیم مذہب کے پیرووں کے لئے استعمال ہوتا تھا —

———:o:———

روسی زبان اور روسی ادب دونوں کی تاریخ قدیم ہے ' لیکن جس چیز کو

عرف عام میں " روسی ادبیات " کہا جاتا ہے' اور جو آج کل دفعتاً یوروپی ادبیات کی اگلی صف میں آگئی ہے' اس کا نشو و نما نسبتاً زیادہ جدید ہے - اس کی بہار کا زمانہ گزشتہ صدی سے شروع ہوتا ہے - سطور بالا سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ ایک ایسے ملک کی ادبیات کے لئے کہ جس میں اتنی مختلف اقوام اور مذاہب ہوں' یہ ضروری ہے کہ پہلے وہ ادبی ربط و ترتیب ' اور اثرات اور خیالات کی تنظیم کے تاریک تاریخی مرحلوں سے گزرے ' اور پھر کہیں جاکر ایک مستقل ادبی زبان کی حیثیت اختیار کرے - روس میں جو مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں ان کے اثرات بھی زبردست تھے' ایک ہی خیال کو مناسب پیرایہ میں ظاہر کرنے کے لئے ایک بولی میں ایک لفظ تھا' تو دوسری میں دوسرا - جن زبانوں نے پیچھے اتنی مختلف بولیوں کے علاقے ہوں گے' انہیں پھیلنے' اور تشفی بخش ادبی زبان بننے میں ہمیشہ دیر لگے گی - اس بارہ میں اطالیہ کی مثال خاص طور پر قابل ذکر ہے - اس ملک میں ہمیشہ تہذیب کے کئی مرکز رہے ہیں' مثلاً روم 'فلارنس ' ناپلز' وینس' میلان ' راوینا وغیرہ - اور بھی کئی نام لئے جاسکتے ہیں - اب اس ملک کی ادبی زبان اس میں شک نہیں کہ دانتے (Dante) ہی کے زمانے میں ایک حیثیت سے مستقل شکل اختیار کر چکی تھی ' لیکن اس کی جدید ادبیات میں آج بھی ایسے معنی خیز الفاظ نظر آتے ہیں جو مختلف بولیوں سے لئے گئے ہیں - اس میں شک نہیں کہ ان کی وجہ سے زبان مالامال ہوگئی ہے' لیکن اس کا سمجھنا خود اطالیوں کے لئے بھی دشوار ہوگیا ہے' روس میں جس کی آبادی ایک ایک کرور اسی لاکھ ہے یہ مشکل اور بھی دو چند ہوگئی تھی - وہاں ایک طرف تو خارجی یا غیر روسی عنصر تھا' اور دوسری طرف ان دہقانوں کی مالا مال ' رنگین اور مظہر جذبات زبان تھی جو غلامی کی حالت میں تھے' اور جن سے پڑھے لکھے لوگ کسی قسم کا میل جول نہ رکھتے تھے—

روسی زبان نے سب سے پہلے الگزینڈر اول کے زمانے میں اپنا پہلا مکمل نمونہ

پیش کیا۔ یعنی الگزینڈر پوشکین (Alexander Pushkin) کی تصنیفات - یہ روس کا سب سے بڑا شاعر ہے۔ اور اس کا شمار دنیا کے بہترین شعرا میں ہوتا ہے۔ اگر ہم پرانے روسی ادب کو عالموں اور ماہرین السنہ کی تحقیق کے لئے اٹھا رکھیں تو اپنے زمانے کے روسی ادب کی پیدائش کی تاریخ سنہ ۱۸۲۰ع قرار دے سکتے ہیں۔ یہی زمانہ پوشکین کی ادب آفرینی جد و جہد کا خاص زمانہ تھا۔ اس نے جس زبردست طریقہ کی بنیاد رکھی وہ سنہ ۱۹۱۰ع تک جاری رہا۔ اس زمانے میں روسی ادب کے خاص کر نثر کے ایسے رستم پیدا ہوئے کہ جب تک کوئی شخص ان کے ادب کو نہ جانے آج وہ یورپ میں شائستہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ اپنے آئندہ مکتوبات میں میں آپ کو پوشکین اور اس کے اثرات کا حال لکھوں گا اور ترجنیف (Turgueneff) دستوئیفسکی (Dostoievsky) تالستائے (Tolstoi) کی علمی ادبی تصانیف سے بحث کروں گا۔ یہی لوگ دراصل اس باعظمت گروہ مصنفین کے سردار ہیں کہ جس کی وجہ سے آج روسی زبان کا ادب عصر جدید کے سب ادبوں سے زیادہ زبردست اور اچھوتا سمجھا

زورق ماهتاب

از

(جناب حامد علی خاں صاحب، کرم‌آباد، وزیرآباد)

ہوا ہے سہر ابھی نہاں
ابھی شفق ہے ضو فشاں
عجیب یہ بھی ہے سماں
فروغ لالہ زار ہے بہار ہی بہار ہے
سکوت شام میں کوئی نگار جلوہ بار ہے
کھڑے ہیں سرو صف بہ صف
ہجوم گل ہے ہر طرف
کہ ہیں شہید سر بکف
بچھا ہے سبزہ سو بہ سو، یہ کس کا انتظار ہے؟
کہ فرش مست رنگ ہے تو عرش میگسار ہے
افق کا سینہ چیر کر
ہوا ہے نور جلوہ گر
جہاں تہاں، اِدھر اُدھر
یہ چشمہ رک سکا نہ جب تو یک بیک اُبل پڑا
افق سے نور ماہ کا برنگ موج اُچھل پڑا

یہ نور کا وفور ہے

کہ ذرہ ذرہ طور ہے

فروغ سیل نور ہے

یہ سیل اپنے ساتھہ ہی مجھے بہا کے لے گیا

خبر نہیں کہاں کہاں مجھے اُتھا کے لے گیا!

تبصرے
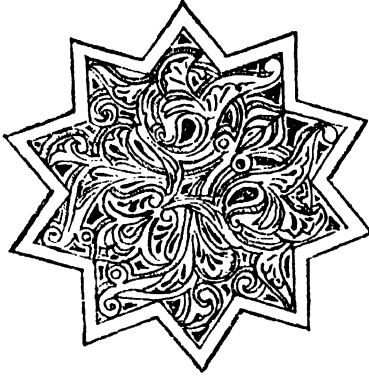
جشن جوبلی علی گڈھ کالج اور اس کی علمی و ادبی کانفرنسیں

جشن جوبلی ایک عجیب منظر تھا - ایسے مجمعے بہت شاذ ہوتے ہیں اور ایسے نادر موقع انسان کو اپنی زندگی میں بہت کم ملتے ہیں جہاں نئے اور پرانے خیالات، مشرق و مغرب، اتر و دکن کا سنگم تھا - یہ گویا پچاس برس گزشتہ کا مرقع تھا جو ہمارے نظروں کے سامنے سے گزر گیا - تماشائیوں اور شوقینوں کے لئے ایک تماشا تھا، مگر چشم حقیقت بیں کے لئے ایک سبق تھا - ہنگامہ ہوچکا، اب جائزہ لینے کا وقت ہے - ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقعہ ہے کہ اس پچاس سال میں ہم نے کیا کیا کیا، ہم کیا تھے اور اب کیا ہوگئے - یہ ظاہر ہے کہ اس پچاس سال میں ایک معمولی مدرسہ یونیورسٹی ہوگیا، جس کی ابتدا چند طالب علموں سے ہوی تھی اور اب نوبت ہزاروں تک پہنچ گئی ہے - جہاں چند مدن تھے آج وہاں عالیشان عمارتوں کا سلسلہ ہے - ایک ویران کھنڈر لہلہاتا ہوا باغ ہے اور ایک غیر معروف مقام علم و فضل کا مرکز ہے، جس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوی ہیں - یہ ظاہری جلوہ ہے اب ہم اس کے باطنی اثر کو دیکھتے ہیں - محمڈن اینگلو اورینٹل کالج پہلی درسگاہ تھی جہاں قومی تعلیم اور اقامتی طریقہ (رزیڈنشل سسٹم) کا آغاز ہوا اور اس کی تقلید تمام ملک میں کی گئی - مثال کے طور پر دیانند سرسوتی کالج لاہور، علی گڈھ ہی کی تقلید ہے، انجمن حمایت اسلام کالج اسی کا بچہ ہے، بنارس کالج، جو اب یونیورسٹی ہوگیا ہے، یہیں کا نمونہ تھا - ندوۃالعلما کا دارالعلوم یہیں کی روشنی کی ایک جھلک ہے - علی گڈھ کالج نے مسلمانوں ہی کی تعلیم پر نہیں، تمام ہندوستان کی تعلیم پر اثر ڈالا اور لٹریچر، اخلاق، اوضاع و اطوار میں انقلاب پیدا کیا، جمود کو توڑا اور دنیاداروں ہی میں نہیں بلکہ علمائے مقدس کی جماعت میں بھی حرکت پیدا کی - اور یہ سب ایک شخص کی تنہا کوشش اور جد و جہد، ایثار و استقلال، اولوالعزمی اور ہمت مردانہ کا نتیجہ ہے - جشن کے چند دنوں میں سرسید کا نام بار بار

دھرایا گیا ہے اور جب تک مسلمان ہندوستان میں زندہ اور باقی ہیں اُن کا نام دھرایا جائیگا اور بارھا دھرایا جائیگا - یہ سب اُسی کی برکات اور احسانات ہیں - اُن سے ہمیں دو چیزیں ملی ہیں، ایک یونیورسٹی اور دوسرے کانفرنس - یہ دو چیزیں نہیں، دو قوتیں ہیں - ان سے کام لینا ہمارا بڑا فرض ہے، ورنہ ہماری ساری قوتیں بیکار ہوجائینگی - انھیں دو میں ہماری زندگی کے تمام شعبے ہیں - علی گڈھ کالج پر یہ الزام ہے کہ اگرچہ اس کی بدولت زندگی کے ہر شعبے میں اچھے اچھے آدمی نظر آتے ہیں، لیکن ابھی تک اس نے اعلیٰ پایے کے ادیب، حکیم اور محقق پیدا نہیں دئیے - اب یہ یونیورسٹی کا فرض ہے کہ وہ اس کی تلافی کرے، اپنے طلبہ کے دلوں میں علم کی لگن پیدا کرے، تحقیقات کے دروازے کھولے اور ایسے سامان مہیا کرے کہ کچھ طالب علم علمی تحقیق و تفتیش میں منہمک ہوجائیں - طلبہ کی تعداد اگر ہزاروں تک ہوگئی اور کامیاب اگر ہر سال سیکڑوں ہونے لگے تو بہت خوب، ہم خوش ہیں - لیکن یہ کامیابی علمی دنیا میں کچھ زیادہ قابلِ فخر اور لایق مبارک باد نہیں - علی گڈھ کو حقیقی طور پر علم وفضل کا مرکز ہونا چاھئے - ہمیں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا کرنے چاھئیں جو ہندوستان ہی میں نہیں دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں - یہ کام ہمارے فاضل پروفیسروں کا ہے - پروفیسروں سے یونیورسٹیاں بنتی ہیں اور انھیں کے نمونے سے سچے طالب علم بنتے ہیں اور سچے اور حقیقی طلبہ ہی قوموں کو بناتے ہیں - پروفیسروں پر بہت بڑی ذمہ داری ہے - اُن کا کام اُن کے طلبہ سے دیکھا جائیگا - اس کے متعلق ہر طرف اندیشہ ظاہر کیا جارہا ہے اور اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس اندیشے کو اُن تک پہنچادیں —

دوسری قوت جو ہمیں سرسید سے ترکے میں پہنچی ہے وہ کانفرنس ہے - یونیورسٹی اگر علم وفضل کا گھر ہے تو کانفرنس عام طور پر اشاعت تعلیم کا بہت بڑا ذریعہ ہے - ہمارا خیال تھا کہ جشن جوبلی کے موقع پر اس کی طرز کارروائی پر، اس کے فرائض اور عمل پر کچھ غور ہوگا اور یہ نیا چولا بدلے گی، لیکن جاکر دیکھا تو معلوم ہوا وہی پرانی لکیر پیٹ رہی ہے - اب اس کے لئے ہجوم اور مجمع کی ضرورت نہیں نہ قصیدہ گوئی اور مرثیہ خوانی کی ضرورت ہے اور نہ اس کا یہ کام ہے کہ شہر شہر وعظ کراتی پھرے - وہ وقت گیا کہ جب لوگوں کو تعلیم کی ترغیب دینے کی ضرورت تھی - اب یہ کہنا کہ تعلیم حاصل کرو ایسا ہے جیسے یہ کہنا کہ ہاتھ سے کھاؤ اور پاؤں سے چلو - زمانہ بہت کچھ بدل گیا ہے اب ہمیں کام کا طریقہ بھی بدلنا چاھئے - یہ مجلس اب ماہرین فن اور عاملوں کی مجلس ہونی چاھئے - تعلیم کا مسئلہ اب بہت اہم، دشوار اور پیچیدہ ہوتا جاتا ہے - تمام تعلیمی مسائل فیصلے کے لئے ماہرین فن کی مجلس میں پیش ہونے چاھئیں اور دوسری جماعت جو

عاملانہ حیثیت رکھتی ہے اُن فیصلوں پر عمل کرے اور مجوزہ طریقوں پر ملک کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں علم پھیلائے - وہ ابتدائی تعلیم کا ایسا نصاب تجویز کرے جو مسلمان بچوں کے لئے موزوں ہو - وہ کوئی پیشہ اختیار کریں مگر پڑھے لکھے ضرور ہوں تا کہ وہ آگے چل کر اپنے مطالعہ سے ترقی کرسکیں - اور اس نصاب میں ایسی گنجائش اور لچک ہو کہ جو چاہیں دوسرے مدارس میں شریک ہو سکیں - جو بڑی عمر کے ہیں اُن کی معلومات میں اضافہ کرنے کا انتظام کرے - وہ تمام صوبوں اور علاقوں میں اپنی شاخیں قائم کرے اور تعلیم کے مسائل جو ماہرین فن طے کریں ' انہیں تمام شاخوں تک پہنچائے اور اُن کے ذریعہ سے سارے ملک میں تعلیمی کام کرے - یہ بہت بڑا کام ہے - اور ایسے کانفرنس ہی کرسکتی ہے - جب تک جہالت کا استیصال نہ ہوگا ہم زندگی کے کسی شعبے میں ترقی نہیں کر سکتے - اور نہ ملک میں عزت کے ساتھ رہ سکتے ہیں - کہا جاتا ہے کہ کام کرنے والے نہیں ملتے - یہ ایک حد تک سچ ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کام کرنے والے کام کرنے والوں ہی کو ملتے ہیں - جو کام نہیں کرنا یا نہیں کرنا چاہتا اُسے قیامت تک کام کرنے والے نہیں مل سکتے - سرسید کو کام کرنے والے کس نے دئے تھے - اُس نے خود پیدا کئے تھے اور ایسے پیدا کئے تھے کہ اب تک اُن کی نظیر نہیں - کام کرنے والے میں ایک کشش ہوتی ہے جو خود بخود دوسروں کو کھینچتی ہے - بڑے آدمی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سے اور پیدا کرتے - سرسید کی مثال ہمارے سامنے ہے ' اس کے بعد تامل کرنا اور یہ کہنا کہ کام کرنے والے نہیں ملتے ' محض سہل انگاری اور غفلت ہے - یہ واقعہ ہے کہ کانفرنس مردہ ہوتی جاتی ہے - اور جس شے کو ہم مردہ جسم سے وابستہ کریں گے وہ بھی مردہ ہو جائے گی - اسے زندہ کرنا چاہئے ' پرانے طریقوں سے نہیں بلکہ نئے طریقوں سے - رہے کام کرنے والے تو یہی طالب علم جو علی گڑھ کالج اور یونیورسٹی سے نکلے ہیں اور ہندوستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ میں پھیلے ہوے ہیں ' اس کے رضا کار اور کار گزار ہونگے - یہ اس وقت منتشر ہیں ' لیکن اگر ہماری کانفرنس منتظم ہوگی تو یہ سب منتظم ہو جائیں گے - کسی مجلس کے پاس ہندوستان میں اتنی بڑی جماعت نہیں جتنی ہمارے پاس ہے - پھر کیوں نہ ہم اُس سے کام لیں اور اپنی قوت بڑھائیں - اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارے طالب علم ' اگر اُن میں ذرا بھی حمیت ہے اور اپنی یونیورسٹی اور قوم سے محبت ہے تو ضرور اس کی مدد کے لئے اُٹھ کھڑے ہونگے ' بشرطیکہ کوئی دل سے ' استقلال سے ' انہماک سے کام کرنے والا ہو-

اسی جشن کے ضمن میں اردو کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا - اس اجلاس کے بانی یونیورسٹی کی انجمن اردوے معلے اور اس کے پر جوش سکریٹری پروفیسر رشیداحمد

صدیقی تھے - تاریخ اجلاس سے کئی ماہ قبل انجمن کی جانب سے اردو زبان کے متعلق متعدد استفسارات مختلف انجمنوں اور ذی علم اصحاب کی خدمت میں بھیجے گئے تھے اور ان کے بہت سے جوابات بھی وصول ہوے - اس تیاری اور مستعدی سے یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ کانفرنس جو ایک بہت بڑے علمی مرکز میں منعقد ہوئی ' ادبی اور علمی حیثیت سے اپنی نظیر آپ ہوگی اور ہم وہاں جاکر کچھ حاصل کریں گے - مگر معلوم ہوا کہ یہ بھی خیال کا ایک دھوکا تھا - یہ مجلس بہت بے لطف ' پھیکی اور عامیانہ تھی - وہاں جاکر سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہ ہوا - سب سے پہلی مشکل صدر کی پیش آئی - رات کو ایک ایک کا دروازہ کھٹکھٹایا اور جب کوئی نہ ملا تو نا چار نواب صدر یار جنگ بہادر (مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی) نے ازراہ ہمدردی اس خدمت کو قبول فرما کر پریشانی کو رفع کیا - دوسرے دن صبح کو اجلاس ہوا اور ضابطہ کے طور پر ابتدائی رسمیں ادا ہوئیں - فاضل صدر کی تقریر فی البدیہہ تھی اور اس قسم کی فی البدیہہ تقریر میں جو نقص ہوتا ہے وہ اس سے پاک نہ تھی - تقریر کا مبحث "مذاق سخن" تھا اور ایک ایسے موقع کے لئے اس سے بہتر کوئی مضمون نہیں ہوسکتا تھا - لیکن اس نام سے ہر قسم کی ادبی جدت اور علمی اور ادبی تحقیق کو جس بیدردی سے کچلا گیا وہ ایک ایسی حیرت انگیز چیز تھی کہ اس کی حیرت اب تک ہمارے دل سے نہیں گئی - ادبی تحقیق میں جو بعض اوقات برٹش میوزیم اور یورپ کے دوسرے کتب خانوں کے نسخوں کا حوالہ دیا جاتا ہے اس کا فاضل صدر نے بڑی حقارت سے ذکر کیا - گویا ان نسخوں کا وہاں تلاش کرنا اور ان کا حوالہ دینا ایک قسم کی نالایقی اور بے حمیتی ہے - جناب صدر کا یہ کہنا کہ وہ ادیب اور مصنف تھے تو ہمارے ہی ' ہم ان کے لئے دوسری جگہ کیوں جائیں ' بالکل سچ ہے - مگر اس کا کیا علاج کہ ہم ایسے ناخلف ہیں کہ ان کا سرمایہ محفوظ نرکھہ سکے اور ہمیں دوسروں کی محتاجی اٹھانی پڑی - اگر اب ہم ان کے کلام کی صحت کے لئے یا ان کے نسخوں کی تلاش میں یورپ نہ جائیں تو اور بھی زیادہ نا خلفی ہوگی - اسی ضمن میں جناب صدر کی ایک دوسری بولے بھی عجیب تھی - وہ فرماتے ہیں کہ شاعر کا شعر لطف اور ذوق سخن کے لئے کافی ہے - اس کی تلاش کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کہاں کا تھا ' کس زمانے میں تھا ' کب پیدا ہوا ' اس عہد کے کیا واقعات تھے - ان باتوں کا شاعر کی شاعری سے کیا واسطہ - یہ ایک طویل بحث ہے کہ شاعر پر اس کے زمانے کی صحبت اور ماحول کا کیا اثر پڑتا ہے ' ہم اس وقت اس پر بحث نہیں کرنا چاہتے - لیکن باوجود اس کے ہم فاضل صدر کے قول کو ادب سے قبول کرلیتے ' اگر ' جن کی حمایت میں یہ تقریر کی گئی تھی ' وہ خود بھی اپنے قلم کو شاعر کے کلام ہی تک محدود رکھتے

اور لطف سخن سے آگے قدم نہ بڑھاتے - لیکن جب وہ شاعر کے کلام پر تنقید کرنے کے لئے ادب کی تاریخ میں قدم رکھتے ہیں اور اُس عہد کے حالات اور واقعات پر نظر ڈالتے ہیں اور پھر قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں تو فاضل مقرر کی یہ تقریر بے معنی ہو جاتی ہے - تاریخ ' ادب کی ہو یا سیاست کی ' پوچ اور لچر قصوں یا ناقص اور غلط روایتوں سے نہیں بنتی - تحقیق ہر جگہ شرط ہے - شعر سے لطف حاصل کرنا ایک رواجی شے ہے جو اُس صحبت اور تعلیم کا اثر ہے جو ہمیں ملی ہے ' لیکن شاعر کے دل و دماغ کا سمجھنا اور اُس عہد کے واقعات و حالات کے اثرات کو اُس زمانے کے ادب میں تلاش کرنا بالکل دوسری چیز ہے جس سے ہم کوسوں دور ہیں - ہمیں اُن غریب محققوں کی تحقیر نہیں کرنی چاہئے جو با وجود بے سروسامانی اور نا قدر دانی کے طرح طرح کی جسمانی اور مالی تکلیفات برداشت کرکے ہمارے لئے بیش بہا سرمایہ پیدا کررہے ہیں - یہ ہمارے محسن ہیں اور ایک ایسے فن کی بنیاد ڈال رہے ہیں جس سے ہماری زبان بہت کچھ محروم ہے - ہمیں اُن کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور اُن پر فخر کرنا چاہئے نہ یہ کہ بھری مجلس میں اُن کی دل شکنی کی جائے اور اُن پر تیر[؟] کیا جائے - سمجھنے والے سب سمجھتے ہیں کہ جناب صدر کا روے سخن کس کی طرف ہے اور اس تقریر کا منشا کیا ہے - اور یہی وجہ ہے کہ اس کا کچھ اچھا اثر نہ ہوا - یہ باتیں دوستوں کی صحبت میں خوش دلی کے لئے اچھی ہوں لیکن ایک علمی مجلس کے شایاں نہیں —

اسی تقریر میں فاضل صدر نے " گل و بلبل " کی داستان بڑے لطف سے بیان کی اور نہایت خوبی سے بتایا کہ ہماری شاعری میں گل و بلبل قابل ترک یا لائق نفرت نہیں بلکہ قابل قدر شے ہے اور اس کا لطف وہی حاصل کرسکتے ہیں جو مذاق سخن رکھتے ہیں - ہم اس سے بالکل متفق ہیں ' لیکن اردو شاعری کو اسی تک محدود رکھنا اور ہر جدت کو مردود ٹھہرانا بھی سخت ناانصافی ہے - شاعری کا میدان بہت وسیع ہے ' اور اگرچہ اردو اسمیں ترقی کررہی ہے ' لیکن جو کچھ ہوا ہے بہت کم ہے - ہمیں اردو ادب اور شاعری میں نئی نئی راہیں نکالنی ہیں ' نیز اُسے اس قابل بنانا ہے کہ سوائے خاص طبقے کے ہر خواندہ و ناخواندہ شخص اس سے لطف حاصل کرنے لگے اور یہ اُسی وقت ہوگا جب کہ ہماری نظر محدود دائرے سے نکل کر زیادہ وسیع ہوگی - گل و بلبل نے ہماری شاعری میں بیشک بہت سی خوبیاں اور نزاکتیں پیدا کی ہیں ' لیکن اس کی کثرت اور تصنع نے اسے نقصان بھی بہت کچھ پہنچایا ہے - شاعر کو سب سے زیادہ آزاد ہونا چاہئے اور کوئی قاعدہ اور کوئی دستور اس کے اظہار خیال میں مانع نہیں ہوسکتا —

اس کانفرنس میں بعض مفید تجویزیں بھی پیش اور منظور ہوئیں - ان میں اردو کو ملک کی عام اور مشترکہ زبان بنانا ، اردو ٹائپ کی ترویج بہت اہم تھیں - لیکن ان قراردادوں کا منظور کرالینا کوئی بڑی بات نہیں - یہ رسم بہت کہنہ ہے - اسے کامیابی نہ سمجھنا چاہئے - کامیابی کی صورت اُسی وقت شروع ہوگی جب ہم عمل کرنا شروع کریں گے - ہمیں اس کانفرنس کی دو روزہ کارروائی دیکھنے سے کسی قدر مایوسی ہوئی اور یہ سبق ملا کہ ہنگامے برپا کرنے سے کچھ حاصل نہیں - ہوسکے تو کوئی کام کرنا چاہئے ، خواہ وہ کسی حیثیت اور کسی نوعیت کا ہو - ہمیں امید ہے کہ آیندہ اسی خیال کو مد نظر رکھ کر کام کیا جائے گا ورنہ ایسے اجلاس بیکار ہیں - علمی اور ادبی کام ایسے ہنگاموں میں انجام نہیں پاسکتے ، یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ خاص خاص اصحاب کی مجلس قائم کرکے اسمیں زبان و ادب کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور جو امور طے ہوں اُن کی عام طور پر اطلاع دی جائے اور ان کو عملی صورت میں لانے کی کوشش کی جائے —

اسی جشن کے دنوں میں مسلمان اخباروں کے اڈیٹروں کی بھی ایک کانفرنس ہوئی تھی - اگرچہ یہ کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہی لیکن بہت غنیمت ہے کہ اس کی بنیاد پڑگئی - اگر شوق اور سمجھ سے کام کیا گیا تو یہ ایک بہت بڑی چیز ہوسکتی ہے - اخبار کا شوق ملک میں روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور اس شوق کے ساتھ اس کا اثر بھی بڑھ رہا ہے اور بڑھے گا - انسانی معاشرت کا کوئی پہلو اخبار کی نظر سے نہیں بچتا - اس کی اصلاح ایک بہت بڑے طبقے کی اصلاح ہے - خاصکر زبان و ادب کا اس سے بہت بڑا تعلق ہے - اس سے بڑھ کر کوئی خوش نصیبی کی بات نہیں کہ تمام اخبارات متفق ہو کر اپنی اصلاح و ترقی کے لئے تجاویز سوچیں اور جو قرار پائے اُس پر کاربند ہوں - مولانا جالب اڈیٹر ہمدم کی سرگرمی خاص طور پر قابل تعریف تھی - استقبالی مجلس کے صدر مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی تھے جن کا خطبہ بہت دلچسپ تھا - صدر بھی اس مجلس کے لئے بہت موزوں اور مناسب ملے - خان بہادر مولوی بشیرالدین صاحب کی خدمات محتاج بیان نہیں - وہ ایک پرانے ، تجربہ کار اور قابل اڈیٹر ہیں - ملکی اور قومی معاملات پر اُن کی رائیں بہت قابل قدر ہوتی ہیں - اُن کا خطبہ ایک زمانۂ دراز کے تجربے پر مبنی تھا اور اس میں بہت سی کام کی باتیں تھیں جن پر غور کرنا نہایت ضروری ہے - اس کا پہلا اجلاس عام تھا اور اس میں حاضرین کو بڑی فراخدلی سے اجازت دی گئی تھی کہ انہیں اخبارات سے جو شکایت ہو وہ بلا تکلف بیان کردیں - یہ ایک دلچسپ جلسہ تھا - لیکن مجلس انتظامی نے یہ

بڑی عقلمندی کی کہ دوسرے دن کا اجلاس خاص اڈیٹروں کے لئے مخصوص رکھا ' جس میں اخبارات کے متعلق بحث ہوئی اور خاص خاص تجویزیں پیش ہوئیں - اسی میں ایک ذیلی مجلس کے قیام کی تجویز بھی منظور ہوی جس کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ آیندہ اجلاس میں اس کانفرنس کے قواعد اور ضوابط مرتب کر کے پیش کرے —

ادب

پردۂ غفلت

(ایک زمیندار گھرانے کا قصہ - مصنفۂ سید عابد حسین صاحب - منیجر کا پتہ ' شرکت ادبیہ علی گڑھ - صفحات ۱۴۲ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

یہ ایک ڈراما ہے جو ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے حال ہی میں لکھا ہے - اس میں ایک مسلمان زمیندار کے گھرانے کا قصہ ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ رسم و رواج کی پابندی میں غریب لڑکیوں پر کیسے کیسے ظلم کئے جاتے ہیں - مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کی ہر قوم اور جماعت میں یہی ہوتا ہے - ماں باپ زیادہ تر اپنے اپنے تعلقات یا اغراض کو دیکھتے ہیں ' لڑکے لڑکی کی ناراضامندی اور نسبت یا عقد کے انجام پر مطلق غور نہیں کرتے ' جس کا نتیجہ اکثر بہت قابل افسوس اور دردناک ہوتا ہے - قابل مصنف نے ایک ایسے ہی واقعہ کا ذکر ڈرامے کی صورت میں لکھا ہے - قصہ بالکل سادہ ہے - میر الطاف حسین ایک بھولے بھالے شریف زمیندار ہیں - وہ اپنی بھتیجی کی نسبت اپنی بیوی اور سالے کے مشورے سے ایک ایسے صاحب سے کرتے ہیں جو کسی طرح اس لڑکی کے قابل نہیں - لڑکی کے والد ایک روشن خیال اور تعلیم یافتہ شخص تھے - لڑکی کو انہوں نے ابتدا سے اچھی تعلیم دی تھی مگر بے وقت انتقال ہو جاتا ہے اور لڑکی چچا کے ہاں پرورش پاتی ہے - میر صاحب کے سالے احمد حسین اُن کے مختار عام ہی نہیں بلکہ اُن کی زمینداری اور گھر بار کے پورے مالک ہیں اور جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ' میر صاحب کبھی دخل نہیں دیتے - احمد حسین نے خاص اغراض کو مد نظر رکھ کر لڑکی (سعیدہ) کی نسبت محمد جواد

سے کروا دی ہے۔لڑکی اس نسبت سے ناراض ہے۔سعیدہ کا بھائی منظور حسین بھی اس کا ہم خیال ہے۔ احمد حسین نے اپنی بہن کو ملالیا ہے۔چچی لڑکی کے خیالات سے سخت مخالفت کرتی ہے اور طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتی ہے۔ احمد حسین سازش کرتا ہے کہ میر صاحب مجبور ہوکر سعیدہ کی شادی محمد جواد سے کردیں، لیکن منظور حسین اس مصیبت میں آڑے آتا ہے اور اپنی تدبیر سے سعیدہ کو اس مصیبت سے بچا لیتا ہے۔

اگرچہ آج کل نقادان فن اس بات کو مذموم سمجھتے ہیں کہ کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھہ کر یا کسی خاص خیال یا رائے کی اشاعت کے لئے کوئی ڈراما لکھا جائے۔ لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جہاں زندگی کا ہر پہلو قابل اصلاح ہے اور معاشرت کے ہر شعبے میں تذبذب اور انتشار بپا ہے، فن کی بعض نازک اور خیالی خوبیوں کو قربان کرسکتے ہیں، بشرطیکہ وہ سلیقے سے لکھا جائے۔ کیونکہ ڈراما جو اثر پیدا کرسکتا ہے وہ کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں ہوسکتا اور اس لئے اصلاح معاشرت کے لئے یہ تقریروں، وعظوں، مناظروں اور مباحثوں سے کہیں زیادہ کار آمد ہوسکتا ہے۔لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے ہاں اسٹیج کی حالت بھی کچھہ اچھی نہیں اور اس لئے سوائے چند پیشہ ور ڈراما نویسوں کے، جن جن صاحبوں نے اردو میں ڈرامے لکھے، انہوں نے اسٹیج کا کبھی خیال نہیں رکھا اور اُن ڈراموں کی حیثیت قصوں اور ناولوں کی سی رہ گئی۔ اگرچہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس حالت میں بھی ڈراما زیادہ موثر ہوتا ہے۔اس ڈرامے کی بھی یہی حالت ہے کہ اگر اسٹیج پر دکھایا گیا تو کامیاب نہیں ہوسکتا اور غالباً لائق مصنف کا یہ منشا بھی نہ تھا ورنہ اس میں بعض وہ نقص نہ رہتے جو موجودہ حالت میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر سعیدہ کے والد کے اتالیق شیخ کرامت علی جو ایک روشن خیال بزرگ ہیں اور لڑکی سے نسبت کے معاملے میں بہت ہمدردی رکھتے ہیں، اپنی گذشتہ زندگی کے حالات بیان کرتے ہیں۔ اتنی بڑی کہانی جو ایک ہی شخص کی زبانی ہے، ڈراما کے اصول کے خلاف ہے۔ اسی طرح کی دو ایک اور جزئی باتیں ہیں جن کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اسٹیج پر لانے کے لئے اس میں ترمیم کرنی ہوگی۔

اصل مسئلہ جو اس ڈرامے کی غرض و غایت ہے وہ عورتوں کی تعلیم اور آزادی ہے۔ یہ مسئلہ ہندوستان میں بہت نازک اور پیچیدہ ہوگیا ہے۔ مذہب، رواج، معاشرت اور اخلاق سب نے اسے جکڑ رکھا ہے۔ مسلمان خاصکر اس میں سب سے پیچھے ہیں۔ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے یہ ڈراما لکھا گیا ہے اور مصنف کو اس میں ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے چونکہ نکاح سے قبل ہی نسبت توڑ دی گئی

اور لڑکی چچا سے علیحدہ کرلی گئی اس لئے ایسی شادی سے جو مذموم اور دردناک نتائج پیدا ہوتے ہیں اس کا موقع ہی نہیں آیا - کیا قصے کو زیادہ درد انگیز اور موثر بنانے کے لئے یہ ٹھیک نہ ہوتا ؟ شاید مصنف کے ہمدرد دل نے گوارا نہ کیا کہ سعیدہ سی شریف اور تعلیم یافتہ لڑکی جواد سے ڈاکو کے پلّے میں جا پھنسے - بعض اشخاص ڈراما کی سیرت خوب بیان کی ہے - سب سے دلچسپ ان میں محمد جواد ہیں جن سے سعیدہ کی نسبت قرار پائی تھی - یہ دیہاتی مدرس کا عمدہ نمونہ ہیں - پڑھے لکھے ضرور ہیں مگر بہت ہی سادہ لوح تاریک خیال اور اوہام پرست ہیں - مشہور اقوال اور اشعار کو اپنی گفتگو میں ایسی سادگی اور بے تکے پن سے نقل کرتے ہیں کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے - سعیدہ کے چچا میر الطاف حسن بہت سیدھے سادے بھولے شریف زمیندار ہیں ' اپنے اور دنیا کے معاملات سے بالکل بے خبر اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں ' زمانے کی اونچ نیچ سے بالکل واقف نہیں - ہم لوگوں میں ایسے بزرگوں کی بہت تعریف ہوتی ہے اور " نیک " کا لفظ خاص طور پر انہیں کے لئے استعمال ہوتا ہے - احمد حسین (میر صاحب کا سالا) بہت چلتا ہوا شخص ہے اور زمینداری کے گروں سے خوب واقف ہے - جو اس نے کردیا ' میر صاحب کو منظور ' جو اس نے کہہ دیا ' اس پر آمنا صدقنا ' پرانے خیالات اور رسم و رواج کا شیدائی ' سعیدہ اور اس کے بھائی منظور اور شیخ کرامت علی اور ان کے خیالات کا سخت مخالف - اسی کی وجہ سے ساری جائداد ابتر اور گھر کا حال خراب ہے - شیخ کرامت علی سعیدہ کے والد کے اتالیق ہیں - اگرچہ عمر میں سب سے بڑے ہیں مگر خیالات میں نئے روشن خیال نوجوانوں کے ہمسر اور عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے بڑے حامی ہیں —

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کی یہ پہلی مشق ہے اور اس لئے بہت قابل قدر ہے لیکن اُن میں وہ جوہر موجود ہیں جو ایک ادبی تصنیف کے لئے ضروری ہیں - اُن کی نظر غائر ہے ' اپنے ملک کی معاشرت کا مطالعہ غور سے کیا ہے ' طبیعت میں ظرافت بھی ہے ' اپنے مافی الضمیر کو صفائی سے اور اچھی زبان میں ادا کرسکتے ہیں ' البتہ کسی قدر تخیل کی کمی ہے - مگر سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ نوجوان ہیں ' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں اور دل میں درد اور کچھ کرنے کی امنگ رکھتے ہیں - ان سے ہمیں بڑی بڑی امیدیں ہیں - اب اردو زبان اور ادب کی لاج ان کے اور ان کے ہم خیال نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے —

کتاب چھوٹی تقطیع پر مطبع شرکت کاویانی برلن میں ٹائپ میں بہت خوبصورت چھپی ہے - یہ وہی ٹائپ ہے جس میں دیوان غالب چھپا ہے - خوشی کی بات ہے کہ اب ہمارے اہل وطن اس بات کو سمجھتے جاتے ہیں کہ اردو زبان کی

ترقی کے لئے ٹائپ کا ہونا ضروری ہے اور انہیں اس سے وہ وحشت نہیں رہی جو پہلے تھی - ہم قابل مصنف اور شرکت ادبیہ علی گڑھ کو اس پر مبارک باد دیتے ہیں کہ باوجودیکہ علی گڑھ میں لیتھو کا بہترین مطبع موجود تھا مگر انہوں نے ٹائپ میں چھپوانا پسند کیا ---

نقادی کے نکتے

(مولفۂ چودھری محمد علی صاحب تعلقدار امیرپور - صفحات ۴۸ - قیمت ۴ آنہ - ملنے کا پتہ تعلقدار پریس لکھنئو یا سکریٹری آرٹ اگزیبیشن لکھنئو)

یہ چھوٹی سی کتاب مصوری پر ہے جو غالباً اردو میں پہلی کتاب ہے - قابل مؤلف نے مصوری اور تصویر پر بعض بہت کام کی باتیں لکھی ہیں جن سے تصویر کی نقادی میں مدد ملتی ہے - مثلاً تصویر کی عمر ' طرز ' موضوع ' مرقع ' زمین ' مناظر ' عام موضوع ' نقاشی ' رنگ ' دھوپ چھاؤں ' مرکزیت ' ترجمانی ' سامان مصوری ' مذاق ' ہندوستانی انگریزی فن اور موجودہ ہندوستانی طرز کے الگ الگ عنوان قائم کر کے اُن کے تحت میں فن کے لحاظ سے کار آمد نکتے بیان کئے ہیں - جن لوگوں کو فنون لطیفہ سے ذوق ہے وہ اسے ضرور مطالعہ کریں - لایق مولف کی یہ سعی قابل قدر ہے - تصویر کا ہر ایک کو شوق ہوتا ہے لیکن اس کا پہچاننا یا اُس کے کمال کی قدر کرنا ہر ایک کا کام نہیں - اس رسالے کے پڑھنے سے اُس میں ضرور مدد ملے گی —

خرقۂ امجد

(تصنیف جناب ابوالاعظم مولوی سید احمد حسین صاحب امجد صفحات ۱۰۰ قیمت قسم اول ۲ روپیہ ۸ آنہ ' قسم دوم ۱ روپیہ ۴ آنہ مطبوعہ عماد پریس - حیدرآباد دکن)

یہ حضرت امجد کی تیس نظموں کا مجموعہ ہے - اور اسی وجہ سے اس کا دوسرا نام سی پیوند ہے - یہ نظمیں سب کی سب معرفت ' حقیقت اور اخلاق پر ہیں - ہر عنوان الگ الگ ہے - یہ نظمیں رباعی یا مثنوی کی بحروں میں ہیں - حضرت امجد ایک پختہ اور شیریں کلام شاعر ہیں اور باوجودیکہ یہ نظمیں عام مضامین سے الگ ہیں تاہم اُن میں ایک خاص لطف ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے دل پر ایک

چوٹ ہے جس سے بے اختیار ہوکر وہ ترنم ریز ہے - ان کی رباعیاں اس سے قبل بہت مشہور ہوچکی ہیں اور صاحبان ذوق نے انہیں پسندیدہ نظروں سے دیکھا ہے —

نغمہ

کلیۂ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کی انجمن اتحاد (یونین کلب) نے ابھی حال میں ایک محفل مشاعرہ منعقد کی تھی۔ اس میں ایک خاص بات یہ تھی کہ طرحی مصرعہ کے علاوہ ایک "طرحی سرخی" بھی مقرر کی گئی تھی۔ جس پر نظمیں لکھی گئیں تھیں۔ یہ سرخی نغمہ تھی' زیر تبصرہ کتاب انہی نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے'

شروع میں انجمن اتحاد کے نائب صدر کی طرف سے ایک چھوٹا سا مقدمہ ہے' اس کے بعد نغمہ پر ۱۷ نظمیں ہیں' آخر میں غزلوں کا انتخاب ہے' نظمیں اکثر اچھی ہیں اور کاوش سے لکھی گئی ہیں - غزلیں ویسی ہی ہیں جیسے عام طور پر مشاعروں میں ہوا کرتی ہیں - ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب استاد فلسفہ جامعہ اور میر حسن الدین صاحب کی نظمیں خاص طور پر پر لطف ہیں - عبدالقیوم صاحب باقی نے ایک نظم موسیقی کی تال چو تالہ میں لکھی ہے - یہ جدت قابل تعریف ہے - اردو میں موسیقی کی دھنوں میں نظمیں اب تک نہیں لکھی گئی تھیں۔ فارسی میں البتہ آج کل ایسی نظمیں لکھی جاتی ہیں - مہر خاں صاحب غربت نے نظم معریٰ لکھکر حضرت شرر لکھنوی اور مولانا تاجور کی تحریک کو تازہ کیا ہے۔ اکثر نظمیں اس جدید طرز کی ہیں جو اقبال اور اثر جالندھری کی وجہ سے آج کل چل نکلا ہے —

ہم جامعہ عثمانیہ کی ان جدتوں کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں' لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس مرتبہ سرخی کا انتخاب اچھا نہیں ہوا' نغمہ' روح' حقیقت اور اس قسم کے تجریدی عنوانات دے جائیں گے تو لامحالہ جو کوششیں ہونگی وہ نہری اور کام کی نہیں' بلکہ "مشکل نما" اور "فلسفہ نما" ہونگی - اردو شاعری میں آج کل ایک رنگ یہ پیدا ہوگیا ہے کہ لوگ ساز' ترنم' اور اسی قسم کے الفاظ استعمال کر کے اشعار کو چیستان بنادیتے ہیں اور ناواقف اصحاب دل کھول کے داد دیتے ہیں - ان میں کام کی باتیں بہت کم نظر آئیں گی - ہماری رائے ہے کہ ابتدا بہانیہ شاعری سے ہو' اردو میں اس کا ذخیرہ بہت کم ہے - مثلاً آئندہ مشاعروں کے لئے حسین ساگر' گولکنڈہ' فلک نما' موسیٰ ندی' اس قسم کے عنوانات قائم کئے جاسکتے ہیں' اس میں "مشکل نمائی"

اور" خیال آرای" کا موقع کم ہوگا - امید ہے کہ اس مشاعرے کے بانی جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم اس راے پرخاص توجہ فرمائیں گے- نغمہ پر جو نظمیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی چند ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جس کا اشارہ ہم نے اوپر کیا ہے مثلاً ایک نظم "من کی بانسری" میں کنھیا جی سے خطاب ہے —

راگ خامشی میں ہے' ہوش بے ہشی میں ہے
جان خود کشی میں ہے' آپ کو بھلاے جا
ہاں کنھیا گاے جا' بانسری بجاے جا

صفحہ ۱۵ اے لطف ترنم زمانہ = میخانہ بدوش لحن داؤد —

صفحہ ۲۳ نغمہ کی آواز گم'
روح کی پرواز گم'
دل کی تگ وتاز گم'
بربط دمساز گم'
ہاے یہ کس کی صدا دل پہ مرے چھاگئی

صفحہ ۲۷ اہتزاز باد صحرا غمگسار نغمہ ہے
پیچ و تاب سیل آب آئینہ دار نغمہ ہے

بعض نظمیں اور اشعار خاص طور پر پر لطف ہیں مثلاً:—

صفحہ ۱۷ نغمہ کی صدا ہوا میں لرزاں ہے خانہ فضا میں ہے پریشاں
ہے دامن باد موج بادہ پیمانہ بدست ہے گلستاں

بہر حال نقش اول کے اعتبار سے اگر دیکھا جاے تو یہ مشاعرہ ہر حیثیت سے ہماری جامعہ عثمانیہ کے لئے باعث فخر ہے —

کتاب چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے' لکھائی چھپائی معمولی کاغذ صاف چکنا - آٹھ آنے میں انجمن اتحاد کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے مل سکتی ہے —

(و)

قریۂ ویران

سیداحمد حسین صاحب بی اے نے گولڈاسمتھ کی مشہور نظم Deserted Village کا منظوم ترجمہ اس نام سے کیا ہے - کتاب کے شروع میں "افسرالشعرا" آغا شاعر قزلباش دھلوی کی راے ہے- اس کے بعد ۵۷ صفحہ کا ایک مقدمہ ہے جو مترجم کی طرف سے ہے - اس میں اردو زبان کی تاریخ بیان کی گئی ہے-اور ابتدای

دکنی شاعری سے شروع کرکے شعراے دھلی لکھنؤ ' رامپور' یہ سب دور اور ان کی خصوصیات دکھائی گئی ھیں ' یہ کل بحث ۳۴ صفحہ تک ختم ھوگئی ھے' یہ حصہ زیادہ تر گل رعنا سے ماخوذ ھے' ھماری راے میں موضوع کتاب کو دیکھتے ھوے یہ بحث کچھہ بے محل سی ھے' اور ضرور ھے کہ تشنہ بھی ھو-اس کے بعد جدید شاعری کا آغاز' غزل گوئی کے نقائص' شاعروں کو ھدایات وغیرہ یہ عنوانات قائم کئے گئے ھیں' یہ حصہ مفید اور دلچسپ ھے - گولڈ اسمتھہ کے حالات زندگی اور "روداد نظم" بھی بیان کی گئی ھے-اس کی وجہ سے یہ کتاب طلبا کے لئے بھی مفید ھوگئی ھے ---

اصل ترجمہ کے متعلق هم صرف اسی قدر کہہ سکتے ھیں کہ انگریزی نظم کا اردو نظم میں ترجمہ ایک دشوار چیز ھے' فاضل مترجم نے اس کا خاص طور پر اھتمام کیا ھے کہ اصل کے ھر لفظ کی رعایت کی جاے' ان کی یہ کوشش قابل داد ھے' لیکن اس سے اردو نظم جا بجا نا قابل فہم ھوگئی ھے' مثلاً

صفحہ ۴ اے خوشا وہ آنے والے دن تری تعطیل کے
بازیوں کے دور کی جب دھوم ھوتی خھر سے

یا صفحہ ۷ کاشت تیری رفتہ رفتہ آہ آدھی ھوگئی
تیرے سبزہ زار کا حسن تبسم کھوگئی

Half a tillage stints thy smiling plain کا ترجمہ ھے'

یا صفحہ ۸ تھک گئی ھے گونج دھرانے میں رت کو بار بار

اسی طرح صفحہ ۱۱ پر Kinder shore کا ترجمہ مہربان ساحل لفظی ضرور ھے' لیکن اردو محاورے کے لحاظ سے صحیح نہیں ھے - اس کا مفہوم "زیادہ موافق یا مساعد حالات" ھے

یا صفحہ ۱۴ پر Remembrance wakes with all her busy train کا ترجمہ

یاد آتی ھے تری بیدار ھوکر بار بار
ساتھہ لاتی ھے دواں پیک تصور کی قطار

کیا گیا ھے' جس میں مصرع ثانی کا مطلب نا قابل فہم ھے' اس قسم کی ترکیبیں اور جملے جا بجا موجود ھیں' اسی طرح سے زبان کی کچھہ لغزشیں بھی ھیں' چند مثالیں ملاحظہ ھوں'

صفحہ ۱ "کہاں اس نے پرورش پایا" صفحہ ۵ "شوکت الفاظی" صفحہ ۲۸ ' نوک و پل نکالے صفحہ ۱۱ ' جذبات کی تصویروں کو اردو میں اس طرح ذخیرہ کردیا تھا' صفحہ ۳۹ ' اردو علم ادب نے ترقی پایا - (یہ غالباً بہاری اثر ھے) - برق خیز - جا بجا پر تھی ' وغیرہ —

لیکن ان خامیوں کے باوجود ترجمہ اچھا ہے، اس کی کوشش کی گئی ہے کہ اصل کا زور ترجمہ میں بھی قائم رہے، بعض بعض اشعار کا ترجمہ بہت بے ساختہ ہے جیسے—

The swain responsive as the milkmaid sung کا ترجمہ

گیت گاتا وہ گوالن کا وہ در پردہ خطاب
دور سے گا گا کے دہقانوں کا وہ دینا جواب

اصل سے زیادہ مکمل اور پرلطف ہے—

And even his failings leaned to virtue's side

لغزشیں بھی اس کی ذہیں نیکی کی جانب کو جھکی

یا صفحہ ۱۲ کا یہ ٹکڑا

ماہر علم سیاست، راستی کے دوستو!
[کیا غضب ہے تم ذرا انصاف تو دل میں کرو]
روز بڑھتی جاے دولت کی خوشی جاہ و جلال
اور غربت کی مسرت کو ہو ہر لحظہ زوال
ملک کی خوشحالیاں بہتر ہیں یا جاہ و حشم
سچ بتاؤ فرق ان دونوں میں ہے کتنا اہم

اسی طرح اور کئی ٹکڑے بھی بہت برجستہ اور دلاویز ہیں،
ہمیں امید ہے کہ یہ ترجمہ طلبا کے لئے مفید اور ملک کے لئے سبق آموز ہوگا۔ ضرورت ہے کہ اس ذخیرہ کو بڑھایا جاے—

کتاب چھوٹی تقطیع پر اچھی چھپی ہے، سرورق رنگین۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی غلیمت ہے۔ ۱ روپیہ میں مرغوب ایجنسی لاہور (چوک متی) سے مل سکتی ہے—

(و)

هیملٹ (شیکسپیر کا ناٹک)

مترجمہ منشی امتیاز علی صاحب بی۔اے، وکیل فیض آباد

خوشی کی بات ہے کہ آج کل اردو داں اصحاب کو شیکسپیر کے ناٹکوں کے ترجمہ کا خیال ہو چلا ہے۔یوں تو اکثر ڈرامے بہت عرصہ سے کھیلے جارہے ہیں، لیکن ان کو هندوستانی اسٹیج اور مذاق کے اعتبار سے کچھہ اس طرح مسخ کر دیا گیا تھا کہ اصل

کی بو باس تک باقی نہ رہی تھی' اور ان کا جیسا اثر ہماری ادبیات پر پڑنا چاہئے تھا' نہ پڑسکتا تھا۔یہ بات اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب اصلی ڈراموں کا پورا پورا اور صحیح ترجمہ کیا جاے' اس سے پہلے جناب تفضل حسین صاحب Henry the Fifth اور Julius Caesar کا ترجمہ کرچکے ہیں' اب منشی امتیاز علی صاحب بی۔اے وکیل فیض آباد نے Hamlet کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے—

زیر تبصرہ ترجمہ اگرچہ پورا پورا ترجمہ نہیں ہے لیکن پھر بھی اس سے شکسپیر کے زور قلم اور عبارت کا اندازہ اچھی طرح ہوجاتا ہے ' فاضل مترجم اگر چاہتے تو ترجمہ اصل سے اور زیادہ مطابق ہوسکتا تھا ' چند مثالیں ملاحظہ ہوں—

صفحہ ۳ کالم ۲ " اسی خونخوار اور خوفناک شکل میں " اصل میں Martial stalk ہے ۔جس کا صحیح مطلب سپاہیانہ رفتار یا انداز خرام ہے—

صفحہ ۴ کالم ۱ " جبر و تشدد کے آرے " ۔اصل مطلب سے بہت دور ہوگیا ہے ۔ وہاں مصنف نے سختی پر زور دیا گیا ہے کہ تعطیل اور کام کے دن سب برابر ہوگئے ہیں

صفحہ ۲ کالم ۲ " پہلے ملنے کا مناسب موقع تجویز کر لینا چاہئے " اصل کا مطلب یہ ہے کہ " میں جانتا ہوں کہ آج ان سے کہاں ملاقات ہوسکتی ہے "—

صفحہ ۸ کالم ۲ " خدا کرے تم اپنے شباب کے ایک ایک لمحہ کی الخ " ۔اصل سے کوی علاقہ نہیں رکھتا بادشاہ کہتا ہے کہ " نیک ساعت دیکھہ کر سوار ہو جاؤ " —

صفحہ ۹ کالم ۱ پر That passeth show کا ترجمہ " جو اِن سب سے بڑھی ہوی ہے " کیا گیا ہے ' اصل کا مطلب یہ ہے کہ آنسو ' آہیں ' یہ چیزیں تو ظاہر ہوسکتی ہیں لیکن میرے دل کی جو کیفیت ہے اس کا اظہار ممکن ہی نہیں ہے "—

صفحہ ۱۰ کالم ۲ " اس جسم کثیف کی قید سے رہای کوی بڑی بات نہیں " O, that this too-too solid flesh would melt کا ترجمہ ہے ' اور غلط ہے ہیملٹ یہ آرزو ظاہر کررہا ہے کہ کاش یہ میرا ٹھوس جسم گھل جاے الخ "—

اسی طرح صفحہ ۱۱ کالم ایک میں اس عبارت کا ترجمہ

Why, she would hang on him
As if increase of appitite had
grown by what it fed upon:

کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے " میری ماں ان سے محبت کا اظہار کیوں کرتی تھیں ' کیا یہ خواہش نفسانی کی آگ تھی الخ " ۔یہاں مطلب استفہامیہ نہیں ہے ' ہیملٹ کو یاد آرہا ہے کہ میری ماں زندگی میں باپ سے کتنی محبت کرتی تھی ' لفظ

Appitite سے مترجم صاحب کو " خواهش نفسانی " کا دهوکا هوا - حالانکہ مطلب یہ هے کہ " (باپ کی) محبت دیکھکر ان کی محبت اور دونی چوگنی هوتی تھی " —

صفحہ ۱۲ کالم ۱ Truant disposition کا ترجمہ وحشت کیا گیا هے - مطلب پڑھنے لکھنے سے جی چرانا هے ' —

صفحہ ۲۳ کالم ۲ پر O, my prophetic soul کا ترجمہ " واہ ری میری روشن ضمیری " کیا گیا هے - ترجمہ صحیح هے ' لیکن بے محل هے - اس جملے سے فخر اور مباهات کا اظہار هوتا هے - حالانکہ هیملٹ یہ جملہ نہایت درد کی حالت میں کہہ رہا هے —

صفحہ ۳۷ کالم ۲ " آپ مانگتے هیں - کوی اور بہتر چیز تو میرے پاس نہیں هے - هاں جان حاضر هے " هیملٹ ' پالونیس کی موجودگی کو گوارا نہیں کرتا ' پالونیس جانے کی اجازت مانگتا هے جس پر جواب دیتا هے " یہی ایک ایسی چیز هے (اجازت) جو میں برضا ورغبت دے سکتا هوں " - " جان حاضر هے " یہ پالونیس سے نہیں بلکہ الگ هٹکر کہا گیا هے ' هیملٹ کو خیال آجاتا هے کہ ایک اور چیز بھی ایسی هے جو وہ برضا ورغبت دے سکتا هے ' یعنی جان - اس لئے وہ پالونی اس کی طرف سے منہ پھیر کر کہتا هے - " ایک اور چیز بھی هے ' میری جان ! میری جان !! " —

صفحہ ۶۰ کالم ۲ " اس میں کوی خطرہ تو نہیں هے " یہ بادشاہ کی گفتگو هے ' اصل کا مطلب یہ هے کہ اس میں کوی بات همارے ادب اور شان کے خلاف تو نہیں هے - محل میں جو تماشہ هوا اس کی ابتدای تقریروں سے بادشاہ کھٹک گیا هے - اسی لئے یہ سوال کرتا هے —

صفحہ ۶۵ کالم ۲ " کیا اس وقت میں جیتا خون پی سکتا هوں ؟ " " Now could I drink hot blood " کا ترجمہ کیا گیا هے ' یہاں بھی مطلب استفہایہ نہیں هے ' هیملٹ کہہ رہا هے کہ یہ وقت (اندھیری رات) تو ایسا هے کہ میں اس وقت الخ " —

صفحہ ۷۷ کالم ۲ " کہ میں آپ کا راز رکھہ سکتا هوں اپنا نہیں " Keep counsel کا ترجمہ کیا گیا هے - یہاں مطلب یہ هے کہ آپ اس کا اعتبار نہ کیجیے کہ میں اپنی رائے کو چھوڑ کر آپ کے مشورے پر عمل کروں گا " —

صفحہ ۸۴ کالم ۱ اپنی تدبیر تحفظ هی میں پکڑ لیا جاتا هے " صحیح نہیں هے بلکہ ملکہ گنہگار ضمیر کے متعلق کہہ رہی هے کہ افشاے راز کا خوف هی افشاے راز کر دیتا هے —

ترجمہ بہت زیادہ آزادانہ ہے - اگر اصل کی تشبیہوں اور استعاروں کی اور زیادہ رعایت ملحوظ رکھی جاتی تو زیادہ سبق آموز ہوتا ' بعض مقامات کا ترجمہ فاضل مترجم نے بہت خوب کیا ہے ' اصل کا زور بھی قائم ہے ' زبان بھی سلیس اور بے ساختہ ہے ' زبان پورے ترجمہ کی نہایت اچھی ہے - کہیں کہیں عبارتوں کے بیچ میں ' یا حاشیوں میں اردو اشعار بھی دیے ہیں - غزلیہ اشعار اب تک ہمارے ناولوں اور افسانوں کا ضروری جز سمجھے جاتے ہیں - اس خیال کی اصلاح دیکھئے کب ہوتی ہے '—

شروع میں ۲۴ صفحے کا ایک مقدمہ ہے ' پھر قصۂ ہیملٹ اور اشخاص ڈراما کی سیرتوں کی تنقید ہے ' مقدمہ میں کوئی خاص بات نہیں - پہلے شاعری کی تعریف اور خصوصیات سے بحث ہے ' پھر ڈرامے کی قسمیں بیان کی گئی ہیں - آخر میں شیکسپیر کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے ' سیرتوں کی تنقید کا حصہ اچھا ہے اور ہر ترجمہ میں ہونا چاہئے - اس سے تنقید کا صحیح ذوق پیدا ہوتا ہے —

ایک جگہ Soliloquy کا ترجمہ " حدیث نفس " کیا گیا ہے - خود کلامی سے یہ مفہوم زیادہ اچھی طرح ادا ہوتا ہے —

کاغذ ' لکھائی ' چھپائی اچھی ہے ' محلہ مغل پورہ شہر فیض آباد میں مترجم صاحب سے مل سکتی ہے - مجلد کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ اور غیر مجلد کی ایک روپیہ ۴ آنہ —

(و ')

نشاط روح

(مجموعۂ کلام جناب اصغر حسین صاحب اصغر - گونڈوی)

اسمیں شبہہ نہیں کہ اردو شاعری ترقی کر رہی ہے - اور حال کے کلام میں نئے نئے انداز اور اسلوب نظر آرہے ہیں - اِن نئے شاعروں میں چند ایسے بھی ہیں جن کا کلام درحقیقت اُستادانہ اور نہایت قابل قدر ہے - ان میں اصغر گونڈوی کا بھی شمار ہے - ان کا مجموعۂ کلام جو ابھی شایع ہوا ہے ' اگرچہ صرف ۴۴ صفحے کا ہے ' لیکن اس سے اُن کی قدرت ' بلند نظری ' اور نازک خیالی اور صحیح ذوق کا پتہ چلتا ہے - بہت سے اشعار ان کے حکیمانہ ہیں لیکن اس انداز اور اسلوب سے انہیں ادا کیا ہے کہ شعر کی خوبی اور نزاکت ہاتھ سے نہیں گئی - ہمیں یہ مختصر کلام پڑھ کر دلی مسرت ہوئی ' جس پر ہم جناب اصغر کو مبارکباد دیتے ہیں اور مرزا احسان احمد

صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اسے مرتب کر کے شایع کیا —

مجموعہ کے شروع میں مرزا صاحب نے ایک دیباچہ ۲۹ صفحے کا لکھا ہے اور اس کے بعد مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ' ایم۔ اے۔ ایل ایل بی کا تبصرہ ہے جو ۱۹ صفحے پر ہے - ان دونوں حضرات نے جناب اصغر کے کلام کی خوبیوں پر بڑے تفصیل سے بحث کی ہے - اور یہ بحث بھی پڑھنے کے قابل ہے - ہم یہاں اُن کے صرف چند اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ' جن سے ان کے کلام کا حسن خود بخود معلوم ہو جائیگا —

سرگرم تجلی ہو اے جلوۂ جانانہ   اڑ جائے دھواں بنکر کعبہ ہو کہ بت خانہ
یہ دین وہ دنیا ہے یہ کعبہ وہ بتخانہ   اک اور قدم بڑھ کر اے ہمت مردانہ

بلبل و گل میں جو گزری ہمکو اس سے کیا غرض   ہم تو گلشن میں فقط رنگ چمن دیکھا کئے

ہاں وادی ایمن ہے معلوم نہیں سب قصے   موسیٰ نے فقط اپنا ایک ذوق نظر دیکھا

عارض نازک پہ ان کے رنگ سا کچھ آگیا   ان گلوں کو چھیڑ کر ہم نے گلستاں کردیا

انتہا دید کی یہ ہے کہ نہ کچھ آئے نظر   کیف بے رنگی و حیرت ہے نظر کی معراج
صاف کہتا ہے کہ میں کیا ہوں فقط بادہ ہے   کس قدر شوخ ہے یہ قطرۂ ملتہب مزاج

رند جو ظرف اٹھا لیں وہی ساغر بن جائے   جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

یہ حسن تعین سے ظاہر ہو کہ باطن ہو   یہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے

رکھئے دیر و حرم سر مارنے کے واسطے   بندگی کو بے نیاز کفر و ایماں کردیا

روح تنقید

(از ابوالحسنات سید غلام محی الدین صاحب قادری زور بی - اے چھوٹی تقطیع ' صفحات تخمیناً ۳۰۰ ' قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے مجلد دو روپیہ - ملنے

کا پتہ مؤلف - نظامت منزل - کنگ کوٹھی روڈ - یا مکتبۂ ابراہیمیہ ، اسٹیشن روڈ - حیدر آباد دکن)—

تنقید جس قدر عام ہے اُسی قدر مشکل ہے - جس طرح یہ ہمیشہ سے چلی آتی ہے اسی طرح ہمیشہ تک چلی جائیگی - اس کے مختلف مذاہب اور فرقے اور اس کے متعلق مختلف خیالات اور متضاد رائیں ہیں - اور یہ سب چیزیں اس کتاب میں موجود ہیں اور پڑھنے والا یہ رائے مشکل سے قائم کرسکتا ہے کہ تنقید کیا ہے - وہ مختلف اور متضاد رائوں کو پڑھکر الجھن میں پڑ جاتا ہے اور کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا - تنقید پر صرف وہی لکھہ سکتا اور دوسروں کو ہدایت کر سکتا ہے جس کا تجربہ وسیع ، مطالعہ گہرا اور نظر دور بین ہو ، جو صرف ذوق ہی صحیح نہ رکھتا ہو بلکہ دریائے ادبیات کا شناور بھی ہو - جس نے ایک مدت کے مطالعہ اور غور وفکر کے بعد ان امور کے متعلق خاص رائے قائم کی ہو اور وہ اسی رائے کو بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور دوسروں کے دل نشین کر سکتا ہے - ہماری زبان میں یہ کام صرف مولانا حالی مرحوم نے کیا ہے - وہ فن کی حیثیت سے وہ اس کے بانی ہی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ پایہ کے ادبی نقاد ہیں اور جن کی تحریریں ہمیشہ بڑی وقعت اور قدر سے دیکھی جائیں گی - یہ کتاب (روح تنقید) تنقید پر نہیں بلکہ تنقید کے متعلق ہے - اس میں اس کے باطن سے نہیں بلکہ اس کے ظاہر سے ، اُس کی روح سے نہیں بلکہ اس کے جسم سے بحث کی گئی ہے - کتاب کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنے پروفیسروں کے لکچروں اور نوٹوں اور انگریزی تصانیف سے اُسے مرتب کیا ہے - لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس کی ترتیب اور تحریر میں بہت سلیقے سے کام لیا ہے اور غیر ملک کے مضمون اور غیر زبان کے خیالات کو اپنی زبان میں خوبی سے ادا کیا ہے —

بجز دیباچے کے چند صفحوں کے جن میں چند اردو تنقید نگاروں کا سرسری ذکر ہے ، باقی تمام کتاب میں یورپ کی تنقیدی تاریخ اور تنقیدی ارتقا سے بحث کی گئی ہے - مؤلف نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے - پہلا حصہ مبادیء تنقید پر ہے ، جس میں تنقید کی تعریف ، ادب کی تعریف ، ادب کی پیدائش ، ادب کی تقسیم ، ادب کا مقصد ، تنقید کا مقصد ، تنقید نگار کے فرائض ، تنقید نگار کی نگہداشت ، اصول تنقید کے عنوان ہیں - دوسرے حصے میں تنقید کی تاریخ ہے جسمیں ازمنۂ قدیمہ یونان و روما ، ازمنہ متوسط ، عصر اصلاح ، ارتقائے تنقید (فرانس) ، انگستان ، اٹھارویں صدی کے بعد کی تنقید ، تین مشہور نقاد ، مروجہ تنقید اور چند تنقیدی

کارنامے کے باب ہیں - مروجہ تنقید پر تقریباً چار صفحے ہیں اور ان میں بعض مشہور مصنفین اور شعرا کے مقولے درج ہیں - کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لائق مؤلف نے تنقید پر انگریزی کی اکثر و بیشتر کتابیں مطالعہ کی ہیں یا ان کے متعلق دوسرے مصنفین کی رائیں پڑھی ہیں لیکن یہ دیکھ کر ہمیں سخت تعجب ہوا کہ کتاب بھر میں اٹلی کے نامور فاضل اور نقاد کروچے کا کہیں ذکر نہیں ہے - حالانکہ اس نے ادب و فنون لطیفہ کی موجودہ مروجہ تنقید میں بڑا انقلاب پیدا کیا ہے —

اصل یہ ہے کہ تنقید پر کتابیں پڑھنے سے تنقید نہیں آتی بلکہ اعلیٰ درجے کا کلام اور اعلیٰ پایہ کی تنقیدیں پڑھنے سے اس کا ذوق پیدا ہوتا ہے - لائق مؤلف نے اس خیال سے کہ کوئی یہ الزام نہ دے کہ فن تنقید پر تو سب کچھ لکھ ڈالا ' لیکن مثال کے طور پر کوئی تنقید نہ لکھی ' مثنوی میر حسن پر ایک تنقید لکھی ہے اور یہ بہت اچھا کام کیا ہے - مگر اسمیں نکتے کی باتیں تقریباً سب وہی ہیں جو مولانا حالی اپنے مقدمہ دیوان میں بیان کر چکے ہیں - کتاب میں بہت سے ایسے امور اور مسائل ہیں جن پر بحث کی بہت کچھ گنجائش ہے ' لیکن چونکہ ان کا تعلق مؤلف سے نہیں بلکہ مؤلف اُن کے قائل ہیں ' اس لئے اُن پر کچھ لکھنا بے سود ہے -

کہیں کہیں املا ' زبان اور واقعات کی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں - مثلاً " سخن گو اور سخن سنج ہستیوں کے آگے زانوے ادب طے کیا " (ص ۲۲ ' ۱۱۲ ' ۱۲۳ ' ۲۰۵)

یہ لفظ "طے" نہیں بلکہ " تہ " ہے - یہ غلطی متعدد مقامات پر نظر آئی —

" وہ سمندر کی گہرائیوں میں کود پڑیں اور گراں بہا موتیاں حاصل کرنے کی کوشش کریں "(ص ۱۱۱) یہاں " موتیاں " اردو کے محاورے کے رو سے غلط ہے —

" خاتمہ صرف تریجڈی یا حزنیہ کو چھوڑ کر اس قدر دل خوش کن ہونا چاہئے کہ وہ رجائیت کے اس عالمگیر اور مستقل جذبہ کو اطمئان اور اطمینان بخش سکے .... " (صفحہ ۱۱۹) یہاں اطمئان کا کوئی موقع نہیں معلوم ہوتا —

" نہر میں قاض ' قرقرے ' مرغابیاں .... " (صفحہ ۱۹۰) ۔ دل لگی میں قاضی کو قاز کی مادہ کہا کرتے ہیں شاید اسی دھوکے میں قاز کا املا اس طرح لکھا گیا ہے —

" پہلی حیرت جہالت کی اولاد تھی اور آخری حیرت عظمت کی والدین " (۲۷۲) - والدین کا لفظ یہاں عجیب طرح استعمال ہوا ہے -

ارسطو کی پیدائش مسیح سے ۳۸۴ سال قبل مسیح اور افلاطون کی ۴۲۷ سال قبل مسیح لکھی ھے (ص ۱۹۷) اور اسی اغلاط سے لائق مؤلف نے ترتیب میں ارسطو کو اول اور افلاطون کو اس کے بعد رکھا ھے - یہ صحیح نہیں ھے - افلاطون ارسطو سے اول ھے اور اس کی پیدائش مسیح سے ۴۲۷ سال قبل ھے —

" پروفیسر حافظ محمود خاں اختر شیرانی " (۲۷ د) اس نام میں اختر کا اضافہ صحیح نہیں ھے - اختر ' پروفیسر محمود کے فرزند کا تخلص ھے -

مؤلف نے یورپی مصنفین اور نقادوں کی رائوں اور تنقید کے ارتقا اور تاریخ کو جس خوبی سے اپنی زبان میں لکھا ھے وہ قابل داد ھے اور جامعۂ عثمانیہ کے ایک لائق طالب علم ھی سے اس کی توقع ھوسکتی ھے ' یہ وہ برتری ھے جو دوسرے کالجوں کے طلبہ کو کم نصیب ھوتی ھے - ھم مؤلف کے ساتھ اُن کے فاضل پروفیسروں مسٹر سبیسٹ اور مولانا وحید الدین سلیم کو بھی مبارک باد دیتے ھیں جن کے لکچروں کی جھلک کتاب میں جا بجا پائی جاتی ھے ۔

شمیم

جناب فیاض علی صاحب وکیل فیض آباد نے اس نام سے دو جلدوں میں ایک افسانہ لکھا ھے - قصہ کا پلاٹ معمولی ھے ' اس میں بے ساختہ پن نہیں پایا جاتا ' اور ایک عجیب بات یہ ھے کہ جو کچھ آگے چل کر ھوتا ھے وہ سب ریل کی ملاقات کا نتیجہ ھے - شمیم اور نسیم دو علی گڈہ کالج کے طالب علم لکھنؤ جاتے ھوئے خورشید علی کو بخار کی حالت میں چلدوسی پر پاتے ھیں ' اور ان کی تیمارداری کرتے ھیں - یہ واقعات ریل ھی میں ھوتی ھے ' اور ۱۰۷ طلعت خورشید علی کی بہن شمیم پر ' اور نسیم ماہ طلعت پر عاشق ھو جاتے ھیں ' ریل میں سے شمیم نارنگیاں لینے اترتے ھیں ' اور جلدی میں ایک فسٹ کلاس میں سوار ھوجاتے ھیں ' اس میں دو امریکن لیڈیاں سفر کر رھی ھیں - اس ڈبہ پر ڈاکہ پڑتا ھے ' شمیم زخمی ھوکر ان دونوں کو بچاتے ھیں ' لکھنؤ پہونچکر انہیں کے گھر میں ان کی تیمارداری ھوتی ھے - اُن کے نام آکٹیویا اور استھر ھیں ' استھر شمیم پر عاشق ھو جاتی ھے ' پھر بعد کو مسلمان ھوکر ان کے ساتھ نکاح کر لیتی ھے - اس کا امریکن ولی یہ خبر سن کر امریکہ سے ھندوستان آتا ھے ' اور شمیم کو گولی مار کر لڑکی کو لے جاتا ھے ' اور اپنے بھتیجے سے اس کی شادی کرنا چاھتا ھے - شمیم اچھے ھوکر اسے بمبئی سے جاکر چھڑا لاتے ھیں ' لیکن اس عرصہ میں ان کی شادی ماہ طلعت سے ھو جاتی ھے ' خاتمہ میں وہ ھمیں ترکوں کی حمایت میں یونانیوں کے خلاف جنگ کرتے ھوئے دکھائی دیتے ھیں - اسی طرح خورشید کی شادی بھی ایک لڑکی نجم آرا سے ھوتی ھے ' یہ بھی

چلدوسی کے اسٹیشن پر ریل میں سوار ہوتی تھیں، بچارے نسیم کی شادی ماہ طلعت کی خالہ زاد بہن ستارہ جبیں سے ہو جاتی ہے—

سیرتوں میں سب سے اچھی سیرت شمیم کی ہے۔ اگرچہ متضاد اجزا سے بنی نہیں—

جذب مصنف کو پند و موعظت کا بہت شوق ہے، چودہ چودہ برس کی لڑکیاں نہایت آزادی کے ساتھ حقوق نسوان، پردہ، مسئلۂ ازدواج پر فلسفیانہ بحثیں کرتی ہیں۔ جہاں کوئی موقع نظر آیا، وہاں پند و موعظت ضرور شروع ہوجاتی ہے، کتاب میں بعض خواب بھی ہیں جو رویائے صادقہ ثابت ہوتے ہیں، کتاب کی اکثر تحریریں پایۂ تہذیب سے گری ہوئی ہیں، خاص کر تینوں لڑکیوں کا آپس کا مذاق اور چھیڑ چھاڑ اتنا ادنیٰ درجہ کا ہے کہ متانت کو منہ چھپانا پڑتا ہے۔ مردوں کا مذاق بھی ایسا ہی ہے۔ جہاں قلعوں کا منظر دکھایا ہے وہاں ان کی مغلظات بھی موجود ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ نوجوان افراد آپس میں اس قسم کا مذاق کیا کرتے ہیں۔ لیکن کچھ ضروری نہیں ہے کہ افسانوں میں اسے بے کم و کاست درج بھی کردیا جائے۔ افسانہ نگاری کے لئے حقیقت نگاری لازمی ہے۔ لیکن زشت اور خراب حقیقت کی نہیں۔

کتاب بہت طویل ہوگئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قصہ مصنف کے ہاتھ سے نکل گیا چنانچہ آخر میں انہیں بچارے جان اسٹیملی اور فریڈرک اسٹوملی کے جہاز کو ڈبو کر استھر کو اس کے باپ کا ترکہ دلانا پڑا۔ سوسائٹی کی مناسبت سے استھر کو فارسی داں بتایا گیا ہے۔ یہ اس کی ایرانی نژاد دایہ کا طفیل ہے۔

بہر حال مصنف کی ہمت اور محنت قابل داد ہے۔ علی گڑھ کالج کے طلبا شاید اس کتاب کو پسند کریں۔ اس لئے کہ ان کی اندرونی زندگی کا عکس اس میں موجود ہے۔ ہمیں اس کی "بے تکلفی" خوش نہیں آتی—

جذب مصنف سے مل سکتی ہے— جلد اول ایک روپیہ چار آنہ جلد دوم ایک روپیہ (و)

سالومی

یہ مشہور آئرش مصنف آسکر وائلڈ (۱۸۵۴ — ۱۹۰۰) کے ناٹک Salome کا اردو ترجمہ ہے — یہ ڈراما سنہ ۱۸۹۲ ع میں لکھا گیا اور سنہ ۹۶ ع میں جب کہ اس کا مصنف قید کی صعوبتیں برداشت کر رہا تھا، کھیلا گیا۔ سب سے زیادہ

یہ ڈراما جرمنی میں مقبول ہوا —

یہ ایک مذہبی ناٹک ہے، ہیرودیاس انتی پاس (حاکم یہودیہ) کے زمانے سے متعلق ہے، یہ زمانہ وہ ہے جب حضرت مسیح کا ظہور ہوچکا تھا - اس کا پلاٹ بہت مختصر مگر بہت گہرا ہے، سالومی، ہیرودیاس کی سوتیلی لڑکی ہے اس کی ماں ہیرودیاس کی دوسری بیوی ہے - ہیرودیاس ایک عیاش بادشاہ ہے، وہ اپنی سوتیلی لڑکی کے عشق میں بھی گرفتار ہے، سالومی یوحنا (اصطباغی) پر مفتون ہے اور اس کا سر کٹوا کر اس کے ہونٹوں کے بوسہ لینے کی ہوس کو پورا کرتی ہے، پھر خود بادشاہ کے حکم سے قتل کرادی جاتی ہے —

ترجمہ جناب مجنوں گورکھپوری نے کیا ہے اور خوب کیا ہے - اصل کا رنگ قائم ہے - یوحنا کی مجذوبانہ تقریروں کا ترجمہ مشکل تھا لیکن وہ بھی خوب ہے - کتاب، ترپاٹھی، کے کرشنوں کی اچھی مثال ہے —

ضخامت ۸۳ صفحے، چھوٹی تقطیع، لکھائی، چھپائی صاف ستھری، محمد صدیق صاحب مجنوں گورکھپوری سے ذیل کے پتہ پر مل سکتی ہے - قاضی پور خورد، گورکھپور، یو - پی - قیمت درج نہیں کی گئی —

(و)

تاریخ و سیر

وقار حیات

(مرتبۂ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، صفحات ۸۵۴ قیمت پانچ روپیہ)

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے اگر اپنے فرائض کے انجام دہی میں کوئی کوتاہی ہوئی بھی ہے تو کم سے کم یہ اعتراف کرنا پڑیگا کہ اس نے علمی خدمت سے تلافی کی کوشش کی ہے - وقار حیات اس کا جدید کارنامہ ہے —

ہم میں سے کون ہے جو نواب وقارالملک مولوی مشتاق حسین مرحوم کو نہیں جانتا ؟ مگر بہت کم ایسے ہیں جو اُن کی زندگی کے جزئی اور تفصیلی حالات سے واقف ہوں اور جو ہیں وہ چند روز کے مہمان ہیں۔ اُن کے بعد یہ سب حالات نسیاً منسیا ہو جاتے اور نواب صاحب کا نام صرف قدیم علی گڑہ کالج کے سکریٹریوں کی فہرست میں نظر آتا یا کبھی کالج یا مسلم لیگ کی تاریخ لکھی جاتی تو اس میں بعض واقعات کا ضمناً ذکر آجاتا۔ اگرچہ وہ چند واقعات بھی اُن کی صداقت و دیانت اور استقلال و ثبات کے لئے کافی ثبوت ہیں، لیکن مکمل سیرت سے پڑھنے والے کے دل پر جو اثر ہوتا ہے وہ اِن چند ضمنی واقعات سے کہاں حاصل ہوسکتا ہے —

حق یہ ہے کہ اس زمانے میں جبکہ قومی تپش نما کا پارہ ہر گھڑی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، جبکہ باوجود تعلیمی تحریکوں کی کثرت کے قومی تعلیم کا کوئی صحیح خاکہ ہمارے سامنے نہیں ہے، جبکہ سیاسی تاروپود سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے مگر کوئی طریقہ قومی فلاح کا ایسا نہیں ہے جس پر تمام جماعتیں متفق ہوسکیں! جب کہ مصلحت اور اصول، چال اور صداقت، تلون اور استقامت میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے! جب کہ باوجود سادگی کے ادعا کے عیش پرستی کے بہت سے چور دروازے کھلے ہوئے ہیں! جب کہ باوجود آزادی و بے باکی کے صحیح اخلاقی جرأت بہت کم ہے! جب کہ باوجود ایثار اور قربانی کے دعووں کے حقیقی ایثار نفس اور ضبط نفس بہت کم نظر آتا ہے، نواب وقارالملک کی سیرت ایک بڑی نعمت ہے اور اس لئے اس کے محرک نواب صدر یارجنگ مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی اور اس کے مؤلف مولوی محمد اکرام اللہ خاں صاحب قابل شکرگزاری ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس کے مطالعہ سے بعض مذبذب صراط مستقیم پر مضبوط ہو جائیں اور نام و نمود کے طالب سچائی کے ساتھ اپنے فرض ادا کرنے لگیں۔ ہر بڑے شخص کی زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ اصلی نام کام میں ہے نہ کہ اشتہار میں اور سچی کامیابی راستی میں ہے نہ کہ مصلحت اور چال بازی میں اور نواب وقارالملک کی زندگی کی ہر منزل میں یہ بات صاف طور سے نمایاں ہے۔ جب وہ برٹش انڈیا میں ایک معمولی اہلکار تھے یا علی گڑہ کالج کے اقامت خانہ میں منتظم یا جب وہ حیدرآباد کی ریاست میں ایک جلیل القدر عہدہ دار اور ریاست کے سیاہ و سپید کے مالک یا علی گڑہ کالج کے آنریری سکریٹری انہوں نے ہمیشہ صداقت و استقامت، آزادیٔ رائے اور اخلاقی جرأت سے کام لیا —

نواب وقارالملک کی زندگی کے دو بڑے حصے ہیں اور دونوں بڑے معرکے کے ہیں۔ ایک حیدرآباد کا دوسرا علی گڑہ کالج کا۔ یہ دونوں مقام اپنے بعض حالات کی

وجہہ سے ایک دوسرے سے خاص مناسبت رکھتے ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ حیدر آباد کے سکریٹری ایک دوسرے کے بعد کالج کے سکریٹری ہوئے۔ شمالی ہند کے رہنے والے اُن کی حیدر آبادی زندگی سے بہت کم واقف ہیں۔ کتاب کے لایق مؤلف مولوی اکرام اللہ خاں نے حیدر آباد کے تھوڑے سے عرصے کے قیام میں وہاں کے حالات کو جس خوبی سے سمجھا اور جس تحقیق سے اُن حالات کو قلم بند کیا ہے وہ بہت قابل تعریف ہے۔ ایک ایسے شخص کے لئے جس کا تعلق کبھی حیدر آباد سے نرہا ہو اِن کا صحیح طور سے سمجھنا اور لکھنا آسان کام نہ تھا۔ اِن حالات کے پڑھنے سے بعض ایسے مغالطے بھی رفع ہوتے ہیں جن میں اب تک بہت سے اہل حیدر آباد بھی مبتلا ہیں۔ دونوں مقامات پر ان کی زندگی میں ایسے نازک موقع پیش آئے ہیں کہ ان میں اپنے اصول پر قائم رہنا اور راستی کو ہاتھہ سے نہ دینا مرحوم ہی کا کام تھا۔ اُن کے باطنی اور ظاہری اخلاق ایسے تھے کہ بڑے سے بڑا مخالف بھی جب اُن سے ملتا تو پگھل جاتا۔ بڑوں کی عظمت اور چھوٹوں سے شفقت ایک عام مقولہ اور عام دستور ہے، مگر وہ چھوٹوں سے بھی اس ادب سے پیش آتے تھے کہ وہ خلاف معمول برتاؤ کو دیکھہ کر شرمندہ ہوجاتے تھے۔ اور ہزار خوبیوں کی ایک خوبی یہ تھی کہ باوجود شدید مخالفت کے بھی وہ زبان سے سخت کلامی یا تحریر میں بیجا درشتی کے مرتکب نہوتے اور ہمیشہ ادب کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ بہت ضدی تھے لیکن اگر کوئی اُن کی غلطی پر اُنہیں متنبہ کردیتا اور وہ حقیقت میں غلطی ہوتی، تو وہ قائل ہوجاتے تھے۔ وہ بڑے پکے مذہبی شخص تھے اور شریعت اسلامی کے پورے پابند۔ وہ نہایت جفا کش اور محنتی تھے اور اوائل عمر سے آخر دم تک کبھی محنت سے جی نہیں چرایا۔ ان کی طرز معاشرت بالکل سادہ تھی۔ حالانکہ حیدرآباد میں وہ امارت کے رتبے تک پہنچ گئے تھے اور انہیں سب کچھہ میسر تھا۔ مگر ان کی معاشرت اور وضع قطع وہاں بھی سادہ رہی۔ ان کی اندرونی اور بیرونی زندگی نہایت پاک اور بے عیب تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاشرت اور صحبت جسمیں انہوں نے پرورش پائی تھی کیسی ہوگی۔ اگرچہ جدید حالات نے وہ رنگ بدل دیا ہے مگر ان بزرگوں کی سوانح عمریاں ہمیں یہ زمانہ ہمیشہ یاد دلاتی رہینگی جسلے ایسے ایسے لوگ پیدا کئے —

اس میں شک نہیں کہ نواب صاحب مرحوم کے اعلیٰ اخلاق اور ان کی پاکیزہ سیرت ہم سب کے لئے بہترین نمونہ ہے، مگر جب ہم اُن کی زندگی کا شروع سے آخر تک مطالعہ کرتے ہیں تو اُن میں ہمیں کہیں لچ نظر نہیں آتا جو انسانی زندگی کا بڑا حسن ہے، بشرطیکہ وہ اصول اور راستی کے خلاف نہو۔ وہ ہر جگہ ایک سلامت سوکھی

لکڑی کی طرح نظر آتے ہیں۔انسان کاروبار بھی کرتا ہے، بڑے بڑے معاملات کو بھی سلجھاتا ہے، اپنی خدمت اور عہدے کے فرائض بھی انجام دیتا ہے، جس میں متانت اور سنجیدگی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہر وقت وہ عہدہ دار یا متین اور سنجیدہ نہیں بنا رہتا۔اس کی زندگی میں ایسے وقت بھی ہوتے ہیں جب کہ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے بالکل بے تکلف ہوتا اور دل کھول کے باتیں اور گپ شپ کرتا ہے، اُس وقت وہ اپنے عہدے، حیثیت اور حالت کو بالکل بھلا دیتا اور معمولی آدمی کی طرح ہوجاتا ہے اور عام پابندیوں اور جزئی باتوں کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔وہ یاروں میں یار اور بچوں میں بچہ ہوجاتا ہے۔نواب وقارالملک مرحوم کہیں اس رنگ میں نظر نہیں آتے۔اُن کے دوست بھی تھے، اُن کے عزیز بھی تھے اور اُن سے محبت بھی کرتے تھے، لیکن کہیں وہ منخلی بالطبع اور بے تکلف نظر نہیں آتے۔گویا کوئی اُن کا "لنگوٹیا" یار اور بے تکلف دوست تھا ہی نہیں۔جہاں دیکھئے وہ یا تو ایک اہلکار نظر آتے ہیں یا بورڈنگ ہوس کے منتظم یا ایک ریاست کے اعلیٰ عہدہ دار یا کالج کے سکرٹری، کہیں مشتاق حسین نہیں دکھائی دیتے۔لیکن اس کا تعلق محض اُن کی ذات سے ہے اس سے اُن کے اعلیٰ صفات اور اُن کی بیش بہا خدمات میں جو انہوں نے اپنے ملک اور قوم کے حق میں انجام دیں، کچھ فرق نہیں آتا۔

یہ کتاب اِس زمانے میں ہر لحاظ سے پڑھنے کے قابل ہے۔اس خیال سے کہ جس شخص کے حالات اس میں لکھے ہیں وہ ایسے زمانے کی یادگار ہے جو اب واپس آنے والا نہیں، نیز اس اعتبار سے بھی کہ وہ ایسے کامل اخلاق کا شخص تھا جس کی نظیر مسلمانوں کی قوم میں اِس وقت نہیں ہے، اور اس لحاظ سے کہ یہ کتاب اُس زمانے کے حیدرآباد اور علی گڈہ کالج کی ایک سچی اور دلچسپ تاریخ ہے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جن حالات اور معاملات میں ہم اس وقت مصروف ہیں اُن میں وہ ہماری ہدایت اور رہنمائی کا کام دے گی۔مولوی اکرام اللہ خاں صاحب نے اس کی ترتیب میں بہت محنت کی ہے اور بہت خوبی سے لکھی ہے۔زبان بھی بہت صاف اور شستہ ہے۔ہر شخص جو حیدرآباد یا علی گڈہ کالج سے تعلق رکھتا ہے یا جسے اپنی قوم اور ملک کی تعلیمی اور سیاسی حالت سے دلچسپی ہے، اس کتاب کو ضرور پڑھے۔

ہمیں اس کا ذاتی علم ہے کہ محمد امین صاحب (مہتمم دفتر تاریخ بھوپال) نواب صاحب مرحوم کی سوانح عمری لکھ رہے تھے اور بہت کچھ لکھ چکے تھے، لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ کانفرنس بھی یہی کام کر رہی ہے تو انہوں نے اپنے تمام مسودات اور کاغذات کانفرنس کے حوالے کردئیے۔کیا یہ نواب وقارالملک مرحوم کی صحبت کا تو اثر نہیں ہے؟ کیونکہ ایسے معاملات میں انسان اکثر نفسانیت کر جاتا ہے۔

مآثر صدیقی موسوم بہ سیرت والا جاھی

(یعنی امیرالملک والا جاہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے سوانح- چار حصوں میں- صفحات تقریباً ۷۰۰- مطبوعۂ نول کشور)—

نواب صدیق حسن خاں مرحوم المخاطب بہ امیرالملک والا جاہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور بہت بڑے مصنف گزرے ھیں- اُن کی تالیفات چھوٹی بڑی سب ملاکر تقریباً تین سو کے ھیں، جو عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں ھیں- بھوپال میں اُن کا عہد ھمیشہ یاد رھیگا- چونکہ خود ایک جید عالم تھے، اُن کی قدر دانی کی وجہ سے بھوپال اُس زمانے میں اہل علم کا ملجاو ماوا بن گیا تھا- علاوہ علم و فضل کی اشاعت و ترویج کے انھوں نے ریاست کے ھرشعبے میں اصلاحیں کیں- ایسے بڑے شخص کے حالات کا اب تک نہ لکھا جانا بلا شبہ قابل افسوس تھا- یہ امر باعث مسرت ھے کہ نواب صاحب مرحوم کے خلف الصدق ابونصر نواب سید محمد علی حسن خاں صاحب المخاطب بہ صفی الدولہ حسام الملک نے حال میں ایک مفصل سوانح عمری چار جلدوں میں لکھ کر شایع کی ھے، جو پڑھنے کے قابل ھے- عالی قدر مؤلف خود ذی علم اور صاحب ذوق ھیں، اور اُس زمانے کے حالات کو بڑی خوبی کے ساتھ قلمبند کیا ھے- پہلے حصے میں نواب صاحب مرحوم کے نسب اور آبا و اجداد کا ذکر ھے- دوسرے حصے میں نواب مرحوم کی ولادت، تعلیم، اساتذہ (جن سے تعلیم پائی)، بھوپال کی ابتدائی ملازمت، قدر، دوبارہ بھوپال کی ملازمت اور عروج اور حالات ریاست درج ھیں- تیسرے حصے میں اُن مختلف اصلاحوں اور ترقیوں کا ذکر ھے جو مرحوم کے عہد میں عمل میں آئیں اور اس کے بعد اُن الزامات کو بیان کیا ھے جو بعض حاسدوں نے اُن پر لگائے تھے اور جن کی تحقیقات برٹش گورنمنٹ کی طرف سے ھوی اور خود انھیں کی تصانیف اور تحریروں سے یہ ثابت کیا ھے کہ یہ الزامات کس قدر بے بنیاد اور بے معنی تھے- چوتھے حصے میں نواب صاحب مرحوم کے عقائد، و عبادات، اخلاق، عادات، معمولات و وصایا، اُن کی علمی زندگی کے حالات اور تالیفات کا ذکر کیا گیا ھے —

اگرچہ نواب والاجاہ مرحوم کو اتفاقات زمانہ سے سیاست اور انتظامات ریاست میں مصروف ھونا پڑا اور اُن فرائض کو بھی انھوں نے حتی المقدور بوجہ احسن انجام دیا، لیکن اُن کا اصلی ذوق علمی تھا اور اُن کے اوقات کا بیشتر حصہ مطالعہ اور تالیف و تصنیف میں صرف ھوتا تھا- وہ پکے موحد اور بدعت اور توھمات کے دشمن تھے- علم دین کی اشاعت میں جو عظیم الشان کام انھوں نے کیا ھے، اُن کے زمانے میں اس

کی نظیر نہیں ملتی - علاوہ اُن بیشمار کتابوں کے جو خود اُن کی تالیف تھیں اور جو ہندوستان، عرب اور عجم میں شایع ہوئیں، انہوں نے علماے سلف کی تصانیف بہم پہنچانے اور اُن کی اشاعت میں صرف کثیر کیا - چنانچہ طبع نیل الاوطار کے چھپوانے میں پچیس ہزار، تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان کے چھپوانے میں بیس ہزار روپیہ صرف کیا - فتح الباری کا نسخہ ہندوستان میں بالکل نایاب تھا، چھہ سو روپیہ میں شہر حدیدہ میں خریدا - یہ نسخہ ابن علان کے قلم کا لکھا ہوا تھا، پچاس ہزار روپیہ خرچ کر کے مطبع بولاق مصر میں طبع کرایا اور بلاد ہند اور ممالک غیر میں مفت تقسیم کیا - اس کے بعد مطابع ہند نے اسے چھاپ کر شایع کیا - علاوہ اس کے بہت سی نایاب کتابیں عرب سے منگائیں - مثلاً ابن حجر عسقلانی و ذہبی و شعرانی و منذری و سفارینی وابن جوزی و امام سیوطی و حافظ ابن القیم علامہ ابن تیمیہ و سید محمد بن اسمعیل امیر و قاضی محمدعلی شوکانی کی تالیفات وغیرہ - اگرچہ انہیں علوم دین سے خاص شغف تھا مگر ادب اور شعر و سخن کا ذوق بھی بہت اچھا رکھتے اور فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے اور ایک دیوان گل رعنا کے نام سے اُن کی یادگار ہے - اُن کے اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت مستعد اور پختہ شاعر تھے —

نواب صدیق حسن خاں مرحوم کو جو کچھہ عروج ہوا، اگرچہ اُس میں بخت و اتفاق کا ہاتھہ بھی ہے، لیکن زیادہ تر یہ اُن کی محنت، قابلیت، دیانت کا ثمرہ ہے - عروج کے بعد انہیں کسی قسم کی لغزش نہ ہوی بلکہ اُن کے اوقات پہلے سے بہتر ہوگئے اور انہوں نے اپنی ثروت و وجاہت کو عمدہ اشغال اور پسندیدہ کاموں میں صرف کیا - ان کے فاضل فرزند نے یہ سیرت لکھہ کر ایک بڑا فرض ادا کیا ہے جس کے لئے ہم سب کو ان کا شکر گذار ہونا چاہئے - قابل مولف کو لکھنے کا بہت اچھا سلیقہ ہے اور ان کا انداز تحریر عالمانہ ہے - جابجا معاملات اور مسائل پر بہت اچھی بحث کی ہے جس سے پڑھنے والے کو بصیرت ہوتی ہے - ہمیں امید ہے کہ اُن کی محنت مقبول ہوگی —

تاریخ زوال سلطنت روما

مشہور انگریزی مورخ گبن (Gibbon) کی شہرہ آفاق تصنیف Decline and Fall of the Roman Empire (7 vols.) کا ترجمہ لکھنؤ کے دائرۂ ادبیہ نے شروع کیا ہے زیر تبصرہ کتاب انگریزی کتاب کی پہلی جلد کے سات ابواب کا ترجمہ ہے - گبن کی تاریخ کے کچھہ حصہ کا ترجمہ شاید پہلے بھی ہوچکا ہے، حالی مرحوم کے مکتوبات

میں مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی صدر یار جنگ بہادر کے نام ایک خط میں اس کا تذکرہ ہے ' یہ ترجمہ سر سید مرحوم کی فرمائش پر حیدر آباد کے ابوالحسن صاحب نامی ایک بزرگ نے کیا تھا ' یہ ترجمہ مولانا حالی مرحوم نے مسٹر ماریسن کے پاس بھجوا دیا تھا ' خدا معلوم پھر اس کا کیا حشر ہوا ' چونکہ مسودہ کی ضخامت ۴۳۷ صفحے بتائی گئی ہے ' اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ شاید پہلی جلد کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہوگا - زیر تبصرہ ترجمہ سید مطلب حسین صاحب بی - اے کا کیا ہوا ہے —

گبن کا ترجمہ کرنا آسان کام نہیں ہے ' وہ صرف مورخ ہی نہیں ہے ' بلکہ زبردست انشا پرداز بھی ہے ' انگریزی مصنفوں میں اس کا زور قلم مسلم ہے ' جن لوگوں نے انگریزی کتاب پڑھی ہے ' انہیں زیر تبصرہ ترجمہ بہت روکھا پھیکا نظر آئے گا - ہمیں امید تھی کہ ترجمہ اگر اصل کی طرح پرزور نہیں تو کم از کم سلیس اور صحیح ضرور ہوگا - لیکن ہماری یہ توقع اس کتاب سے پوری نہیں ہوتی ' ترجمہ صرف بہت زیادہ مبہم ہی نہیں بلکہ بہت غلط بھی ہے - ہم صرف ان غلطیوں کو دکھانا چاہتے ہیں جو بہت نمایاں ہیں ' اور نو مشقی کا نتیجہ ہیں ' ہمیں امید ہے کہ طبع ثانی میں (جب کبھی بھی اس کی نوبت آئے) ان کو دور کردیا جائے گا ' —

صفحہ ۲۰ This and the succeeding two chapters پہلے دو ابواب میں (حالانکہ مطلب پہلے تین ابواب سے ہے) —

صفحہ ۲۱ فتوحات کی اُمیدیں کم اور خطرات بہت زیادہ ہیں (مطلب یہ ہے کہ فوج کشی سے امیدیں کم اور خطرات زیادہ ہیں) Had much less to fear than to hope from the chance of arms

صفحہ ۲۱ " بر اعظم یورپ کے شمالی ممالک اس قابل نہ تھے کہ اُن پر حملہ کے اخراجات اور تکالیف کا بار ڈالا جاتا" غلط ترجمہ ہے - اصل کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممالک اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے لئے یہ بار برداشت کیا جائے - لفظ پر کے استعمال نے مطلب کچھ کا کچھ کردیا —

صفحہ ۲۴ اپنے کو تراجن کا مد مقابل خیال کرتا تھا - اصل کا مطلب یہ ہے " اس نے ثابت کر دکھایا کہ وہ تراجن جیسے بادشاہ کی ٹکر کا حریف ہے " —

صفحہ ۲۵ —" ہیڈرین کا استعفا " غلط ترجمہ ہے ' ہیڈرین نے استعفا کب دیا ؟ اصل کتاب میں ایک عنوان ہے Conquests of Trajan in the east اس کے بعد کا عنوان ہے Resigned by Hadrian - جس کا مطلب یہ ہے کہ ہیڈرین ان فتوحات سے

دست بردار ہوگیا - استعفا کیا معنی رکھتا ہے ؟ Resigned کے معنی صرف مستعفی ہونے کے نہیں ہیں —

صفحہ ۲۸ وحشیوں کی مرضوں میں نہ کوئی انتظام تھا نہ باقاعدگی - اصل عبارت یہ ہے :

Unattainable by the impetuous and irregular passions of the barbarians.

صفحہ ۳۴ جو اس سے پیشتر خود مختار ریاستوں میں منقسم تھے - اصل کا مطلب یہ ہے کہ جو آج کل الخ ---

صفحہ ۳۵ پیش قدمی کی ہے - Accession of territory حالانکہ اصل مطلب " حصول ملک " سے ہے ---

صفحہ ۴۱ " قانوناً سلطنت میں ملا لئے گئے تھے " Were united by laws بالکل غلط ترجمہ ہے - اصل ترجمہ یہ ہے کہ قوانین کی برکت سے باہمدگر متفق اور متحد تھے —

صفحہ ۴۳ He should adore as gods those imperfect beings whom he should have despised as men " ان لوگوں کو جن کو وہ معمولی انسان خیال کرتا تھا ' دیوتاؤں کی مثل پرستش کرتا "

اصل کا مطلب یہ ہے کہ " جن ناقص ہستیوں کو بحیثیت انسان ہونے کے بھی وہ نظر حقارت سے دیکھتا تھا ' ان کی پرستش دیوتاؤں کی طرح کیسے کرتا "

صفحہ ۱۴۴ " اس کی زنانی عیش پرستیوں " کے عنوان سے جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ بالکل مطابق اصل نہیں ہے - یہ صرف چند مثالیں ہیں —

اب ہم ایسے ترجمے کی چند مثالیں دیتے ہیں ' جو اصل مطلب سے کچھہ علاقہ ہی نہیں رکھتا —

صفحہ ۹۳ ایک مورخ نے جو تعداد پر زیادہ زور دیتا تھا - "Censorious temper" کا ترجمہ " تعداد پر زور دینا " کیونکر ہوا ؟ صاف مطلب خردہ گیر ' نکتہ چین ہے —

صفحہ ۹۷ اس صفحہ پر ایک سرخی ہے - آگسٹس اس طاقت سے دستکش ہوتا ہے - اس میں خود آگسٹس کی تقریر کا اقتباس ہے - مترجم نے یہ ظاہر ہی نہ ہونے دیا کہ اس کے الفاظ کیا ہیں - اسی صفحہ پر ایک ٹکڑے کا ترجمہ ہے '

"اس کی طبیعت کی فطری خوبیوں نے ضرورت کے سخت قوانین پر اسے عامل نہونے دیا " حالانکہ اصل میں بادشاہ اپنی سخت گیریوں کا عذر پیش کرتا ہے اور کہتا ہے " اشتدادی

قوانین کے احساس نے کبھی کبھی میری فطری رحمدلی پر فلبہ پالیا ہے"—

صفحہ ۷۲ "عوام کی آزادی کا مجسمہ" اصل عبارت Image of Liberty for the people ہے۔ مترجم کو Image کے لفظ سے دھوکا ہوا' اصل مفہوم یہ ہے کہ عوام کے سامنے آزادی کا کیا تخیل پیش کیا گیا تھا' آزادی کا کوئی مجسمہ (Statue) تیار نہیں کیا گیا —

صفحہ ۷۷ وہ رومی لوگ جنھوں نے بروٹس کے فعل کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا، اس کی کارگزاری کو بھی بنظر تحسین دیکھئے - اصل الفاظ یہ ہیں

Applaud the imitation of his virtue

بروٹس نے سیزر کو قتل کیا تھا، مصنف اس موقع پر اس خطرہ کا اظہار کر رہا ہے جو بادشاہ کو عوام کی طرف سے تھا' مترجم نے لفظ Imitation کو نظر انداز کردیا' اس وجہہ سے مطلب یہ ہوگیا گویا کہ بروٹس زندہ ہے' حالانکہ اصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بروٹس کے اس وجہ سے مداح تھے کہ اس نے سیزر کو قتل کردیا تھا' ان سے یہ کچھہ بعید نہ تھا کہ بروٹس کی تقلید کو بھی قابل ستائش سمجھیں —

صفحہ ۱۳۵ مصنف الاگابالس (Elagabalus) کی عیش پرستیوں کا مقابلہ مشرقی بادشاہوں کی عیش پرستیوں سے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آخر الذکر جو کچھہ کرتے ہیں حرم کی چار دیواری کے اندر کرتے ہیں—

"The licence of an Eastern monarch is secluded from the eye of curiosity by the inacessible walls of the Seralgio"

فاضل مترجم نے اس جملے کو دوسرے جملوں کے ساتھہ اس طرح مخلوط کر دیا ہے کہ اصل مطلب غائب ہوگیا ہے "کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص الاگابالس کے ناقابل گزر حرم کو دیکھتا الخ" حالانکہ مصنف اس کی علانیہ عیش پرستیوں پر نفرین کر رہا ہے اور مقابلہ میں مشرقی سلطانوں کے "ناقابل گزر حرم" کو پیش کر رہا ہے—

صفحہ ۱۲۳ Singular instance کا ترجمہ "کم از کم ایک مرتبہ" کیا گیا ہے- حالانکہ یہ لفظ Singular ایسے موقعوں پر یگانہ یا عجیب وغریب کے معنوں میں ہوتا ہے- اگر Single ہوتا تو "ایک مرتبہ" صحیح ہوتا —

اسی طرح سے اسی صفحہ پر حسب ذیل انگریزی عبارت کا ترجمہ ہے

Reserve your shouts till you take the field against the Persians etc.

فرماتے ہیں اس وقت تک یوں ہی چلاتے رہو جب تک فارسیوں وغیرہ سے تمہارا

مقابلہ نہو-اصل مطلب یہ ھے کہ یہ شور و شغب اس وقت کے لئے اٹھا رکھو' استمرار کا مفہوم خدا معلوم کیونکر پیدا ہوگیا؟

ہم نے حتی الوسع اس امر کی کوشش کی ھے کہ صرف نمایاں اور فاحش غلطیوں کو واضح کردیں' ترجمہ اور وہ بھی ادب اور تاریخ کا' ایک دشوار فن ھے- غلطیوں کا ہونا تعجب کی بات نہیں ھے' ترجمہ خواہ لفظی نہو' لیکن اصل عبارت کے ایک ایک لفظ کی جگہ ترجمہ میں رکھنا پڑتی ھے' اور یہی مترجم کاخاص کام ھے-باقی رھی سلاست' وہ مشق سے پیدا ہوجاتی ھے'

بعض الفاظ اور اصطلاحات کے ترجمے بھی عجیب و غریب ہیں-فرہنگ اصطلاحات علمیہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے شایع ہوچکی ھے' اگر ذرا تلاش سے کام لیا جاتا تو صحیح اور مستعمل ترجمے مل جاتے:-

لفظ	ترجمہ	صحیح
Jurisprudence	فقہ	اصول قانون
Defensive wars	حفاظت خود اختیاری میں جنگ	مدافعانہ جنگ
Monuments	مینار	آثار
Stoics	بیراگی	رواقئین
Executive powers	کار فرمائی کے اختیارات	

معارف نے اس لفظ کا ترجمہ تنفیذی اختیارات کیا ھے' اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے عاملانہ اختیارات—

Gladiator	پٹہ باز	مبارز
Constitution	نظم ونسق	

نظم و نسق administration کا صحیح ترجمہ ھے - اس کے لئے لفظ آئین ھے'

Senate	مجلس ملکی	سینات

اسی طرح سے policy of Toleration کا ترجمہ درگزر کرنیکی حکمت عملی کیا گیا ھے حالانکہ " روادارانہ حکمت عملی یا پالسی " بہتر ترجمہ تھا- ایسی جزوی غلطیاں کثرت سے ہیں —

ہمیں ناشرین سے بھی ایک شکایت ھے- انہوں نے نہ تو اس فاضلانہ مقدمہ کا ترجمہ کرایا جو پروفیسر بیری (Bury) نے اس کتاب پر لکھا ھے ' اور نہ ان حاشیوں کا جن سے یہ کتاب بھری پڑی ھے ' اور جن کے بغیر نہ تاریخی حوالے معلوم ہوسکتے

ہیں ، اور نہ اصل کا مطلب واضح ہوسکتا ہے —

کتاب کے شروع میں چودھری رحم علی الہاشمی صاحب بی - اے نے ۱۹ صفحہ کا ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں زیادہ تر گبن کے حالات زندگی سے بحث کی گئی ہے' دائرہ ادبیہ لکھنؤ کی ہمت' قابل داد ہے' ہمیں امید ہے کہ اردو خواں حضرات اس کی قدر کریں گے' اور اس طرح سے اس دشوار اور قابل قدر کام کی تکمیل میں حصہ لیں گے - کتاب کی لکھائی چھپائی' کاغذ غنیمت ہے' سرورق سبز' مصنف اور مترجم دونوں کے فوٹو بھی ہیں - دائرہ ادبیہ وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ۱ روپیہ ۴ آنہ میں مل سکتی ہے - ضخامت اور محنت کو دیکھتے ہوے قیمت کچھ زیادہ نہیں ہے —

(و)

بشیر پاشا سیریز

اس نام سے' اٹاوہ ہائی اسکول کے لائق کار پردازوں نے زمانۂ قریب کے مشہور ہندوستانی مسلمانوں کے سوانح چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں شائع کرنے شروع کئے ہیں اور اب تک آٹھ رسالے بہ تفصیل ذیل طبع ہو چکے ہیں : —

۱ - تذکرہ سر سید احمد خاں مرحوم (صفحات ۱۶۸) بقلم نور الرحمن صاحب بی - اے علیگ —

۲ - " سید محمود مرحوم (۵۶ صفحات) از محمد امین صاحب زبیری -

۳ - " نواب محسن الملک مرحوم (۵۴ صفحات) — " "

۴ - " مولانا الطاف حسین حالی مرحوم (۶۰ صفحات) " "

۵ - " نواب وقار الملک مرحوم (۷۶ صفحات) — " "

۶ - " مولانا حافظ نذیر احمد خاں مرحوم (۳۹ صفحات) بقلم محمد مہدی صاحب

۷ - " مولانا شبلی مرحوم (۶۰ صفحات — " "

۸ - " مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم (۴۰ صفحات) بقلم سید عبد الکریم صاحب بی اے' ال ال بی -

یہ رسالے چھوٹی تقطیع پر خاصے صاف ستھرے چھپے ہیں - یہ آٹھوں ۲ روپیہ میں اٹاوہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر سید الطاف حسین صاحب اور نیز انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے دستیاب ہوسکتے ہیں : سلسلہ شایع کرنے والوں کا خیال بہت مفید

ہے اور بحالت موجودہ بھی یہ کتابیں طلبہ اور عام شائقین کے لئے کارآمد ہوں گی۔ لیکن تمہید میں " نوجوانان قوم میں ملک اور قوم کی خدمتوں کا جذبہ پیدا کرنے اور ان کے حوصلے بڑھانے " کا جو مقصد عالی قرار دیا گیا ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کتابوں سے وہ کس حد تک پورا ہوسکے گا —

سوانح کے جمع کرنے میں کافی محنت سے کام لیا گیا ہے اور اس کے لئے ہمارے لائق اور مستعد دوست مولوی محمد امین صاحب زبیری کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔مگر سیرت نگاری کا وہ کمال کہ ممدوح کی تصویر جیتی جاگتی آنکھوں میں پھر جائے ، ان کتابوں میں نظر نہیں آتا۔مفید جزئیات یا ایسے محاضرات جن سے آدمی کی خصائل کا نہایت صحیح اندازہ ہوسکتا ہے ، جمع کرنے کی ان رسالوں میں جیسی کہ چاہئے کوشش نہیں کی گئی اور عبارت کو دلچسپ و مربوط بنانے میں لکھنے والے پورے کامیاب نہیں ہوے:

تاہم یہ سلسلہ مفید اور قابل قدر ہے اور شائع کرنے والوں کا مقصد نیک ہے اور ہماری آرزو ہے کہ ملک میں ان مطبوعات کی قدر کی جاے اور دوسرے مشاہیر کی سوانح بھی اسی طرح قلم بند ہوکر عام دسترس کے اندر آجائیں۔جن بزرگواروں کی سوانح آیندہ شائع ہونی چاہئیں ، ان میں ہمارے نزدیک یہ چند نام خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں: —

۱ - سرسالار جنگ اول
۲ - جنرل عظیم الدین خاں
۳ - حکیم عبدالمجید خاں
۴ - جسٹس کرامت حسین
۵ - مولوی چراغ علی

تاریخ دریاباد

(مولفہ منشی برج بھوکن لال صاحب محب - بڑی تقطیع - صفحات ۳۳۲ ، قیمت تین روپئے - ملنے کا پتہ ، منشی مگن بہاری لال صاحب آنریری سکرٹری گئو شالا ، دریاباد ضلع بارہ بنکی)

یہ کتاب قصبۂ دریا باد ضلع بارہ بنکی کی تاریخ ہے - منشی برج بھوکن لال صاحب نے اپنے وطن کی محبت میں بہت محنت سے اس کام کو انجام دیا ہے اور مختلف تاریخوں ، سرکاری کاغذات اور اخبارات کے مطالعہ سے تاریخی سامان بہم پہنچایا ہے۔ دریاباد کے تاریخی ذکر کے بعد وہاں کے قدیم و جدید مشاہیر علما ، شعرا ، فقرا ، رؤسا ،

ماہرین فن، مختلف پیشہ وروں اور عمارتوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے - کتاب بڑی تقطیع کی باریک لکھی ہوئی بہت ضخیم ہے - اگر ہر قصبے اور شہر کے حالات کم و بیش اسی نہج پر لکھہ دئے جائیں تو ہندوستان کی تاریخ کے لئے بہت اچھا سامان جمع ہو سکتا ہے - اِن چھوٹے چھوٹے مقامات کی تاریخوں میں بعض اوقات ایسی ایسی کام کی باتیں مل جاتی ہیں کہ بڑی بڑی تاریخیں اُن سے خالی ہوتی ہیں - ہم منشی صاحب کی محنت کی داد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اہل دریا باد اُن کی محنت اور کاوش کی قدر کریں گے —

سراج منیر

(حضرت محمد (صلعم) کی سوانح عمری - مؤلفہ جناب منشی امتیاز علی صاحب بی - اے ، وکیل فیض آباد - حجم ۲۱۰ صفحے قیمت (مجلد) دو روپیے

یہ کتاب جیسا کہ خود مؤلف نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے زیادہ تر انگریزی خواں طالب علموں کے لئے لکھی گئی ہے - شروع میں وجود خدا ، نبوت ، آخرت ، مرضی و الہی ، محبت الہی ، اسلام پر چند ابواب لکھے ہیں جو تقریباً نصف کتاب پر ہیں - ان عنوانوں کے تحت میں کہیں کہیں غیر متعلق بحثیں بھی چھیڑ دی ہیں مگر وہ سب خلوص اور مؤلف کے ذاتی اعتقاد اور خیال پر مبنی ہیں - باقی نصف کتاب میں انحضرت (صلعم) کے حالات ہیں - کتاب صاف اور ستھری زبان میں لکھی گئی ہے - اکثر مقامات میں ناظرین کی واقفیت اور تشفی کے لئے دلیل و برہان سے بھی کام لیا گیا ہے - طالب علموں اور عام اصحاب کے لئے جو اسلام اور اس کے مقدس بانی کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ کتاب بہت مفید ہے —

معرق

التحفة الحجازیہ

مؤلفہ مولوی محمد ریاض الدین احمد صاحب بریلوی بڑی تقطیع - صفحات

۵۲ - قیمت ایک شلنگ)

مولوی ریاض الدین احمد صاحب کے نام سے کون واقف نہیں - مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر نے دلگداز میں ان کا تذکرہ لکھ کر انہیں ہمیشہ کے لئے زندہ کردیا ہے - سب سے بڑی خوبی ان میں یہ ہے کہ یہ کبھی نچلے نہیں بیٹھتے ' کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں - ان کے کاموں کا شمار کیا جاے تو ان کی زندگی کی طرح یہ بھی عجیب وغریب اور مختلف نوعیت کے نکلیں گے - یہ کتاب بھی اسی قسم کی ہے - غالباً اس سے پہلے کسی کو خیال نہیں آیا کہ عربی زبان میں اردو کی ضروری صرف و نحو اور زباندانی کے مسائل لکھے جائیں تا کہ عرب آسانی سے اردو زبان سیکھہ سکیں - ہم مولوی صاحب کی اس جدت اور کوشش کی داد دیتے ہیں - درحقیقت مولوی صاحب نے اردو کی اشاعت و وسعت کی بہت اچھی تدبیر سوچی ہے - ہندوستان کی مختلف زبانوں میں بھی اس قسم کی کتابوں کی بہت ضرورت ہے ہمیں امید ہے کہ جو صاحب ایسی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں وہ ضرور مولوی ریاض الدین احمد صاحب کی تقلید کریں گے - بلا شبہ یہ زبان اور ملک کی خدمت ہے —

موجودہ لندن کے اسرار

محمد عمر اور نور الہی صاحبان سے اردو ادبی دنیا اچھی طرح واقف ہے - زیر تبصرہ کتاب انہی حضرات کا ترجمہ ہے —

اس کتاب میں دنیا کے سب سے بڑے دارالخلافہ کی اندرونی زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے ' لندن کے عجیب وغریب اسرار بیان کئے گئے ہیں - عیاری ' جعل کے نئے نئے طریقے ، سماج کی اندرونی حالت ' چوری اور ڈاکے کی ایسی ایسی کہانیں جنھیں سن کر سادہ لوح مشرقی انگشت بدندان رہ جاے ' ان سب کا بیان نہایت دلچسپ پیرایہ میں کیا گیا ہے - اسے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید تجارتی ، اور سائنٹفک تمدن کے ظاہری پہلو جتنے روشن ہیں ' اتنے ہی اس کے باطنی پہلو تاریک ہیں - فلسفۂ جرائم پر اتنی دلچسپ کتاب اردو میں اب تک نہیں لکھی گئی —

عام پبلک کے لئے بھی اس کا مطالعہ سبق آموز ہوگا ، ہمارے یہاں آج کل ایک طبقہ ایسا ہے جو اندھا دھند میکانی صنعت و حرفت کی طرف جارہا ہے اور اپنے جوش میں ان برائیوں کی طرف سے غافل ہوگیا ہے جو ضمناً اس سے پیدا ہوجاتی ہیں - اس کتاب کے مطالعہ سے ممکن ہے کہ وہ اپنے زاویۂ نگاہ کو بدل دے ·

ترجمے کے لئے صرف یہی کہدینا کافی ہے کہ محمد عمر اور نور الٰہی صاحبان کا کیا ہوا ہے، اصل کا زور باقی ہے، بعض جملے البتہ الجھے ہوئے ہیں، لیکن یہ ترجمہ کے لئے ناگزیر ہیں - ہم اس کتاب کو بہت دلچسپ اور مفید خیال کرتے ہیں —
کتاب مجلد ہے، لکھائی چھپائی اچھی ہے، ایک روپیہ میں شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور، اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہے —

(و)

مطالبۂ فطرت "قیل وقال" یعنی "اتحاد مذہب وفلسفہ"

ایک نئی کتاب کے نام ہیں جو محمد فاروق صاحب ایم ایس سی (علیگ) نے تصنیف کی اور ان کے ہموطن حکیم برہم صاحب نے اپنے مطبع برہم دور گھبور سے چھوٹی تقطیع کے ۱۲۰ صفحات پر بہت صاف اور خوشخط چھاپکر شائع کی ہے —
یہ دیکھکر ہمیں دلی مسرت ہوی کہ کئی سال کی خاموشی کے بعد محمد فاروق صاحب جیسے ذہین و قابل انشاپرداز نے دوبارہ علمی دنیا میں قدم رکھا اور بعض معرکہ آرا فلسفی مباحث پر قلم اٹھایا - البتہ اسے انکی شاعرانہ جلدبازی سمجھنا چاہئے کہ مدت کے الجھے ہوے جھگڑوں کا کھڑے کھڑے فیصلہ کردینا چاہتے ہیں —
"تمہید مسلم" کے بعد باب کے دو تین ابواب میں فاضل مصنف نے مسئلۂ ارتقا کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے - اگرچہ ان ابواب میں صاف طور پر باہمی ربط وتسلسل نہیں پایا جاتا، تاہم ہر بحث پڑھنے کی جگہ اچھی ہے اور نہایت دلچسپ و شگفتہ زبان میں لکھی ہے- یہ خوبیاں اور خالص علمی اعتبار سے بعض خامیاں دیکھکر شاید کوئی نہیں جان سکتا کہ لائق مصنف، شاعر ہونے کے علاوہ سائنس کے بھی سند یافتہ ماہر ہیں- مسئلۂ ارتقا پر بحث کرتے وقت، ہمارے نزدیک فاضل مصنف کو یہ بات اور بھی وضاحت کے ساتھ بتا دینے کی ضرورت تھی کہ ارتقا کا قانون تو بہت عام و وسیع ہے لیکن "ڈارون کا نظریہ" کی تشریح ایک سعی ہے جس کے بعض اصول سے اختلاف ہے —

اصول ارتقا کو منوانے کی دھن میں مصنف تمام ادیان و مذاہب کو بھی اس کے ماتحت و زیر اثر ثابت کرتے ہیں اور بت پرستی کو اس کی ابتدا اور "وحدت وجود"

کو ملتبا قرار دیتے ہیں - پہلا خیال یورپ کے اہل تحقیق سے ماخوذ ہے جو مذہب کو انسانی دماغ کی اختراع سمجھتے ہیں - لیکن قرآن کی تعلیم اس کے برعکس یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام نے ہمیشہ سے یکساں اصول کی تلقین و ہدایت کی ہے کیونکہ فطرت کے قوانین و حقائق ہمیشہ سے وہی ہیں اور وہی رہیں گے - رہا وحدت وجود کا مسئلہ' تو اسے فاضل مصنف نے ایسے اختصار سے بیان کیا ہے کہ غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال ہے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ علمائے دین ان کی تکذیب نہ کر بیٹھیں—

کتاب میں سب سے دلچسپ اور قابل قدر باب ہمارے نزدیک وہ ہے جس میں مصنف نے ''دعوت عمل'' کے عنوان سے بتایا ہے کہ سچی اسلامی زندگی کے کیا معنی ہیں اور کس طرح مسلمانوں کو نوع انسان کی بھلائی کے لئے ہمہ تن مصروف عمل ہونا چاہئے - مجلد کتاب کی قیمت ۱ روپیہ ہے اور حکیم بزنام صاحب گورکھپور کے پتے سے دستیاب ہو سکتی ہے—

کتاب صحت و ثبات

مصنفہ اے - سی - سیلمن ایم ڈی مطبوعہ اوریئنٹل واچ مین پریس [illegible]

حفظان صحت پر ہماری زبان میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور اب بھی جس قدر لکھی جائیں بیکار نہ ہوں گی کیونکہ عوام کو ابھی تک اس کا بہت کم علم ہے اور اس سے وہ دلچسپی پیدا نہیں ہوئی ہے جس کا ظہور عملی صورت میں نظر آئے - ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل اصلاح معاشرت کی ہر طرف دھوم ہے' ورزش جسمانی اور مدافعت قومی کے لئے سنگٹھن اور انجمنیں قائم کی گئی ہیں' صغر سنی کی شادی کے لئے قوانین نافذ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے' مگر شہروں کی صفائی' مکانات کا ہوادار بنانا یا امراض متعدیہ کے مدافعت کا خیال ابھی تک موہوم سا ہے اور عوام کی نظروں میں ان کے دیگر امراض کے مقابلہ میں زیادہ وقعت نہیں رکھتا - اس میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دونوں طبقے قابل ملامت ہیں - ابھی تک ان کے دلوں میں حفظان صحت کا پورا احساس پیدا نہیں ہوا جس کی شاید بڑی وجہ یہی ناقص تعلیم ہے - '' حفظان صحت '' سے بڑھکر اور کون سا ضروری مضمون ہو سکتا ہے' مگر ابھی تک یہ نصاب سے خارج ہے - حکومت' '' محکمہ صحت'' پر بکثرت روپیہ خرچ کر رہی ہے مگر جب تک خود لوگوں میں احساس نہ ہوگا اس کی تمام کوششیں لامحالہ نامکمل رہیں گی - ہم ڈاکٹر سیلمن کے مشکور ہیں کہ انہوں نے یہ کمی پوری کرنے کی

کوشش کی ہے اور ۳۲۰ صفحہ کی ایک ایسی کتاب لکھی ہے جس کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا —

اس کتاب کو ایک سرسری نگاہ سے دیکھنے کے بعد چند عیوب ہمیں اس میں نظر آتے ہیں جن کا بیان کرنا امید ہے کہ لائق مصنف کے دل آزاری کا باعث نہ ہوگا اور نہ اصلی مضمون کی وقعت کو کچھ کم کرے گا —

(۱) حفظان صحت کے ضمن میں دیگر مضامین شامل کردیے گئے ہیں - مثلاً وضع حمل، حوادث، بیماریاں اور ان کا علاج وغیرہ - ان سے قریباً نصف سے زیادہ کتاب بھر گئی ہے اور اصلی مضمون کے بعض ضروری مسائل فروگذاشت ہوگئے ہیں - مثلاً غذا، لباس، مکانات کی صفائی وغیرہ پر بہت کم لکھا ہے اور اس کتاب کو ایک ایسا مجموعہ بنا دیا ہے جس کا بجائے صحت و ثبات کے کوئی دوسرا نام رکھا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا -

(۲) موجودہ معاشرت اور بود و باش کے طریقوں کو جن کا حفظان صحت سے بہت بڑا تعلق ہے بالکل فروگذاشت کردیا ہے —

(۳) زبان نہ تو فصیح ہے نہ صحیح - محاورات کی غلطیاں بکثرت نظر آتی ہیں - اصطلاحات کی تصحیح کا بھی زیادہ خیال نہیں کیا گیا - مثلاً اعصاب اور ورید دونوں کو نسوں کے نام سے لکھا ہے (دیکھو صفحہ ۳۹ - "یہ پتلی نسیں وریدیں کہلاتی ہیں") —

(۴) جگہ جگہ انجیل و بائبل کا حوالہ دینے سے کتاب میں ایک قسم کی "مشنریت" پیدا کر دی ہے —

(۵) بعض جگہ غیر ضروری مبالغہ سے کام لیا ہے - مثلاً تمباکو، پان، گرم مصالحہ اور گوشت کو صحت کے لئے سخت مضر بتایا ہے لیکن دیگر حکما ان اشیاء کے معتدل استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں —

اس کتاب میں چھوٹی بڑی متعدد تصاویر ہیں جن میں اکثر معمولی ہیں لیکن چھ نہایت خوشنما، رنگین اور قابل زینت معلوم ہوتی ہیں —

(ڈاکٹر ال - ایچ - خ)

اردو کے نئے رسالے

سہیل

یہ اردو کا نیا رسالہ انجمن اردوے معلیٰ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے جانب سے شائع ہوا ہے - یہ سمجھئے کہ 'رد' کا جواب ہے - یعنی 'اردو کی طرح سہ ماہی ہے اور اسی تقطیع اور اسی خط اور نہج سے چھپا ہے جیسے اردو پہلے مسلم یونیورسٹی پریس میں چھپتا تھا - حجم بھی تقریباً اردو ہی کے برابر ہے - جناب رشید احمد صاحب صدیقی (علیگ) اردو لکچرار مسلم یونیورسٹی نے اسے مرتب کیا ہے - مقاصد اس کے عام اور وسیع ہیں - اغراض و مقاصد کے تحت میں پہلا مقصد یہ ہے —

"جہاں تک اردو کی خدمت کا تعلق ہے علی گڈھ کے مشاہیر اردو کی روایات کو قائم رکھنا اور اُن کو رواج دینا" —

اُس کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا - دوسرے مقصد میں "سنجیدہ دلچسپی" کا لفظ بھی قابل غور ہے - یعنی اس کے سمجھنے کے لئے سوچنے کی ضرورت ہے، علاوہ اس کے یہ مقصد بھی کچھ اظہار کے قابل نہ تھا —

۲ — "حتی الوسع ایسے مضامین فراہم کرنا جو سنجیدہ دلچسپی کے موجب ہوں اور عام طور مفید ہوں" —

تیسرا مقصد "اردو کو مقبول بنانے کے لئے معقول اور ممکن ذرائع و وسائل کا اختیار کرنا" بہت مبارک ہے —

چوتھا مقصد سب سے عجیب و غریب ہے اور تعجب یہ ہے کہ قابل مرتب نے اسے اغراض و مقاصد کے تحت میں کیوں رکھا ہے اور اسے مقصد قرار دینے یا اس کے اشتہار دینے سے کیا حاصل ہوگا - یہ اور ایسی بہت سی جزئی باتیں اڈیٹر کے ذوق اور اختیار تمیزی پر منحصر ہوتی ہیں، انہیں مقاصد میں داخل کرنا لاحاصل ہے - اڈیٹر صاحب نے ابتدائی مضمون میں اپنے اغراض و مقاصد پر بحث کی ہے اور اگرچہ بحث خاصی طویل ہے، لیکن صاف صاف کچھ نہیں معلوم ہوتا - اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے "کہ اس رسالہ کا مقصد مفید اور دلچسپ ہونا ہے" - اگر یہ ہے تو دوسروں پر تبرا کرنے کے کیا معنے کہ سرورق پر "علمی، اخلاقی، روحانی، مذہبی

تمدنی ' معاشرتی ' سیاسی ' اصلاحی ' اقتصادی ' تفریحی " سب کچھ لکھا رہتا ہے - مفید اور دلچسپ میں یہ سب کچھ آجاتا ہے ' صرف بیان کا فرق ہے ——

لیکن جیسی کہ ہمیں توقع تھی ' رسالہ نہایت عمدہ اور قابل قدر ہے اور اچھے اچھے مضامین جمع کئے گئے ہیں - علاوہ مضامین کے لاہور کے مشہور و معروف مصور عبدالرحمن صاحب چغتائی کی تین تصویریں (آستانۂ درگاہ پر ' شاہد گل ' رعنائی مشرق) بھی شامل ہیں - جن سے رسالے کی شان اور بڑہ گئی ہے - ان مضامین میں پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی کا مضمون " فارسی شاعری اور اُس کی قدامت پر " بہت محققانہ ہے - اُن کے سب مضمون اسی ڈھنگ کے ہوتے ہیں - مولانا سید طفیل احمد نے اردو رسم الخط اور اردو کی اشاعت پر اچھا مضمون لکھا ہے - یہ مضمون محض خیالی نہیں بلکہ واقعات پر مبنی ہے اور اردو کے بھی خواہوں کو اس پر غور کرنا چاہئے - کتابوں پر تبصرہ حضرت احسن مارہروی نے کیا ہے جس سے اُن کی قلم کی شوخی اور اُستادی ٹپکتی ہے - رسالے کے شروع میں ڈاکٹر سر اقبال کی عکسی تصویر اور ان کی قلم کی لکھی ہوئی ایک فارسی نظم کا عکس ہے - غرض کہ رسالے کو " مفید اور دلچسپ " بنانے میں پوری کوشش کی گئی ہے ——

مسلم یونیورسٹی علی گڈہ سے جیسا رسالہ نکلنا چاہئے ' سہیل ویسا ہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک علمی اور ادبی رسالے کے لئے جو سہولتیں وہاں موجود ہیں وہ کسی دوسرے مقام پر مہیا نہیں ہوسکتیں اور اس لئے ہمیں یقین ہے کہ یہ رسالہ اردو کے تمام رسالوں پر فوقیت لے جائیگا ——

قابل اڈیٹر کی " سنجیدہ ظرافت " اور شوخی اور ان کی تحریر کا خاص انداز جا و بیجا اکثر مقامات پر نظر آتا ہے جس سے رسالے کی دلچسپی میں خاص طور پر اضافہ ہوگیا ہے - وہ اپنے مضمون نگاروں کے ساتھہ اس طرح لپٹے ہوے ہیں کہ اُن کا جز بن گئے ہیں - اگر وہ برا نہ مانیں تو ہم اُن کی خدمت میں اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے حاشیوں اور نوٹوں کو کم کرنے کی کوشش فرمائیں اور اپنے اشہب قلم کو بے قابو نہ ہونے دیں تو اُن کے اور اُن کے رسالے کے حق میں بہتر ہوگا ——

رسالے کی سالانہ قیمت چھہ روپیہ اور فی کاپی دو روپئے ہے ——

انتخاب ——

یہ رسالہ لاہور سے ' جس کی سرزمین اخبار خیز ہے ' گزشتہ ماہ اکتوبر میں شائع ہوا - اس کے سرپرستوں ' ڈائرکٹروں ' اور اعزازی مدیروں میں بڑے بڑے نام ہیں - رسالے کے

کے اڈیٹر الوالمعانی حضرت اختر شیرانی الافغانی ھیں- حضرت اختر سے اردو کے ناظرین واقف ھونگے -اِن کی ایک بہت ھی شیریں اور پر سوز نظم ,جوگن) اردو کے کسی نمبر میں چھپ چکی ھے - یہ رسالہ اسم با مسمیٰ ھے اور اس میں مختلف رسالوں اور کتابوں سے اچھے اچھے مضمون اور نظمیں اور اقتباس شائع کئے جاتے ھیں - یہ خیال بہت اچھا ھے ' بشرطیکہ انتخاب سلیقے سے کیا جائے - پہلا نمبر جو ھمارے پاس پہنچا ھے ' اس میں جو انتخاب ھیں اچھے ھیں اور پڑھنے کے قابل ھیں - لیکن اس میں ترقی اور اصلاح کی بہت گنجائش ھے - خاصی بڑی تقطیع پر ۷۲ صفحے ھیں قیمت کہیں نہیں لکھی --

پریم (یعنے بچوں کا ھفتہ وار اخبار)

یہ رسالہ بھی لاھور سے نکلا ھے - اس کے اڈیٹر مولانا تاجور ھیں جو اردو رسالوں میں اس قدر مشہور و معروف ھیں کہ کسی تعارف کی ضرورت نہیں - یہ رسالہ بچوں کے لئے ھے -- عبارت بہت صاف ' سیدھی سادی اور دلچسپ ھے - باتیں بھی اُن کی سمجھ کے موافق ھیں - مضمون' نظمیں ' قصے کہانیاں ' مکالمے اور خبریں سب اسی رنگ میں لکھی ھوتی ھیں کہ بچے پڑھیں اور خوش ھوں اور ان کے معلومات بھی بڑھیں- اور جو کسی مضمون یا نظم میں کوئی لفظ یا محاورہ ذرا مشکل آجاتا ھے تو آخر میں اس کے معنے بھی لکھدیتے ھیں- مولانا تاجور نے یہ بہت اچھا کام کیا ھے- ایسے رسالے کی بہت ضرورت تھی- تصویریں بھی اس میں بہت اچھی ھوتی ھیں اور لکھائی ' چھپائی ' کاغذ سب اچھا - لڑکے لڑکیوں اور تحتانیہ (پرائمری) جماعت کے طالب علموں کے لئے بہت خوب ھے - مہینے میں چار بار نکلتا ھے - سالانہ قیمت چھ روپیہ ھے -

نظارہ

یہ بزم ادب کا ماھواری رسالہ ھے جو کانپور سے اس سال کے شروع میں شایع ھوا ھے- کیا اچھا ھوتا کہ اگر اڈیٹر صاحب پہلے نمبر میں بزم ادب اور اس رسالے کے متعلق کچھ تحریر فرماتے - البتہ اتنا معلوم ھوتا ھے کہ اس مجلس کا مقصد اردو کی ترویج و اشاعت ھے اور غالباً اسی غرض کے پورا کرنے کے لئے اس مجلس کی طرف سے یہ رسالے شایع کیا گیا ھے اس کے چیف اڈیٹر سید ابو محمد ثاقب ھیں اور ان کے علاوہ دو اڈیٹر اور ھیں - ایک پروفیسر موھن سنگھ دیوانہ' ایم - اے اور دوسرے منشی شیام کشور نور صاحب - ھمیں

اس سے بیحد خوشی ہوی کہ یہ علمی کام اس طرح اتفاق سے چل رہا ہے جسمیں ہندو مسلمان دونوں برابر کے شریک ہیں - مضامین دلچسپ اور اچھے ہوتے ہیں - تینوں اڈیٹر شوق سے کام کرتے ہوں اور ہر رسالے میں اُن کے قلم سے کوئی نہ کوئی مضمون یا نظم ضرور ہوتی ہے - حجم ۳۲ صفحے - سالانہ چندہ دو روپئے —

حوش حبر

یہ ماہانہ رسالہ اس سال کے شروع میں انبالہ سے شایع ہوا ہے - ادبی رسالہ ہے کوئی خاص بات نہیں · معمولی درجہ کا ہے - ایم ' چے خان ' رہبر پانی پتی اس کے اڈیٹر ہیں - انبالہ سے ایک اردو رسالے کا نکلنا بہت غنیمت ہے - حجم ۳۲ صفحے- سالانہ قیمت ایک روپیہ بارہ آنے ..

طالب علم

طالب علموں کےلئےملک میں بہت‌کم رسالہ شایع ہوتےہوں اس لئےہمیں اس رسالہ کو دیکھہ کر خوشی ہوئی - اس کے دو تو اعزازی چیف اڈیٹر ہیں اور تین اور اڈیٹر اور سب اڈیٹر ہیں - گویا کُل ملا کے پانچ اڈیٹر ہوے — مگر رسالہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اڈیٹر صاحبوں نے اسے زیادہ مفید اور بہتر بنانے کے لئے جیسی چاھئے تھی ویسی کوشش نہیں کی · موجودہ حالت میں رسالہ اچھا خاصہ ہے مضمون بھی کار آمد ہیں ' لیکن اس سے بہتر ہونا چاھئے اور مضامین میں زیادہ دلکشی اور دلچسپی پیدا کرنی چاھئے-چھپائی بھی اس‌سے بہتر ہوتو مناسب ہے- یہ رسالہ‌کا پہلا نمبر ہےاور اسے مہینے شایع ہوا ہے - ہمیں امید ہے کہ آگے چل کر اس میں مناسب اصلاح اور ترقی کی کوشش کی جاے گی - حجم ۴۰ صفحے - عام سالانہ قیمت تین روپیے اور طالب علموں سے اڑھائی روپئے - لکھنئو سے شایع ہو تاہے —

انوارالقدس-

یہ تصوف کا ماہوار رسالہ ہے جو مہائم (از مضافات بمبئی) سے شایع ہوتاہے . اردو کا رسالہ ایسے مقام سے شایع ہو' بسا غنیمت ہے-اڈیٹر اس کے چودھری شریف احمد راز

لکھنوی ھیں - تمام مضامین تصرف سے متعلق ھیں اور زیادہ تر مولانا سید محمد ذوقی شاہ صاحب کے قلم کے ھیں - جن صاحبوں کو تصوف سے شوق ھے وہ اُسے ضرور منگاکر دیکھیں - کاغذ چکنا اور لکھائی چھپائی بہت صاف ھے - سالانہ قیمت چار روپیہ ھے - حجم، کسی قدر بڑی تقطیع پر ۴۸ صفحے —

جدید رسالوں پر تبصرے کے بعد ھم پرانے رسالوں میں سے دو رسالوں کا خاص طور پر تذکرہ کرنا چاھتے ھیں - ان میں سے ایک زمانہ ھے - یہ اردو کا بہت قدیم رسالہ اور شروع سے اب تک جناب دیا نراین نگم صاحب کی اڈیٹری میں نکل رھا ھے جسے اب تیئسواں سال ھے - نگم صاحب جس ھمت و استقلال اور شوق سے اردو کی خدمت کر رھے ھیں وہ قابل داد ھے - دسمبر سنہ ۲۵ ع کا پرچہ قومی نمبر ھے - یہ معمول سے زیادہ ضخیم ۱۲۰ صفحوں پر ھے اور تمام مضامین اس قسم کے ھیں کہ وہ قومی نمبر کہلانے کا مستحق ھے - قابل اڈیٹر نے ملک کے بعض رھنماؤں سے درخواست کی تھی کہ اس وقت جن باتوں کی طرف اھل وطن کی توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ھو، ان کے متعلق چند سطریں دعوت عمل یا پیام محبت کے طور پر زمانہ میں اشاعت کے لئے مرحمت فرمائیں - چنانچہ اس پر مہاتما گاندھی، ڈاکٹر سرتیج بہادر سپرو، لالہ لجپت رائے، شریمتی سروجنی نائڈو اور ڈاکٹر سر محمد اقبال نے جو پیام بھیجے ھیں وہ پڑھنے کے قابل ھیں - اس کے علاوہ اس نمبر کے اور مضامین بھی بہت خوب ھیں - رھنمایان قوم کے متعدد فوٹو بھی دئے ھیں - بہرحال یہ رسالہ بہت اچھا ھے اور اھل وطن کے مطالعہ کے قابل ھے —

دوسرا رسالہ جس کی طرف ھم توجہ دلانا چاھتے ھیں وہ نیرنگ خیال ھے - اگرچہ اس رسالے کو نکلے کچھ زیادہ مدت نہیں ھوی، مگر یہ برابر ترقی کررھا ھے اور عید نمبر تو اپنی ظاھری اور باطنی خوبیوں کی وجہ سے بے مثل ھے - اس میں چھوٹی بڑی سب ملاکر بیس تصویریں ھیں جن میں سے بعض رنگین تصویریں نہایت عمدہ اور تاریخی حیثیت رکھتی ھیں - اس کے علاوہ نظمیں، غزلیں، کارٹون، مضامین، افسانے، انتخابات وغیرہ سب ملاکر ایک بہت دلچسپ مجموعہ ھے - یہ نمبر تقریباً ۱۴۰ صفحے پر ھے - اگرچہ اس کی لکھائی باریک اور دو کالم میں ھوتی ھے، لیکن اس پر بھی اس کی چھپائی اور لکھائی بہت صاف اور ستھری ھے - قابل اڈیٹر کا ذوق قابل تعریف ھے - ھمیں نیرنگ خیال کا عید نمبر دیکھہ کر حقیقی مسرت ھوئی اور امید ھے کہ اھل ملک اس کی قدر کریں گے - چونکہ یہ نمبر حجم اور مضامین کے لحاظ سے غیر معمولی ھے اس لئے اس کی قیمت فی پرچہ ۱۲ آنے رکھی گئی ھے جو اس کی خوبیوں کے مقابلے میں بہت کم ھے -

نواب سالار جنگ بہادر کا عطیہ

ہم نہایت مسرت سے ساتھہ اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر نے، جو انجمن کے مقاصد سے خاص ہمدردی رکھتے ہیں، انجمن کو پانسو روپیہ کلدار عطا فرمائے ہیں۔ ہم جناب نواب صاحب کی اس علم دوستی اور اعانت کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں—

آنریری سکرٹری

انجمن ترقی اردو

انجمن کے کام

۱ - انجمن میں اس وقت یہ کتابیں زیر طبع هیں—

(۱) مثنوی خواب و خیال - یہ میر اثر (برادر خورد خواجہ میر درد) کی نایاب مثنوی ہے - اس کے دو نسخے بڑی تلاش اور سعی سے بہم پہنچائے گئے اور مقابلے اور تصحیح کے بعد یہ نسخہ مرتب کیا گیا ہے—

(۲) قواعد اردو' بعد اصلاح و ترمیم اور اضافے کے دوبارہ چھپ رہی ہے اور بہت جلد شایع کی جائے گی—

(۳) کلیات ولی بھی زیر طبع ہے اور اسی سال میں شایع ہوجائیگی—

(۴) پروفیسر الیاس برنی صاحب اپنی کتاب علم المعیشت نظر ثانی کر رہے ہیں اور اس کی اشاعت کا بھی جلد انتظام کیا جائے گا—

۲ - Concise Oxford Dictionary کے ترجمے کی نظر ثانی اور اصلاح کے لئے ایک خاص کمیٹی حیدرآباد میں قائم کی گئی ہے جس نے کام شروع کر دیا ہے—

۳ - پیشہ وروں کی اصطلاحات کی لغت تقریباً مکمل ہوچکی ہے' لیکن اس کے لئے کثیر تعداد میں نقشوں اور تصویروں کی ضرورت ہوگی' جس کے لئے صرف کثیر درکار ہے - اس لئے اس کی اشاعت میں کسی قدر تاخیر ہوگی—

۴ - زبان کی لغت کا کام بھی برابر جاری ہے—

بعض قدیم اردو کتب کے نایاب نسخے بہم پہنچائے گئے ہیں جن کی تبئیض اور تصحیح جاری ہے - مرتب ہونے کے بعد شایع کئے جائیں گے—

اطلاع

انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد دکن کی حسب ذیل کتابوں کی قیمتوں میں
کمی کردی گئی ھے - یہ کتابیں تخفیف شدہ قیمتوں میں مل سکتی ھیں —

کتاب	قیمت	تخفیف شدہ قیمت
فلسفہ تعلیم مجلد	۳ روپیہ	۲ روپیہ
بجلی کے کرشمہ مجلد	۲ روپیہ ۴ آنہ	۱ روپیہ ۱۲ آنہ
ملل قدیمہ مجلد	۲ روپیہ ۶ آنہ	۱ روپیہ ۱۲ آنہ
نکات الشعرا مجلد	۲ روپیہ ۴ آنہ	۱ روپیہ ۱۲ آنہ

المشتہر

انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا- نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاصکر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا- کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے- جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے- اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے- ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پراز معلومات ہے- خاصکر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ کلدار

سرگزشت حیات یا آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے- حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا ہوا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا- یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار—

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی- میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں- اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو- یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے- یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے- میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے- اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے- قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ کلدار- غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ کلدار—

تاریخ تمدن

سر تامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا

ترجمہ ہے - الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ مجلد دو روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ کلدار —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالاراتصنیف فوزالاصغر کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الٰہین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار مجلد ایک روپیہ کلدار —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ان سب کو جمع کردیا ہے طرزبیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ کلدار - مجلد ۱ روپیہ کلدار —

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہئے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے - قاعدہ غیر مجلد ۲ آنہ کلدار - کلید قاعدہ غیر مجلد ۴ آنہ کلدار —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۳ روپیہ کلدار - غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

دریائے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب وغریب نکات درج ہیں قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ کلدار مجلد ۲ روپیہ کلدار —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل

قلم بند کئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے۔ قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ کلدار مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے۔ سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے۔ ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے۔ وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے۔ قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ کلدار۔ مجلد ۴ روپیہ کلدار جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے۔ قیمت حصہ اول غیر مجلد ۹ آنہ کلدار حصہ دوم غیر مجلد ۴ آنہ کلدار —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اشتراکیت کا باب قابل دید ہے حجم ۸۸۵ صفحے قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

تاریخ اخلاق یورپ

اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم وتبحر۔ تحقیق وصداقت کا مرادف ہے۔ یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن۔ معاشرت۔ اصول۔ اخلاق۔ مذاہب و خیالات کا مرقع ہے۔ حصۂ اول مجلد ۳ روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ۔ اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے۔ ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار —

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ کلدار —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا - پانی - غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثرودلپزیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا - حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ کلدار —

قواعد اردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردوزبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے - بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد دو روپیہ ۴ آنہ کلدار —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ کلدار —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف "یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" - اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلوپر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں اردو مصادر اور ان کے

مشقات-غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں- اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں-لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں اور ہمارے حوصلہ بلند کردئیے ہیں-اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آیندہ ترقی کے متعلق دعویٰ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے-مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا-اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے تعداد صفحات ۳۰۵ قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ کلدار—

نفح الطیب

یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے معلومات کا خزانہ ہے-خلافت اسپین کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے-علامۂ مقری کی نامور اور مشہور آفاق کتاب ہے جو پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہے-یہ کتاب عثمانیہ یونورسٹی کے نصاب میں بھی داخل ہے صفحات ۶۰۴ قیمت مجلد چھہ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے-اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے-یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا-صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے- قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار—

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے- اس میں بعض قدیم اقوام سلطنت کلدانی-آشوری-بابل-بنی اسرائیل و فلیقیہ کی معاشرت-عقائد-صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دئیے ہیں-اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں-صفحہ ۲۷۴-قیمت مجلد دو روپیہ ۲ آنہ کلدار—

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی-اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے- برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے کہاں سے آتی ہے کیا کام آسکتی ہے-یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے-لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے- قیمت دو روپیہ ۴ آنہ کلدار—

——:o:——

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں
(کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڈھ)

سیرۃ النبی حصۂ اول ۴ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ دوم ۳ روپیہ ۸ آنہ
سیرۃ النبی حصۂ سوم ۲ روپیہ
شعر العجم مکمل ۵ حصے ۱۳ روپیہ
سفر نامہ مولانا شبلی ۲ روپیہ
علم الکلام ۲ روپیہ
الکلام ۲ روپیہ
کلیات شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصہ ۸ روپیہ
انقلاب الامم ۲ روپیہ
برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
مکالمات برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
مثنوی بحر المحبت ۱۲ آنہ
تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی) ۲ روپیہ
سیر الصحابیات ۲ روپیہ ۴ آنہ
روح الاجتماع ۲ روپیہ
ابن رشد ۴ روپیہ
گل رعنا ۵ روپیہ
سیر الانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ

(مطبع کاویانی - برلن)

موش و گربہ (فارسی) ۵ آنہ ۲ پائی
زاد المسافرین (فارسی) ۸ روپیہ
گلستان (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
تیاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رہنماے پسران (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ - علی گڈھ)

الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۲ آنہ
سیرۃ الرسول ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
خلافت عباسیہ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب مہر (از نور الرحمن صاحب) ۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوہر ۸ آنہ
مجموعہ کلام جوہر ۲ آنہ
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازہار العرب ۸ آنہ

میلاد نبوی — ۳ آنہ
تصویر درد — ۲ آنہ
شمع و شاعر — ۲ آنہ
فریاد امت — ۳ آنہ

(دار الاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی — ۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی — ۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ ۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ — ۱ روپیہ
سلجوق — ۱۰ آنہ
جوہر قدامت — ۲ روپیہ ۸ آنہ
تحفہ سائنس — ۳ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند — ۲ روپیہ ۹ آنہ
نیلی چھتری — ۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری — ۱ روپیہ
اختر النسا بیگم — ۱ روپیہ ۸ آنہ
دکھ بھری کہانی — ۲ آنہ ۶ پائی
روشنک بیگم — ۲ روپیہ
رانی کرونارت — ۱ آنہ
رسوم دہلی — ۳ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر ۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر — ۱ روپیہ ۴ آنہ
[illegible] — ۱ [illegible] ۴ آنہ

انمول موتی — ۱ آنہ ۶ پائی
سوکن کا جلاپا — ۶ آنہ
گوہر مقصود — ۹ آنہ
لیلیٰ — ۲ روپیہ
سواء السبیل — ۱ روپیہ
سخندان پارس — ۱۰ آنہ
قوانین دولت — ۳ آنہ
میلا — ۱۲ آنہ
چترا — ۱۲ آنہ

تصانیف نورالٰہی و محمد عمر صاحبان

موجودہ لندن کے اسرار — ۱ روپیہ
ناٹک ساگر یعنی دنیا کے ڈراما کی تاریخ
مجلد ۳ روپیہ
تین توپیاں — ۸ آنہ
ظفر کی موت — ۴ آنہ
قزاق — ۸ آنہ
بگڑے دل — ۸ آنہ

(دوسری قابل قدر کتابیں)

رسائل شبلی — ۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانہ اسکندریہ — ۵ آنہ
مسدس حالی
جنگل کی پہلی [illegible]
بادل کے [illegible]

انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبہ شیخ الاسلام ۲ آنہ
خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب
۲ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر
۱۲ آنہ

(نظامی پریس - بدایوں)

قاموس المشاہیر جلد اول ۲ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ
۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑھ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن)
۱ روپیہ ۸ آنہ
خطوط سرسید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سرسید قسم دوم ۲ روپیہ
۔۔۔ فی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
۲ روپیہ
سیر الصحابیات مجلد
روح الاجتماع
ابن رشد
گل رعنا
سیر الانصار
(مطبع ...)
موش و گربہ (فارسی)
زادالمسافرین (فارسی) ۸ روپیہ
گلستان (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
میخانۂ سخن ۱ روپیہ
حزن اختر ۸ آنہ
درس عمل ۴ آنہ
خواتین انگورہ ۱ روپیہ
بیگمات بنگال ۲ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنہ
مشرقی ترکستان ۲ آنہ
سیاحت زمین ۱ روپیہ
سیاحت ہوا ۱ روپیہ

الناظر پریس - لکھنؤ

تاریخ عرب ۷ روپیہ
موازنہ انیس و دبیر ۳ روپیہ
مقدمہ شعر شاعری ۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول النسخ ۲ آنہ
مسلمانان اندلس ۱ روپیہ
اسرار رنگون ۱ روپیہ
ہوم رول ۵ آنہ
خوان دعوت ۱ روپیہ
مصنوعی شوہر ۲ آنہ
وکرم اروسی ۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب

روپیہ
۱ روپیہ
... صاحب)
۱ روپیہ
۲ روپیہ
۸ آنہ
۲ آنہ
۴ آنہ
۸ آنہ